



گھر کے ہر فرد کے لئے

# پاکینہ

دسمبر 2022

قیمت 150 روپے

بانی  
معراج وحید

سحر ساجد، عالیہ حواء اور انیسٹین شین خان کی متاثر کن تحریریں  
یہ بچہ شاہد کی بزم میں خوشگوار آمد  
نیت زیب کے قلم سے نیا سلسلہ گھر آئینوں کے تارے





سرورق ماڈل: فرینہ اعجاز  
فوٹوگرافی: موسیٰ رضا  
میک اپ: روز بیوٹی پارلر

# پاکینہ

بانی: معراج رسول  
مدیرہ اعلیٰ: غدرار رسول  
مدیرہ: نزہت اصغر  
معاون: آمنہ حماد



رکن آل پاکستان خیراتی سوسائٹی

مارکیٹنگ مینیجر

محمد شہزاد خان

0333-2256789

سرکولیشن مینیجر

سید میر حسین

0333-3285269

محمد شہزاد خان

0333-2256789

نی پرچا (پاکستان) 150 روپے

نی پرچا (سعودی عرب) 12 ریال یا مساوی متحدہ عرب امارات

لاڈ (انڈونیشیا) 2000 روپے جلد 50 شمارہ 09 دسمبر 2022ء

HAR KHANAY KA ASAL MAZA  
SHANGRILA SEASONINGS  
SEY BARHA

Pakistan's **No.1**  
Seasonings Brand

Taste Aroma Color

\*Foresight Household Panel 2022

www.shangrila.com.pk

Shangrila Pakistan

Shangrila Pakistan





### مستقل عنوانات

شگفتہ یاسمین 215	ادارہ 08	خوش آفتاب
پاکیزہ بہنیں 217	مدیرہ 203	پاکیزہ
ادارہ 219	آمنہ حماد 210	روحانی شوئے
مہ جیس 220	صغریٰ زیدی 213	حسن نگار کے آرا
222	ہونیو کلینک	

دین کی باتیں  
بہنوں کی محفل  
پاکیزہ ڈائری  
میں اکثر لکھتی رہی

### محبت نمبر

#### انسام

خود دانہ نوشین خان	سہم دہم
نوربت جیس صیا	پہلا قدم
فرحت جیس	پہلی
فوزیہ احسان رانا	نہر تندر
افراح شاہینہ کرن	رشتہ والی
سیمابنت عاصم	اگر کچھ کہانی
حمیرا نوشین	راڈ واہ
فرح بھٹو	دہن کی گلی گلی

#### خصوصی مضامین

نہت زیب	اگر ستر گز کے تار کے
اختر شجاعت	پہلا قدم
نہت اصغر	وہاں ہے ہر لمحہ
ادارہ	سہم دہم کی یادوں کا سفر

#### اداریہ

مدیرہ 07

#### سلسلہ وار ناول

اڑن بہار ناہید سلطانہ اختر 14

#### ناولٹ

محبت چار حرف شیر حیدر 46

#### مکمل ناول

لین مريم عالیہ حرا 104

نیراجت سحر ساجد 138

#### منی ناول

قصہ سرائ شبنہ گل 80

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.  
Postal Address: Box No. 662, G.P.O., Karachi-74200  
Phone: (021)35895313, 35802552, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com

پبلشر پروپرائٹرز بشان رسول مقام اشاعت گراؤنڈ فلور 63 فیڈر ایکس لینشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ، کراچی 75500  
پرنٹر: جمیل حسن و مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مجھے کچھ  
کہنا ہے!

عزیز قارئین..... السلام علیکم!

رواں سال 2022ء کا آخری شمارہ لیے حاضر ہیں

اسے محبت نمبر کا خاص اس لیے نام دیا کہ یاد رہے محبتیں رہیں تو سب کچھ ہے..... اپنے خالقِ مکل سے محبت، دنیا میں پائے والوں یعنی والدین سے محبت، جس سر زمین پر قدم بجائے مکمل فضا میں سانس لے رہے ہیں اس سے محبت اور مخلوقِ خدا سے محبت تو لازمی ہے کہ تمہارا انسان کچھ نہیں.....

بات اپنے رب سے محبت کی آجائے اور پھر اپنی دھرتی ماں سے محبت کی آجائے تو اس پر دیگر تمام محبتیں قربان..... تو میں وہی زندہ و تابندہ راقی ہیں جو اپنے محسنین کو نہیں بھولتیں..... جو اپنی اقدار و ثقافت کو اجاگر رکھتی ہیں۔ ماہِ دسمبر اس عظیم رہنما، بابائے قوم حضرت قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی ولادت کا مہینہ ہے کہ جن کی انتھک کادشوں کی بدولت حاصل کی ہوئی اس سر زمین میں آج ہم اول درجے کے شہری کی حیثیت سے مکمل درون فضا میں سانس لے رہے ہیں اور الحمد للہ! آزادانہ طور پر اپنے تمام امور انجام دے رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اپنے پاک وطن میں موجود کمزوریوں اور کمیوں کو بجائے اجاگر کرنے کے اسے رفع کرنے کی کوشش کریں، پاک دھرتی پر موجود قدرتی خزانوں کی حفاظت کریں اور اسے عام عوام کے لیے منفعت بخش بنائیں تاکہ اس کا حق ادا کریں بھی، ہم سرخرو ہو پائیں گے۔

نئے سال کی روشن کرنیں اپنی صوفیائی پھیلائے کو تیار ہیں جاتے سال کی کوتاہیوں سے سبق سیکھتے ہوئے آنے والے وقت کے لیے محتاط ہو جائیں اپنے قلب و ذہن کو وسیع تر کیجیے..... قائد اعظم کے پاکستان کو ہر خوب صورت اقدام سے مثالی بنانے میں اپنا، اپنا حصہ ضرور ڈالیں۔

☆ قارئین ایک ضروری اطلاع ہے کہ اس مرتبہ آپ دلشاد سیم کی نئی مصروفیات کے باعث ان کے ناول صراطِ عشق کی قطع نہیں پڑھ پائیں گے۔ ان شاء اللہ ماہ جنوری میں نئی بھرپور قطع پیش کی جائے گی۔

مدیر

نزهت اصغر

# ملک بھر میں جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کے

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت ملنے میں اگر دشواری ہے تو مندرجہ ذیل نمبرز پر ہمارے نمائندوں سے رابطہ کیجیے۔

0524568440	سیالکوٹ	03016215229	گجرات	03002680248	کراچی
03460397119	میرپور AK	03456892591	وزیر آباد	03004009578	لاہور
057210003	انگلشی	03216203640	لالہ موٹی	03006301461	ملتان
03004059957	دیپالپور	03337472654	خان پور	03213060477	حیدر آباد
03002373988	لیہ	03325465062	کوہاٹ	03447475344	سرگودھا
03083360600	قصبہ ڈنگہ	03446804050	ساہیوال	03005930230	بٹالہ
03008758799	عارف والا	03006946782	پاک پتن	03337805247	گوجرانوہلہ
03023844266	لورالائی	03469616224	مظفر آباد	03006698022	فیصل آباد
03016299433	کوٹلہ ارب علی خان	03347193958	پوروالہ	03335205014	راولپنڈی
03338303131	جلاپور ریح والا	03136844650	دہاڑی	03003223414	نواب شاہ
03321905703	ہری پور	03346712400	تونسہ شریف	03009313528	سکس
03348761952	چکوال	03336481953	ڈیرہ غازی خان	03055872626	رحیم یار خان
03346383400	دہوا	03336320766	بہاولنگر	0622730455	بہاولپور
0307-6479946	حافظ آباد	03329776400	بغول شہر	03316667828	گوجرانوہلہ
0301-5497007	واہ کینٹ	03004719056	رائے وٹ	03235777931	جہلم
0992335847	ایبٹ آباد	03317400678	ہٹہ	03008711949	سیالکوٹ
03454678832	پٹوکی	03349738040	ڈیرہ اسماعیل خان	0477626420	جنگ
0333-5021421	مانسہرہ	03348761952	چشتیاں	03337979701	بکھر
03004992290	کوٹ راجا کشن	0301-7681279	تجن آباد	0331-7619788	مڈی ہاؤس الدین
0300-6575020	تھور	0333-8604306	سمبڑیاں	0300-9463975	ڈسکہ

جمرو شاہ قیم 03006969881 ٹوبہ ٹیک سنگھ 0315-6565459

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

35895313 فون ۱۱۲۶۳ C

E-mail: jdpgroup@hotmail.com



المریہ کی آیتیں ہیں۔ اور جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے برحق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ایسے ستونوں کے بلند کیا جن کو تم دیکھتے ہو۔ پھر وہ عرش پر مستوی ہوا اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا ہر ایک مقرر شدہ مدت کے لیے چل رہا ہے۔ وہی تمام معاملات کی تدبیر کرتا ہے، اور آیتوں کو تفصیل سے بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے پروردگار کی ملاقات پر یقین کر لو۔ (۲) اور وہ (اللہ تعالیٰ) وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا، اور اس میں یوحنا پھاڑ اور دریا بنائے۔ اور اس نے اس میں ہر قسم کے پھلوں میں سے دوہرے جوڑے پیدا کر دیے وہ رات ہے دن کو ڈھانپ دیتا ہے۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے جو غور کرتے ہیں نشانیاں ہیں۔ (۳) اور زمین میں بہت سے گلوے ایک دوسرے کے پاس پاس ہیں۔ اور ان گوروں کے باغ اور کھیتاں اور سمجھور کے درخت ایک ہی جڑ سے کئی، کئی آگے ہوئے اور الگ، الگ جڑوں سے آگے ہوئے (یہ سب) ایک ہی پانی سے پہنچے جاتے ہیں۔ اور ہم پھل میں بعض کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ (۴) اور اگر تو تعجب کرے تو ان کا (یہ) کہنا (ی) عجیب ہے کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم واقعی ایک نئی پیدائش (ظاہر) ہو جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار سے کفر کیا۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے۔ اور یہی لوگ دوزخ کے ساگی ہیں۔ یہ اس (دوزخ) میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (۵) اور یہ بھلائی ہے پہلے تجھ سے تکلیف (عذاب) کو جلدی مانگتے ہیں۔ حالانکہ ان سے پہلے یقیناً عذاب کی بہت سی مثالیں گزر چکی ہیں اور بے شک تیرا پروردگار لوگوں پر ان کے ظلم پر بھی بڑا بخشنے والا ہے۔ اور یقیناً تیرا پروردگار بہت سخت عذاب دینے والا (بھی) ہے۔ (۶) اور وہ لوگ جو کافر ہو گئے جانتے ہیں کہ اس پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی۔ سو اس کے نہیں کہ تو ایک ڈرانے والا ہے۔ اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہے۔ (۷) اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہر مادہ کیا اٹھائی ہے، اور بچے داناں کیا گھٹائی ہیں اور کیا بڑھائی ہیں۔ اور اس کے ہاں ہر چیز ایک انداز سے ہے۔ (۸) اور وہ سب پوشیدہ اور ظاہر بظاہر کا جاننے والا ہے سب سے بزرگ (اور) سب سے اعلیٰ ہے۔ (۹) تم میں سے جو بات چپکے سے کہے اور جو بلند آواز سے کہے، اور جو رات کو چھپنے والا ہو، اور دن کو چلنے پھرنے والا ہو، سب برابر ہیں۔ (۱۰) اس کے لیے اس کے آگے اور اس کے پیچھے پہرے دار (مقرر) ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ کسی قسم کی حالت نہیں بدلتا۔ جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی تکلیف کا ارادہ کرے تو اس کا کچھ دفعیہ نہیں۔ اور ان کے لیے اس کے سوا کوئی سرپرست نہیں۔ (۱۱)

(سورہ رعد ۱۳، پارہ ۱۳، آیات ۱ تا ۱۱)

## آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی

الصلوة والسلام عليك يا نبي الرحمة ﷺ

سید کوئین، ختم المرسلین، افضل الانبیاء، رحمت اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے صفاتی اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام سیدنا نبی الرحمة ﷺ بھی ہے۔ جس کے معنی و مفہوم رحمت والے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں۔ فقیر ابوالیث سرمدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا عالمین کے لیے رحمت ہونے کا مطلب تمام جنوں اور انسانوں کے لیے رحمت ہونا ہے۔

۱۔ القرآن: ۱۔ ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا کہ ان (کافروں) کو عذاب کرے جبکہ انے محبوب ﷺ آپ ان میں تشریف فرما ہیں۔ (آیت ۳۳، سورہ انفال)  
۲۔ ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

۲۔ الحدیث: ۱۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول پاکؐ نے اپنے کئی ایک نام بیان کیے اور فرمایا: میرا نام انصافی، الحاشی، نبی التوبہ اور نبی الرحمتہ ہے۔

۲۔ ایک تابعین حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور دعا کے لیے درخواست کی کہ خدا مجھے عافیت بخشے۔ آپ ﷺ نے اس سے ارشاد فرمایا کہ اچھی طرح وضو کر کے یوں دعا کرو۔

ترجمہ: یا اللہ! میں تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی الرحمتہ ﷺ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔ یا محمد! میں نے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں آپ کا وسیلہ پیش کیا ہے۔ اپنی اس ضرورت میں کہ وہ پوری ہو۔ یا اللہ! تو میرے حق میں حضور ﷺ کی شفاعت قبول فرما۔

۳۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے دو اماں اتاریں۔ ایک میرا ان میں تشریف فرما ہونا اور ایک ان کا استغفار کرنا۔

۳۔ الموائیہ: ۱۔ حضرت محمدؐ نے نہایت مجزور طریقہ سے توہمات کے خلاف جہاد کیا اور نہ صرف اپنے پیروؤں کے اندر سے اس کی ترویج و بنیاد کھاڑ کر چھینک دی بلکہ دنیا کو ایک ایسی روشنی عطا کی کہ توہمات کے بھیانک چہرے اور اس کی ہیبت کے خدو خال سب کو نظر آ گئے۔

۲۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ترحم و عنایات و اچھائی سے پُر ہے۔ (ٹی۔ ایل۔ و سوانی)  
۴۔ الفضائل: جو کوئی کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ علاج کروا کر تنگ آ گیا ہو مگر کسی طرح بھی شفا حاصل نہ ہوتی ہو تو روزانہ وضو کی حالت میں ایک سو مرتبہ اس نام پاک سیدنا نبی الرحمتہ ﷺ کا ورد کرے چالیس یوم تک بلا تاخیر اس طرح کرے۔

(قیصرہ حیات کی کتاب انوار الاسماء النبویہ ﷺ سے اقتباس)



## گھر آنگن کے حوالے

پاکیزہ جہ..... بہنوں میں دوستی کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟

نیلوفر عباسی جہ..... بہن بھائی وہ رشتے ہوتے ہیں جن سے اول لمحے سے محبت ہوتی ہے۔ یہ بہت قدرتی بات ہے۔ اس میں وقت کا عنصر نہیں کیا جاسکتا۔ دُور شہوار جہ..... میں نے آنکھ کھول کر اپنی باجی کو ہی اپنا بہترین دوست پایا۔

پاکیزہ جہ..... گھر آنگن میں بیٹے بچپن کی وہ ایک یاد جو بھلائے نہیں بھولتی؟

نیلوفر عباسی جہ..... ہم فلیٹ میں رہتے تھے اس لیے گھر آنگن تو نہیں تھا۔ اپنے فلیٹ کی بالکنی سے ری بندھی ٹوکری لٹکا کر مزے، مزے کی چیزیں خریدنا بہت اچھا لگتا تھا۔

دُور شہوار جہ..... ہر یاد ایک کہانی ہے اور وہ خوب



روشنی کی وی پرانا ونسٹ کرتے ہوئے

صورت دن سب یادگار ہیں۔

پاکیزہ جہ..... بچپن میں طبیعت میں کھلڈراپن زیادہ تھا یا خاموش طبع تھی؟

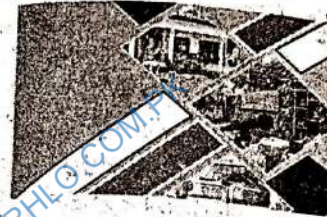
نیلوفر عباسی جہ..... میں ایک نارمل بچی تھی جس کو ہر کھیل کود میں حصہ لینا اچھا لگتا تھا، پڑھائی میں بہت اچھی تھی، رسالے لکھتا میں بہت شوق سے پڑھتی تھی۔

دُور شہوار جہ..... خاموش طبع تھی۔ البتہ شرارتی بہت

ماہنامہ پاکیزہ۔ دسمبر 2022ء

پھیلاتا ہے تو سماعتوں اور قلب و ذہن میں مقصد سحر کن صدا آئیں، بے لوث وفا میں، مدھر یادیں اسے چل دیتی ہیں اور گھر آنگن میں چھتے تارے ایک بار پھر ہم آواز، محبت کے دیے روشن کرتے وفا کے گیت گنگناٹے لگتے ہیں بندھنی کی صورت باہم ایک ہیں، ہم ایک ہیں..... محبت نمبر ہو اور ہماری جانب سے اپنے معزز قارئین کے لیے خصوصی سروے یا انٹرویو کی صورت محبت بھری سوغات نہ ہو یہ تو ممکن ہی نہیں۔ ہم آپ کے لیے محبتوں کے خیر سے گندھا انٹرویو کا نیا سلسلہ ”گھر آنگن کے تارے“ کے عنوان سے شروع کر رہے ہیں۔ آپ کے دکھ سکھ میں ماں کے علاوہ اگر کوئی شخص ماں آپ کے ساتھ ہو تو وہ ماں جانی ہے جی ہاں آپ کی بہن اس حلیے میں سب سے پہلے ہم نے ایک ہی آنگن میں جھکنے والے جن دو تاروں کا انتخاب کیا ہے ان کے لیے کہا جاسکتا ہے، ماں جانی من چاہی۔

ممتاز براڈ کاسٹر، صف اول کی ٹی وی آرٹسٹ اور برجستہ فنکار نیلوفر عباسی اور آپ کی ہمشیرہ دُور شہوار تنویر۔ برسوں اپنی شیریں نوازی سے سامعین اور ناظرین کے دلوں پر راج کرنے والی نیلوفر عباسی کی آواز اور سچے کا فصول آج بھی سماعتوں میں رس کھول دیتا ہے۔ طبعاً آپ بہت نفیس، خوش مزاج اور خوش اخلاق خاتون ہیں۔ بذریعہ سچ بھی غضب کی ہیں۔ دُور شہوار تنویر جو ۸۰ کے ابتدائی عشرے میں پاکستان ٹیلی ویژن کراچی مرکز سے دُور شہوار عظیم کے نام سے بطور اناؤنسر منتخب ہوئیں اور اپنی اہلیت سے محض تین سال کی محدود مدت میں ناظرین کے دل میں گھر کر لیا۔ شادی کے بعد آپ نے ٹی وی کی ملازمت ترک کر دی۔ خوش اخلاق، سادہ اور مہمگر المزاج روشی (دُور شہوار) نہایت خوش اسلوبی سے اپنی گھریلو ذمے داریاں نباہ رہی ہیں۔ نیلوفر عباسی اور..... دُور شہوار تنویر خالفتا علی وادلی ماحول میں پروان چڑھیں۔ فطرت اور تربیت کے حسین رنگوں کے امتزاج نے آپ دونوں کی شخصیت کو خوب، خوب نکھارا۔ ان سے گفتگو کا آغاز کچھ یوں ہوا۔



## گھر آنگن کے تارے



## ماں جانی من چاہی

## نیلوفر عباسی اور دُور شہوار تنویر

یادیں اوائل عمر سے تمام آخر سب کو جوڑے رکھتی ہیں۔ ان خوشی رشتوں کی مضبوطی کو زمانے کی سرد گرم ہوا کے جھوکے بھی نہیں توڑ سکتے۔ یہ تو ممکن ہے کہیں اتفاق میں کسی لمحے آجائے لیکن ان رشتوں کا احترام اور شیرینی انہیں کمزور نہیں پڑنے دیتی۔ مگر انا کا ناگ بھی بچپن

عزیز قارئین! اس امر سے تو ہم سب ہی واقف ہیں کہ جن حسی لفظ گھر اپنے اندر سمندر کی سی وسعت، گہرائی اور جامعیت سمیٹے ہوئے ہے۔ گھر اور گھر آنگن کا تصور گھر کے تمام مہینوں کے لیے نہایت دل خوش کن اور اہمیت کا حامل ہے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں سے وابستہ

ماہنامہ پاکیزہ۔ دسمبر 2022ء



## گھر آنکھ کے تارے



دور شہوار: ہاتھ کا ذائقہ دونوں کے ہاتھ میں ہے۔  
پاکیزہ: می ڈیڈی کی وراثت سے آپ کے حصے میں کیا آیا۔ یعنی (عادات، مزاج، علم و ادب کی وراثت؟)  
نیلوفر عباسی: سب کچھ۔ ان کا ذوق، طبیعت، تہذیب، طور طریقے، اطوار، گفتگو کا انداز، اٹھنے بیٹھنے کا رکھ رکھاؤ، ہر چیز۔

نیلوفر عباسی اپنے شریک حیات قمر علی عباسی اور ممتاز ذوق فخر خاور عرف ننھا کے ساتھ ریڈیو پاکستان پر

دور شہوار: ساتھ ل کر بارش میں نہانا اور پکڑے وغیرہ کھانا وہ بھی می ڈیڈی کے ساتھ اب تو خواب سا لگتا ہے۔

پاکیزہ: گھر سمنے کا خبط (مطلب بے انتہا صفائی تھرائی) کس کو زیادہ ہے اور گھر پھیلانے میں کس مہارت ہے؟

نیلوفر عباسی: الحمد للہ کبھی کسی معاملے میں جھگڑی نہیں رہی۔

دور شہوار: گھر سمنے کا خبط مجھے بہت زیادہ ہے۔  
پاکیزہ: آج کے دور میں موبائل اور انٹرنیٹ پر سمنے والی محبت کے لیے آپ کیا کہیں گی؟ اور خود آپ کی نظر میں محبت کیا ہے؟

نیلوفر عباسی: محبت بہت حسین اور انمول کیفیت ہے۔ اس کے مختلف پہلو اور انداز ہوتے ہیں۔ بچہ شگم مادر میں ہوتا ہے تو اس کو اس سے محبت ہو جاتی ہے، بہن بھائیوں کی محبت، باپ بیٹے کی محبت، حسیان بیوی کی محبت، بہنوں کی محبت اور انٹرنیٹ والی محبت، محبت تو محبت ہے جس کی تشریح کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں۔

دور شہوار: سب وقت گزاری کی باتیں ہیں۔ تاپختہ ذہن اور تعلیم کی کمی کا شکار خانہ ہیں۔ محبت تو بقیہ صفحہ 201 پر ملاحظہ فرمائیں

ماہنامہ پاکیزہ۔ دسمبر 2022ء

language سب اس کے غماز ہوتے ہیں۔ عام طور پر اس کا اظہار نفس کر سکتا کر کرتی ہوں۔

دور شہوار: خوشی کا تعلق قلب کی گہرائی سے ہوتا ہے بہت چھوٹی سی چیز آپ کو خوشی سے بھر دیتی ہے کوئی پرانا گیت، کوئی شعر، کسی پرانی کتاب کا مطالعہ، کسی اچھے دوست سے بات چیت۔ میرے نزدیک خوشی قلب کی وہ کیفیت ہے جو بیان نہیں کی جاسکتی محسوس کی جاتی ہے، میں خوشی کا اظہار اپنے دل میں خوش ہو کر کرتی ہوں۔

پاکیزہ: ای سے وہ کیا سیکھا؟ جس پر آج بھی فخر محسوس کرتی ہیں؟

نیلوفر عباسی: کوئی ایک چیز ہو تو بتاؤں۔ می تو سراپا خوبی تھیں۔ ان کے منہ سے کبھی کسی کی برائی نہیں سنی، کسی سے حسد کرتے نہیں دیکھا، رشتے نہانا اور رشتوں کا پاس رکھنا ان کی اولین ترجیح تھی۔ کبھی غصہ کرتے نہیں دیکھا، ہر ماں عظیم ہوتی ہے اور مجھے اس بات پر فخر ہے کہ وہ میری ماں تھیں اگر میں ان جتنی دس فیصد بھی ہوں تو یہ میری خوش نصیبی اور فخر کی بات ہے۔

ایک بات اور کہی نہایت حسین تھیں۔ دور شہوار: میری امی بہت نفس خاں تھیں۔ ان جیسا ہونا بہت مشکل ہے البتہ علم و ادب سے لگاؤ ان سے سیکھا اور اس پر فخر ہے۔

پاکیزہ: ماں کی تربیت کا وہ کون سا رنگ ہے جو اپنی بیٹی میں منتقل کر کے طبیعت محسوس کرتی ہیں؟

نیلوفر عباسی: ہر رنگ۔ دور شہوار: میں نے اپنی امی سے بہادر اور نڈر ہونا سیکھا اور یہ خوبیاں میری بیٹی میں مجھ سے بہت زیادہ ہیں۔ اللہ کا شکر ہے۔

پاکیزہ: ماں کے ہاتھ کا ذائقہ کس کے ہاتھ میں زیادہ ہے؟

نیلوفر عباسی: ان جیسا ذائقہ کسی اور کے ہاتھ میں ہو ہی نہیں سکتا۔ ہر ماں کے لیے ان کے بچوں کی بکری رائے ہوتی ہے)

تمی اور جیکے، چیکے اور تیش کرتی تھی۔ بچپن میں سب سے زیادہ کس کھیل میں مزہ آتا تھا؟

پاکیزہ: ہر کھیل کھیلا۔ مگلی ڈنڈا، پتھر گڑ، نیلوفر عباسی: کرکٹ کھیلا، چنگ اڑانا اور کچے سے لے کر رسی کودنا، کرکٹ کھیلا، چنگ اڑانا اور سب میں مزہ آتا تھا۔

دور شہوار: موزیک کی شادی کرنے میں بہت مزہ آتا تھا۔ بہت مرتبہ گزریا کی شادی رچائی جس میں گڈا، گزریا میرے ہوتے تھے۔

پاکیزہ: اپنے بہنا پے کے تعلق پر کب سب سے زیادہ فخر محسوس ہوا؟

نیلوفر عباسی: میرے خیال میں فخر سے زیادہ خوشی کہنا مناسب ہوگا۔ خیرہ دونوں ہی بتاتی ہوں فخر تو اس لمحے محسوس ہوا جب روشنی نے اس زمین پر آنکھ کھولی، فخر ان بات کا کہ میں ”باجی“ بن گئی۔ اک ایسا بیارا اور پھر پور رشتہ ملا۔ عزت کا، احترام کا۔ خوشی جب روشنی نے A1 گریڈ لے کر میٹرک پاس کیا۔

دور شہوار: میرے خیال میں تو ہر وقت ہی بہن بھائیوں کو اپنے تعلق پر فخر ہونا چاہیے یہ کسی خاص دن اور لمحے کا نہیں ہوتا ہی طرح ہمارا تعلق بھی وقت اور جگہ کی قید سے آزاد ہے۔

پاکیزہ: دونوں کے مزاج میں کتنے فیصد مطابقت پائی جاتی ہے؟

نیلوفر عباسی: میں سمجھتی ہوں کوئی خاص فرق نہیں۔

دور شہوار: مزاج میں مطابقت نہیں ہے، میں ذرا کم گو ہوں باجی بہت زیادہ بات چیت کرتی ہیں۔ عادات مختلف ہیں۔

پاکیزہ: خوشی آپ کی نظر میں کیا ہے؟ آپ خوشی کا اظہار کسے کرتی ہیں؟

نیلوفر عباسی: خوشی ایسا جذبہ جس کو بیان کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہوتے۔ جب آپ خوش ہوتے ہیں تو آپ کا چہرہ آپ کی body

ماہنامہ پاکیزہ۔ دسمبر 2022ء



## اذن بہار

### ناہید سلطان اختر

پیام آئے ہیں اس یارِ بے وفا کے مجھے..... جسے قرار نہ آیا کہیں بھلا کے مجھے  
جدا یاں ہوں تو ایسی کہ عمر بھر نہ ملیں..... فریب دو تو ذرا سلسلے بڑھا کے مجھے  
میں خود کو بھول چکا تھا مگر جہاں والے..... ادا اس چھوڑ گئے آئینہ دکھا کے مجھے  
انسانی زندگی مجموعہ ہے رشتوں کا، ناتوں کا، باہمی سماجی تعلقات کا... یہ رشتے خون کے  
رشتے بھی ہوتے ہیں... سلوک اور سمجھوتے کی کبھی مضبوط تو کبھی کمزور ڈور سے بھی بندھے  
ہوتے ہیں مگر پھر بھی آخری سانسوں تک چلتے ہیں۔ ان آتی جاتی سانسوں کے بیچ زمانے گزرتے چلے  
جاتے ہیں، کتنی ہی رتیں، کتنے ہی موسم بیتتے چلے جاتے ہیں شاید یہی زندگی کی اصل کہانی ہے۔  
مگر انہی کہانیوں میں کبھی خزاں کا موسم چھا جاتا ہے تو کبھی بہار اپنے رنگ و خوشبو بکھیرتی  
ہے اور انسانی رشتے ناتے اسی کے زیر اثر بہتے چلے جاتے ہیں  
انہی رشتوں میں ایک انوکھا آفاقی رشتہ خوب صورت سانا تا شوہر اور بیوی کا ہے جو صرف حسن  
سلوک، سمجھوتے، مروت اور رواداری کے آب حیات کا متقاضی ہوتا ہے۔ جبھی اسی سے دیگر دلکش  
رشتے جنم لیتے ہیں۔ آب حیات ہر موسم کے تغیرات کیسے، کیسے اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ سب جاننے  
کے لیے پڑھیے...

رشتوں کا نشیب و فراز اور زیرو بم سمجھاتی ایک دل فریب داستان.....

قطعہ 11









## اذن بینا

”آپ کا کیا مطلب.....؟“ ڈریہ چلتے چلتے رک گئی۔ ”تمہارا بھی ہے..... اور ہاں ایک بات سمجھائی ہوں تمہیں..... اپنے خالو کو اب انکل مت کہنا۔“

”تو پھر کا کا.....؟“ سمجھانے ڈریہ کو قدرے حیرانی سے دیکھا۔

”تم اور ریحان اب زندگی کے ہر معاملے میں ایک دوسرے کے شریک ہو..... گھر مشترک، مال مشترک، سکھ مشترک، دکھ مشترک، عزت مشترک، ہشے مشترک، ریحان کے والد اب تمہارے لیے بھی باپ کی حیثیت رکھتے ہیں..... میں نے بہت پہلے ایک بار کہیں بڑھا تھا کہ لوگوں کو ان کے نام، مرتبے یا رشتے سے مخاطب کر کے آپ ان سے اپنی قربت بڑھا سکتے ہیں..... تمہارے خالو کو ان کے بچے پاپا کہتے ہیں، تم بھی انہیں پاپا کہو گی تو انہیں بھی اچھا لگے گا اور ریحان کو بھی.....“

”پھر تو مجھے آپ کو ما کہنا چاہیے..... اگر انکل، پاپا ہیں تو آپ ماما.....“ سمجھا بولی۔

”مجھے بہت اچھا لگے گا.....“ ڈریہ نے سمجھا کو فرط جذبات سے گلے لگا لیا۔ ”مگر مجھے تمہارے من سے کا کا بھی بہت اچھا لگتا ہے..... عجیب محاسن ہے اس لفظ میں بھی..... ویسے بھی یہاں بچے مجھے ماما نہیں آتی بولتے ہیں.....“

”ٹھیک ہے تو پھر کا کا اور آئی دونوں چلے گا.....“ سمجھا مسکرا کر بولی۔

”ڈریہ نے سمجھا کا ہاتھ پکڑا اور اسے طالب کے پاس لے گئی۔“

”السلام علیکم پاپا.....“

”علیکم السلام.....“ طالب نے نہایت گرمجوشی سے جواب دیتے ہوئے سمجھا کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”اتنی صبح اٹھ گئیں.....“

”نماز اور قرآن مجید پڑھنے کے بعد ناشتا بنانے کو لگی تھیں۔“ ڈریہ نے بتایا۔

”ماشاء اللہ..... ماشاء اللہ.....“

”پوچھ لو پاپا سے چائے پیس گے تمہارے ہاتھ کی بنی.....؟“ ڈریہ نے سمجھا کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔

”ضرور پیس گے..... مگر آج تو تمہاری کا کا چائے پلا چکی ہیں..... ویسے بھی بیٹا ابھی دو چار دن تو ہمارا کام ہے تمہاری مہمانداری کرنا.....“

”سن لیا.....“ ڈریہ نے مسکراتے ہوئے سمجھا کو دیکھا۔

”ناشتا بناؤ ابھی.....“ طالب نے ڈریہ سے کہا۔

”آپ بھول رہے ہیں شاید.....“ ڈریہ نے شادی کے بعد پہلی صبح دلہن کے میکے سے ناشتا آیا کرتا ہے..... ڈریہ نے سمجھا کو دیکھا۔

”آج ناشتا ہونے کے گھر سے آئے.....“

”تم نے صبح کیوں نہیں کرو یا بہن کو.....“ طالب ڈریہ سے بولے۔

”کس بات سے؟“

”روایتوں میں پڑنے کے چکر سے۔“

”آپ صبح کر پائے..... آپ نے تو شادی بھی سادگی سے کرنے کو کہا تھا مگر کل رات آپ نے دیکھ تو لیا کسی شاندار شادی تھی.....“

”میں کیا کہہ سکتا ہوں.....“

”بہتر ہے کچھ نہ کہیں، یہی چھوٹی بڑی خوشیاں ہی تو ہماری زندگی میں قوس قزح کے رنگ بھرتی ہیں.....“

”چلیے..... جیسے آپ خوش.....“ طالب نے سیر دی ظاہر کی پھر سمجھا سے راز آقا لے لے.....“

”کھانا کھانا کھانا.....“

گرم چائے کے ساتھ روغنی روٹی یا کرار پراٹھا اور بشرط دستیابی رات کا سالن یا دو انڈوں کے خاکینے میں سے ملا حصہ مزہ دیتا کہ سبحان اللہ.....!

سمجھا کو برتہ نے ایک سمجھدار ماں کی طرح اچھے برے کی تمیز سمجھا کر سرال بھیجا تھا..... علی الصباح جاگنے اور حسب معمول فجر کی نماز اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے کی تلقین کی تھی۔ معمول کی عبادت کے بعد سمجھا کمرے سے باہر نکل آئی..... ڈریہ حسب معمول طالب کو چائے بنا کر دے چکی تھی اور اب تازہ اخبار انہیں دینے کے لیے اپنے کمرے کی طرف جارہی تھی کہ سمجھا کو ان کے کمرے سے باہر دیکھ کر چوکی۔

”ارے بیٹا تم جاگ گئیں؟“

”جی کا کا.....“ سمجھا کی..... نماز پڑھتی تھی اور قرآن مجید بھی.....“ مہین دوپٹے سے جھانکتے اس کے کھلے، دھلے بال گواہ تھے کہ وہ بہت پہلے کی جاگ رہی تھی۔

”ناشتا بناؤں.....؟“ سمجھا نے پوچھا۔

”بھوک لگی ہے؟“ ڈریہ مسکرائی۔

”نہیں.....“ وہ بھیچنے لگی۔ ”سب کے لیے بنانے کو پوچھ رہی ہوں.....“

”بن جائے گا..... مددگار لڑکا بھی ہے عورت بھی..... مگر ناشتا اور کھانے کی تیاری کے وقت میں خود بھی کچن میں کھڑی ہو جاتی ہوں.....“

”امی نے کہا تھا..... صبح انکل اور کا کا کو چائے بنا کر دینا جیسے..... خود امی دیا کرتی تھیں داوی اور دادا کو.....“

”بہت اچھی بات سمجھائی تمہاری امی نے تمہیں مگر..... ابھی.....“ ڈریہ نے سمجھا کے حنائی تیل پوٹوں والے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیے..... ”ان پیارے، پیارے ہاتھوں کو کھیر میں تو پڑنے دو.....“

”کا کا..... امی نے انہیں بھی صبح، صبح گرم چائے اسی طرح بنا کر دینے کو کہا تھا جیسے امی خود اب کو دیتی ہیں.....“

”انہیں کہیں.....؟“ ڈریہ کو شافی سوچی۔

”سمجھا شرمائی.....“

”بیٹا..... انہیں کہیں.....؟“

”ریحان کو.....“ سمجھا دھیرے سے بولی۔

”دے دینا..... انہیں بھی دے دینا..... ایک دو دن تو صبر کرو ورنہ کل تمہاری امی ہی گلہ کریں گی کہ کا کا ایسی ظالم تھی کہ میری بچی کو شادی کے دوسرے دن ہی کچن میں کھڑا کر دیا۔“

”ایسی کوئی بات نہیں کا کا.....“

”میں مذاق کر رہی ہوں..... یہ بتاؤ خوش تو ہو.....؟“

”جی کا کا.....“ سمجھا شرماتا کر بولی۔

”وہ تمہیں سلام کرنے کے لیے تمہارے انکل کے پاس لے چلوں جن سے اب تمہارا سر کا بھی رشتہ ہو گیا ہے..... پھر تمہیں اوپر نیچے سارا گھر دکھاؤں گی.....“

”مگر دیکھنے سے پہلے چائے بنالیں کا کا.....؟“ سمجھا اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولی۔

”یہاں ذرا دیر سے ناشتا کرتے ہیں سب لوگ..... تمہارے انکل صبح ایک پیالی چائے پیتے ہیں جو میں انہیں دے چکی ہوں..... اور میں تو ہمیشہ سے بس ایک کپ چائے ہی پیتی ہوں.....“

”کا کا..... آپ کا گھر بہت خوب صورت ہے۔“



مگر مچائے کے ساتھ روغنی روٹی یا کرار پراٹھا اور بشرط دستیابی رات کا سالن یا دو انڈوں کے خامینے میں سے ملا حصہ و مزہ دیتا کہ سبحان اللہ.....!

صہھا کو بریتے نے ایک مسجد ارماں کی طرح اچھے برے کی تمیز سمجھا کر سرال بھیجا تھا..... علی الصباح جاگئے اور حسب معمول فجر کی نماز اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے کی تلقین کی تھی۔ معمول کی عبادت کے بعد صہھا کمرے سے باہر نکل آئی..... دُور یہ حسب معمول طالب کو چائے بنا کر دے چکی تھی اور اب تازہ اخبار انہیں دینے کے لیے اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ صہھا کو اس کے کمرے سے باہر دیکھ کر چوکی۔

”جی کا کا..... کہنشی کی..... نماز پڑھنی تھی اور قرآن مجید بھی.....“ مہین دو بچے سے جھاکتے اس کے کلمے، دھلے بال گواہ تھے کہ وہ بہت پہلے کی جاگتی ہوئی تھی۔

”ناشتا بناؤں؟“ ”ہیچمانے پوچھا۔  
”بھوک لگی ہے؟“ ”یہ مسکرائی۔

”نہیں۔“ وہ جھینپ گئی۔ ”سب کے لیے بنانے کو پوچھ رہی ہوں۔۔۔۔۔“

”بن جائے گا۔۔۔۔۔ مددگار لڑکا بھی ہے عورت بھی۔۔۔۔۔ مگر تاشتا اور کھانے کی تیاری کے وقت میں خود بھی بچن

”امی نے کہا تھا..... صبح صبح اکل اور کا کا کو چائے بنا کر دینا چاہیے..... خود امی دیا کرتی تھیں داوی اور دادا کو.....“

”بہت اچھی بات سمجھاؤ تمہاری امی نے نہیں مگر..... اچھی.....“ ورنہ نے جھکے حنائی میں بیٹوں وانہ ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ لے..... ”ان پیارے، پیارے ہاتھوں کو کھیر میں تو پرنے دو.....“

”کاکا!..... امی نے انہیں بھی حج، عمرہ چائے اسی طرح بنا کر دیئے تو پوچھا کیسے ان کو دینا چاہیے؟“

”جیسا شرمائی۔ عیسا شرمائی۔“

”رہ جان لو..... لیکن مجھ کو دینا۔ ایک دو دن تو صبر کرو ورنہ کل تمہاری ہی سی گلہ کریں گی کہ کا کا ایسے  
 ”دے دیتا.... نہیں بھی دے دیتا..... ایک دو دن تو صبر کرو ورنہ کل تمہاری ہی سی گلہ کریں گی کہ کا کا ایسے  
 اکتھ کے کچھ کر کے دے دیتا..... لیکن مجھ کو دینا۔ ایک دو دن تو صبر کرو ورنہ کل تمہاری ہی سی گلہ کریں گی کہ کا کا ایسے

ظالم بھی کہ میری بچی کو سزا دی گئے دوسرے دن میں چپ سے سر

”ایسی کوئی بات نہیں کا کا.....“

”میں : اچھا، ابھی..... یہ بتاؤ خوش تو ہو.....؟“

”جی کا کا.....“ تبھاشا کر بولی۔

ہے..... پھر تمہیں اور نیچے سارا گھر دکھاؤں گی۔“

”یہاں زوادر سے ناشتا کرتے ہیں سب لوگ..... تمہارے انکل صبح ایک پیالی چائے پیتے ہیں جو میں  
 دیکھ رہا ہوں..... اور میں تو ہمیشہ سے بس ایک کپ چائے ہی لیتی ہوں.....“

دے چکی ہوں..... اور میں تو ایسے ہی ایک پتھر کا کاکا..... آپ کا گھر بہت خوب صورت ہے۔“

ماہنامہ دراکپڑہ — دسمبر 2022ء

## اذن بغير

”آپ کا کیا مطلب.....؟“ دُڑے چلے، چلے رک گئی۔ ”تمہارا بھئی ہے..... اور ہاں ایک بات سمجھاتی ہوں  
 تجھ پر..... اے خالو کو اب اکل مت کہنا۔“

”تم اور رحمان اب زندگی کے معاملے میں ایک دوسرے کے شریک ہو..... گھر مشترک، محل مشترک،

کچھ مشرک، دکھ مشرک، عزت مشرک، رشتے مشرک، ریحان کے والد اب مہمارے بچے کی باپ کی نسبت کئے ہیں..... میں نے بہت پہلے ایک بار کہیں پڑھا تھا کہ لوگوں کو ان کے نام، مرتے یا رشتے سے مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

”نہ تو سمجھ آ کہ کیا کہنا چاہیے۔ اگر اکل، بابا ہیں تو آب ماما“، سمجھا بولی۔

”مجھے بہت اچھا لگے گا۔۔۔۔۔۔“ ڈاکٹر نے ہنسا کر فطرت جذبات سے گلے لگالیا۔ ”مگر مجھے تمہارے منہ سے کا کا بھی اتنا اچھا لگتا ہے۔۔۔۔۔۔“ عجب محاسن سے اس لفظ میں بھی۔۔۔۔۔۔ ویسے بھی یہاں بچے مجھے کا کا نہیں آئی ہوئے ہیں۔۔۔۔۔۔“

”ٹھیک ہے تو پھر کا کا اور آئی دونوں چلے گا.....“ بھیجا مسکرا کر بولی۔  
 ”وہ نے بھیجا کا ہاتھ پکڑا اور اسے طالب کے پاس لے گئی۔“

”السلام علیکم یا ابا“  
 ”علیکم السلام“ طالب نے نہایت گرجوئی سے جواب دیتے ہوئے صحابہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”اتنی مح

”نماز اور قرآن مجید پڑھنے کے بعد ناشایانے کو نکلی تھیں۔“ دُور نے بتایا۔  
 ”ماشاء اللہ..... ماشاء اللہ.....“

”لوچھو لو پاپا سے چائے پیئیں گے تمہارے ہاتھ کی بنی.....؟“ دُڑیہ نے جھجھا کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔  
”خُردور پیئیں گے..... مگر آج تو تمہاری کا کا کا.....“

”میں لیا.....“ دُریس نے شکر اُتاتے ہوئے چُپھا کر کھیا۔

”آپ بھول رہے ہیں شاید.....“ وہ انشا شادی کے بعد پہلا صبح کہیں کے

”آج ناشا ہو کے گھر سے اے.....“

”کس بات سے؟“

”روایتوں میں پڑنے کے چکر سے۔“

آپ منع کر پائے..... آپ نے تو سادی بھی سادگی سے کرنے کو کہا تھا مگر کل رات آپ نے دیکھ تو لیا کیسی سادی تھی۔“

میں کیا کہہ سکتا ہوں.....“

..... جیسے آپ خوش.....“ طالب نے پردگی ظاہر کی پھر عیسا سے مذاقاً بولے۔ ”کیوں بیٹا.....“

19 مئی 2022ء



”چلو بیٹا.....“ اسفند کی والدہ نے اسفند سے کہا۔  
”میں آتا ہوں ماما..... آپ چلیں.....“ ان کے جانے کے بعد اسفند نے میرب سے کہا۔  
”کیسا عجیب اتفاق ہے..... میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم سے پاکستان میں اس بہانے ملاقات ہوگی۔“  
”آنے والے کل کے بارے میں کوئی نہیں جانتا اسفند.....“  
”درست.....“

”میں پایا کو ملوادوں تمہارے پیرس سے.....“  
”مجھے نہیں ملوادی ان سے؟“ اسفند مسکرایا۔  
”شیور..... آؤ پہلے تمہیں ہی ملوادوں.....“  
طالب نہایت تپاک سے اسفند سے ملے۔

”پاپا..... اسفند کے پیرس بھی آپ سے ملنا چاہ رہے ہیں۔“  
”ضرور..... کیا ہیں.....؟“  
”پیلے میں بتاتی ہوں.....“  
اسفند کے والدین سے بھی طالب گرجوشی ملے۔

”طالب صاحب! خوشی ہوئی آپ سے مل کر.....“ اسفند کے والد نے کہا۔  
”مجھے بھی جناب.....“

”بھائی سے بھی ملاقات ہونی چاہیے.....“ اسفند کی والدہ بولیں۔  
”بلاؤ بیٹا انہیں بھی.....“ طالب نے میرب سے کہا۔

”ہم دونوں ہم زلف بھی ہیں شہر یار بھائی.....“ ارشاد نے کہا۔  
”ہاں مجھے بتایا تھا انہوں نے.....“ اسفند کے والد نے بیگم کی جانب اشارہ کیا۔ ”اور انہیں اسفند نے بتایا۔“

”اب ڈبل رشتے داری ہوگئی.....“ ارشاد نے اپنے مخصوص سلجے میں کہا۔ میرب، ڈوریہ کو ہمراہ لیے ہوئے آئی۔ تعارفی رسم ہوئی۔ اسفند اور اس کے والدین نے بریڈ اور ڈوریہ کے درمیان واضح فرق محسوس کیا۔ بریڈ سادہ سی گھریلو عورت تھی۔ ڈوریہ کی شخصیت میں اس کے پہناوے سے بات چیت تک ایک تہذیبی رچاؤ تھا۔  
”آج تو آپ لوگ مصروف ہیں..... لیکن آپ سے تفصیلی ملاقات کی خواہش رکھتا ہوں.....“ شہر یار صاحب نے طالب سے کہا۔

”ان شاء اللہ..... ہوگی ملاقات.....“

طالب اور ڈوریہ نے دوسرے مہمانوں کی طرف جانے کو رخصت چاہی۔  
”اللہ خوش رکھے..... بہت اچھے ہیں ہمارے یہ بہنوئی.....“ ان کے جانے کے بعد بریڈ نے کہا۔

”اچھے آدمی لگتے ہیں.....“ اسفند کے والد نے تائید کی۔  
”اللہ نے اتنا کچھ دے رکھا ہے مگر غرور و تکبر نام کو نہیں..... ہم جیسے سیدھے سادے لوگوں کی بیٹی کو بیاہ لیا

اپنے بیٹے سے۔“

”اچھے لوگوں کی بیٹی نشانی ہوتی ہے۔“ اسفند کی والدہ بولیں۔

باوردی بیروں نے مہمانوں کی میزوں پر کھانا پچھاننا شروع کر دیا تھا۔ طالب اور ڈوریہ کا تذکرہ ختم ہوا۔  
”اسفند نہ جانے کہاں ہے؟“ اسفند کی والدہ نے چہار جانب متلاشی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہیں اسی گھر میں ہے تمہاری ان کا کا کے ساتھ.....“  
”اس بچاری کو ڈرائے مت..... سمجھ گی بہت ظالم ساس ملی ہے۔“ ڈوریہ نے میٹھا کو پیار سے دیکھا۔  
”ہاں۔“ طالب کو گویا چونکنے والی بات سننے کو ملی..... میٹھا کو دیکھتے ہوئے بولے ”اب تو ان سے تمہارا ساس کا رشتہ بھی ہے.....“  
”نیر کر رہنا..... زیر کردیتی ہیں بندے کو.....“  
”کا کامیری آئیڈیل ہیں پاپا بلکہ ہم سب بہن، بھائیوں اور کزنز کی بھی.....“  
”پاپا.....“ طالب چونکے۔ ”آئی لوڈس ورڈ بیٹا..... خوش رہو..... جیتی رہو.....“ تبھی ریحان آ گیا۔  
”لو جی..... دو لکھ میاں بھی آگئے.....“ طالب خوش دلی سے بولے۔  
ریحان کن انکھیں سے میٹھا کو دیکھ رہا تھا اور وہ گلزار ہوئے چار ہی تھی۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ وہی گھر اور اس گھر کے لوگ تھے جہاں میرب کی بیماری کی وجہ سے برس بھر تک ادا کی پال بکھرائے سرہیوڑے پڑی رہی تھی۔  
ڈوریہ نے غلط تو نہیں کہا تھا۔ چھوٹی بڑی خوشیاں ہی تو ہماری زندگی میں قوس قزح کے رنگ بھرتی ہیں۔  
آتی شام ویسے کی تقریب نے زندگی میں پھر دھنک کے رنگ بکھیرنا تھے۔

☆☆☆

ویسے کی تقریب میں میرب کی اسفند یار سے پھر ملاقات ہوئی۔ وہ ولین والوں کی جانب سے مدعو تھیں۔ اس کے والدین بھی آئے ہوئے تھے۔ اسفند نے میرب کو ان دونوں سے ملوایا۔ دونوں بہت خوش ہوئے نہایت شفقت سے خوش آئے۔

”آپ سے مل کر بہت اچھا لگا بیٹا.....“ اسفند کے والد نے کہا۔

”تھیک پوائنٹ.....“

”اپنے بچوں کے دوستوں سے مل کر والدین خوش ہی ہوتے ہیں.....“ اسفند کی والدہ بولیں۔

”تھیک پوائنٹ.....“

”بیٹا آپ بھی اپنے پیرس سے ملوایے گا نہیں.....“

”جی ضرور.....“

”شہر یار بھائی! آپ یہاں پیرس میں آئے.....“ میرب کی بیٹی ہوئی.....

کے شوہر ارشاد آگئے۔

”جی ٹھیک ہوں.....“

”شہر یار بھائی! معلوم ہے.....“ ارشاد نے بتایا۔

”جی..... جی، مجھے معلوم ہے..... اور یہ کینیڈا میں ہمارے اسفند کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی رہی ہیں.....“

”بھئی ماشاء اللہ، ماشاء اللہ..... بہت ہمت اور حوصلے والی بچی ہے..... آئے شہر یار بھائی، بھائی! آپ بھی جاری میز پر آجائیں.....“ ارشاد نے اسفند کے والدین سے کہا۔ وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

”انگل میں پاپا سے ملواتی ہوں آپ کو.....“ میرب نے کہا۔

”نہا ما سے بھی.....“ اسفند کی والدہ بولیں۔

”جی ضرور.....“

”بیٹا، ہم اس طرف بیٹھے ہوں گے.....“ ارشاد نے انگلی کے اشارے سے میرب کو بتایا۔

”ٹھیک ہے.....“



تمہیں شاید معلوم نہ ہو ہم لڑکے تم دونوں کو سوا انگریز..... انہوں کا جوڑا کہا کرتے تھے۔

”ریناب وینکوور میں رہتی ہے..... اس نے ایک گورے سے شادی کر لی تھی۔“

”بعض لڑکیوں کو شادی کی بہت جلدی ہوتی ہے..... تم نے اب تک کیوں نہیں کی؟“

”اب تک کا کیا مطلب؟“

”میرا مطلب ہے ہم لڑکوں کو جو پیش اسٹیبلشمنٹ ہو جانے کا لالی پاپ دیے رکھتے ہیں..... تم لڑکیوں کو تو ایسا

کوئی مسئلہ نہیں ہوتا.....“

”یہ تم نے کیسے سمجھ لیا..... مسئلہ تو لڑکی کو بھی ہو سکتا ہے۔“ میرب مسکرا دی۔

”اتنا مجھے یقین ہے کہ کم از کم تمہیں نہیں ہوگا.....“

”یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو.....“

”وہل آف فیلٹی ہے تعلق رکھتی ہو..... اپنے خرچے پر پڑھنے کے لیے باہر جانا مذاق تو نہیں..... کوئی ذمے

داری بھی نہیں لگتی تم پر..... تمہیں تو دنیا سے بھی پہلے شیل ہو جانا چاہیے تھا۔“

”اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟“

”میں تو کب سے کوشش کر رہا ہوں اپنے والدین کو راضی کرنے کی، چھوٹی بہن کی بھی شادی ہو گئی اور.....

میں ابھی تک کوارا ہوں..... والدین اب لڑکی دیکھنے کے لیے آئے ہیں پاکستان جب میں بڑھا ہونے چلا ہوں۔“

”لڑکیوں کی کینیڈا میں کی تھی کیا؟“

”ڈرتے ہیں کہ باہر کی لڑکیاں بہت تیز ہوتی ہیں۔“

## قارئین کے لیے خوش خبری

مشہور و معروف، سینئر مصنفہ کے قلم کا شاہکار قسط وار ناول  
جلد ہی پاکیزہ کے صفحات کی زینت بننے جا رہا ہے

انسانی نفسیات کی پیچیدگیوں کو نہایت مہارت  
سے اپنے قلم کی نوک سے سلجھانے والی قلم کار

کی ایک اور  
شانداز تحریر

# رفعت سراج

آج کی نوجوان نسل کے وہ ذہنی مسائل جو شاید ابھی تک زیر بحث نہیں لائے گئے

قارئین یقیناً اس تحریر کو برسوں یاد رکھیں گے

”آجائے گا.....“ کھانے پینے کے انتہائی شوقین شہر یا صاحب نے بریانی کی قاب اپنی جانب کھینچتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

اسفند اور میرب دو ایک میز پر بیٹھے یونیورسٹی کے زمانے کی یادیں تازہ کر رہے تھے۔ یونیورسٹی کے زمانے

میں دونوں میں بہت دوستی یا بے تکلفی نہیں رہی تھی۔ مگر اب ملے تو یونیورسٹی، اساتذہ، ہم کتب اور ہم جماعت

ساتھیوں کو دونوں ہی نہایت ذوق شوق سے یاد کر رہے تھے۔

”تمہیں برائن یاد ہے..... وہ نیکو جو افریقا سے اسکا لرشپ پر آیا ہوا تھا؟“ اسفند نے کہا۔

”برائن..... ہاں، ہاں یاد ہے۔“

”سنائے تعلیم مکمل کر کے اپنے ملک واپس جانے کے بعد اس نے کسی بات پر مشغول ہو کر ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا۔“

”اچھا.....“ میرب چوکی۔

”ہاں.....“

”مجھے معلوم نہیں..... تمہیں کس نے بتایا؟“

”محب علی مصری ایک روز ہماری جیولری شاپ پر آیا تھا اپنی ہونے والی دلہن کو جیولری خریدوانے..... اس

نے بتایا تھا مجھے.....“

”افسوس ہوا..... برائن تو بہت لائق اسٹوڈنٹ تھا۔“

”لائق تو تم بھی کچھ کم نہیں.....“

”جب کوئی اور مصروفیت نہ ہو زندگی میں تو بندہ پڑھتا ہی ہے۔“

”شاید.....“

”یہ سچ ہے.....“ اسفند مسکرایا۔ ”تم سے ڈر لگتا ہے بھی.....“

”کیوں.....؟“

”نہانا تو.....“

”تو.....؟“

”یونیورسٹی والی علی بھی میرب بن جاؤ گی.....“

میرب ہنس دی۔

”علی بھی..... یہ تمہیں کہاں سے سوچا.....؟“

”میری مام غصہ کرنے والے کو جلا بھنایا کٹ کھنا کہتی ہیں..... اتنا عرصہ ہو گیا انہیں کینیڈا میں رہنے لگا اور وہ

محاورے خوب بولتی ہیں.....“

”اچھا ہے ناں..... جب تم غصہ کرتے ہو گے تو تمہیں جلا بھنایا کٹ کھنا کہتی ہوں گی۔“

”ایکریٹلٹی.....“

”پلیٹ میں کچھ ڈالو.....“

”لیتے ہوں..... فی الحال تو تمہارے ساتھ بیٹھ کر برائی یادیں تازہ کرنے میں مزہ آرہا ہے..... یاد ہے ناں ہم

یونیورسٹی میں تو ایک دفعہ بھی اس طرح جل کر نہیں بیٹھے تھے نہ ہی کبھی اتنی باتیں کی تھیں..... تمہاری دوستی تو

بگڑ گئی..... آؤ، آؤ، آؤ..... کلاس میں اور کلاس سے باہر تم دونوں ہمیشہ اکٹھی ہی نظر آتی تھیں.....



”ویری سیڈ.....! اسفند نے ایک گہری سانس کھینچی..... ”آئی ٹیل سوری فار یو میرب.....“  
”میں نے کہا تھا ناں.....“ میرب نے اسے کڑی نظروں سے دیکھا۔ ”مجھے نفرت ہے اس بات سے کہ مجھ پر کوئی ترس کھائے.....“

”سوری میرب.....“  
”اٹس اونکے.....“ میرب اسے گھورتے ہوئے بولی۔  
”بدلی نہیں ہو.....“ اسفند نے کہا۔  
”کیا مطلب؟“

”وہی یونیورسٹی کے زمانے والا طنز..... وہی غصہ..... وہی انداز.....“  
”ہاں..... تو بدلول کی بھی کیوں..... کیریکٹر کی مضبوطی تو یہی ہے کہ حالات خواہ کچھ ہوں آدمی اپنا طور طریقہ نہ بدلے.....“ لیکن اسی لئے میرب کو اپنے دل میں کک سی محسوس ہوئی..... اسے لگا وہ اسفند سے بھٹ بول گئی تھی۔ ڈرتیہ کے ساتھ وہ پہلے جیسی کب رہی تھی۔ اسے اپنا رویہ، اپنا طریقہ عمل بدلنا پڑا تھا..... حالات کے ساتھ ڈرتیہ کے ساتھ اس کا طور طریقہ نہ جانچے ہوئے بھی بدل گیا تھا۔ وہ ہار گئی تھی..... اس کی مرحومہ ماں کی جگہ لینے والی عورت جیت گئی تھی..... جنگ کیسی بھی ہو، کسی سے جیتنے کے لیے مناسب حکمت عملی اختیار کرنی پڑتی ہے..... ڈرتیہ جیت گئی تھی۔

”کھانا کھاؤ.....“ میرب نے اسفند سے کہا۔  
”تم؟“ اسفند نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔  
”میں صرف بیٹھالوں گی..... سارے دار کھانے چھوڑ دیے ہیں میں نے.....“  
”اوکے.....“

☆☆☆

اس رات گھر واپسی کے بعد بھی اسفند دیر تک میرب ہی کے بارے میں سوچتا رہا۔ یونیورسٹی کے زمانے میں وہ کیسی متکبر اور منہ پھٹ ہوا کرتی تھی۔ کسی کو خاطر ہی میں نہ لاتی تھی۔ لڑکیوں میں وہ سب سے زیادہ لائق اسٹوڈنٹ سمجھی جاتی تھی۔ کلاس میں اس کا مقابلہ برائن سے رہا کرتا جو میل اسٹوڈنٹس میں لائق ترین تھا۔ لڑکیوں میں بھی میرب کی بس دینا بالک..... اس سے دوستی تھی۔ لڑکوں کو تو وہ نفٹ ہی نہیں کراتی تھی۔ کوئی بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا تو وہ اسے پھٹکار دیتی۔ میرب سے اس کی کبھی دوستی نہیں ہوئی تھی۔ شاید اب بھی نہ ہوتی مگر اتفاق کی بات تھی کہ باپ کے پرانے محلے دار ارشاد احمد کی بیٹی کی شادی میں دلہن کی رخصتی کے وقت برقی قمقموں کی جگہ گھٹ میں اس نے میرب کو دیکھا اور اس کے پیچھے لپک کر اسے جالیا تھا۔ اسے یونیورسٹی کے زمانے میں اس کا متکبر اور منہ پھٹ ہوتا بھول گیا تھا۔ اسے صرف یہ یاد رہا کہ زمانہ طالب علمی میں..... لڑکی اس کی ہمہ تن توجہ دیتی تھی۔ یونیورسٹی کے زمانے میں تو وہ شاید..... لڑکی اس کی ہمہ تن توجہ دیتی تھی۔ اس سے اس سے ہٹکا م ہوا ہو مگر کئی سال بعد اب جو ہٹکا م ہوا تو..... اسے دے دوستوں کی طرح بہت سی باتیں ہو گئیں..... ہم جماعتوں کی باتیں..... یونیورسٹی چھوڑنے کے بعد ان کے احوال..... ایک دوسرے کے ذاتی معاملات..... یہ تکلیف دہ انکشاف کہ وہ اس عمر میں ایک مہلک مرض کا سامنا کر چکی تھی..... اور اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ بات یہ کہ زندگی پر اس کا اعتماد ستر لڑل تھا۔ یونیورسٹی میں ہمہ وقت گردن اٹھائے رہنے والی ساتھی کو ایک بڑی شکست و ریخت سے دو چار پانا اسفند کے دل میں اس کے لیے.....

”تیر تو یہاں سے جانے والی بھی ہو جاتی ہیں۔“  
”کچھ وقت تو سکون سے گزر جاتا ہے.....“  
”غلط بھی ہے.....“  
”اچھا.....“

”جی جناب.....“  
”تمہارا میربے بارے میں کیا خیال ہے؟“  
”کیا مطلب.....؟“ میرب نے چونک کر اسے دیکھا۔  
”میں اپنے پیرئس سے کہوں..... کہ میربے لیے تمہارے پیرئس سے بات کریں.....؟“  
”نہیں.....“ میرب ایک لحظہ سنجیدہ ہو گئی۔  
”کیوں بھی..... ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں..... تعلیم میں چلو تم جیسا نہیں تھا تمہاری باقی معاملات میں ٹھیک ہوں بلکہ اچھا ہوں.....“  
”نہیں اسفند.....“  
”وجہ؟“

میرب نے پہلو بدلا۔  
”کوئی ایک بھی وجہ بتاؤ میں دوبارہ نہیں کہوں گا..... بتا ہے کیا.....“ وہ سنہل کر بیٹھ گیا۔ ”کسی انجانی لڑکی سے شادی کروں گا نہ جانے کیسی ہو..... کتنی بدتمیز، کتنی جاہل، جاہل صرف وہ نہیں ہوتی جس کے پاس ڈگری نہ ہو..... بعض پڑھی لکھی بھی جاہل ہوتی ہیں۔ ایک بڑا مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر کسی پاکستانی لڑکی سے شادی ہوتی ہے تو اسے کینیڈا جانے میں نہ جانے کتنا عرصہ لگ جائے..... تم تو وہیں رہتی ہوتاں..... ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا..... اور یقین کرو..... میں اگر تمہیں بہت خوش نہ رکھ سکے گا تو تمہیں پریشان بھی نہیں کروں گا.....“

میرب چپ رہی۔  
”اڑکار کی وجہ بتاؤ.....“  
”ترس مت کھانا مجھ پر..... مجھے چڑ ہے اس بات سے۔“  
اسفند نے اسے قدرے عجب سے دیکھا۔  
”تمہیں شاید کسی ساتھی سے پتا نہیں چلا..... مجھے کیسے ہو گیا تھا۔ ٹریٹمنٹ مکمل ہو چکا ہے..... ڈاکٹر نے مجھے صحتیاب بھی قرار دے چکے ہیں مگر..... دوبارہ کیس نہ ہونے کی کوئی ضمانت ہے اور نہ زندگی کی۔“  
”ٹریٹمنٹ کینیڈا میں ہوا؟“ وہ چند ٹاپے دم بخود رہا پھر اس نے پوچھا۔  
”کینیڈا میں نہیں..... یہیں پاکستان میں..... ڈاکٹر کو سز بھی نہیں ہوئی، ٹریٹمنٹ بھی یہیں..... پاپا نے مجھے کینیڈا جانے ہی نہیں دیا کہ اگر میں وہاں بیمار پڑی رہتی تو پاپا یہاں پریشان رہتے..... اب میں جانا چاہتی ہوں تو پاپا اور میری اسٹیج مدر کی بھی میرے ساتھ جانے کی تیاری ہے۔“

”تو یہ تمہاری اسٹیج مدر ہیں؟“  
”ہاں، میری اپنی مدر تو کئی سال پہلے کیس سے انتقال کر گئی تھیں۔“  
”آئی سی..... تو انہیں بھی کیس تھا؟“



افن ہنار

رکنا۔ کبھی کوئی دواؤں نہ پڑے۔ کسی کی کوئی بات ناگوار نہ رہے تو چپ چاپ بی جاؤ۔ اپنے دل کو دھڑکنے کی دھڑکنے والی باتوں کا قہرستان بناؤ۔ کڑھو بھی نہیں، بس بھول جاؤ۔ حشرے میں رہو گی۔ اپنے اوپر تھوڑا سا جبر کر کے تم سارے گھر پر حکومت کر سکتی ہو۔  
”جی کا کا۔“ سمجھا اس کی ہدایات اور نصیحتیں توجہ سے نہ تھیں۔

☆☆☆

دُور یہ کی رہنمائی کا نتیجہ تھا کہ عیسا بہانے، بہانے میرب سے اپنی بے تکلفی بڑھانے کی کوشش میں رہتی۔ ریحان کی خاطر میرب بھی عیسا سے بناے رکھنا چاہتی تھی۔ دل میں سوچتی دُور شہوار سے تولا کھدوہ بھرتی عیسا۔ وہ تو اپنے ہی غروں میں رہتی تھی۔ اس کی بیماری کے دوران بھی اسے توفیق نہ ہوئی کہ اس کے پاس آکر کھینچتی، حال چال پوچھتی۔ بس دور، دور سے ہی بھلو، ہائے اور بناوٹی لہجے میں پوچھتی کسی جو میرب؟ عیسا تو دن میں بیسیوں مرتبہ اس سے بہانے، بہانے، حکام ہوتی۔ اس کے کھانے پینے کا خیال رکھنے میں دُور یہ کی معاون بنی رہتی۔ اسے اپنے اور اپنے بہن، بھائیوں کے بچپن کی شرارتوں کے قصے سنا کر اسے بھی اس کے بچپن کے قصے سناتے پر اکساتی۔ ایک روز اس نے میرب کو بتایا۔

”میرب۔۔۔ پتا نہیں کیا تھا۔ یا تو میں بچپن میں ڈر پوک بہت تھی یا شاید مجھے کوئی فویا تھا۔۔۔ اہی جب نہانے کے لیے واش روم میں ہوتی تو میں کسی بیڑ یا صوفے پر چڑھ کر آنکھیں بند کر کے زور، زور سے چلانے لگتی تھی۔“ امی جلدی نہا نہیں، جلدی آئیں،“ امی بچاری جلدی، جلدی نہا دھو کر باہر نکلتی پھر میری جو درگت بنا تیش مت پوچھو۔۔۔ اسی لیے امی اکثر ایسے وقت واش روم میں نہانے جاتی تھیں جب میں گھر میں نہ ہوتی۔“  
”عیسا! میں جب چھوٹی تھی مجھے نہ جانے کیوں خوف رہتا تھا کہ میری ماما کسی دن کم ہو جائیں گی۔۔۔ کبھی چلی جائیں گی۔ میں جب اسکول میں ہوتی تو مجھے ڈر لگا رہتا تھا کہ گھر واپسی پر ماما مجھے گھر میں ملیں گی یا نہیں۔۔۔ میں اکثر خواب دیکھتی تھی کہ ماما کہیں چلی گئی ہیں اور میں انہیں ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔۔۔ کالج کے زمانے میں بھی ماما کو کم کر دینے کا خوف میرے دل کو لگا رہا۔ پھر ایک دن ماما بچ بچ ہی چلی گئیں۔ میں اب بھی خواب دیکھتی ہوں کہ ماما کم ہو گئی ہیں اور میں انہیں نہ جانے کہاں، کہاں ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔“ میرب کی آواز لہجہ بہ لہجہ رندھتی چلی گئی۔ اس نے اپنی بات ختم کی تو عیسا کو اس کی آنکھوں میں آنسو لڑاں دکھائی دیے۔ عیسا نے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر اسے دلا سادینے کی کوشش کی۔ دونوں ابھی اسی کیفیت میں تھیں کہ دُور یہ آگئی۔

”کیا ہوا۔۔۔؟“ دُور یہ کی سوالیہ نظر میں عیسا پر تھیں۔

”کچھ نہیں کا کا۔ بس ایسے ہی۔“ عیسا بولی۔

”ایسے ہی کیا؟“

”میرب اپنی ماما کا ذکر کر رہی تھیں۔“

دُور یہ، میرب کے نزدیک بیٹھ گئی۔ کہنے کو الفاظ کچھ نہ تھے فقط ہاتھوں کے لمس سے اس نے میرب کی اشک شونی کی۔

”جاؤ عیسا بہن کے لیے پانی لاؤ۔“ دُور یہ نے کہا۔

عیسا فوراً اُسی۔۔۔ دُور یہ۔۔۔ کو ہٹا کر نے لگی۔

دُور یہ کی تربیت ہی تھی کہ ریحان اور عیسا باہر جاے وہ۔۔۔ میرب۔۔۔ کبھی اصرار کر کے اپنے ساتھ لے جاتے۔ وہ ہزار انکار کرتی عیسا اس کا ہاتھ پکڑ لیتی۔

کبھی، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زندگی میں۔۔۔ دیکھ کا کوئی ایک لمحہ۔۔۔ یاد کا کوئی ایک پل۔۔۔ سکھ کی کوئی ایک گھڑی۔۔۔ اور کسی کے دکھ کے احساس کی کھک۔۔۔ دل میں ایسے کھب جانی ہے کہ انسان بے دست و پا ہو کر رہ جاتا ہے۔  
اگلے چند دن اسٹند کوکل پر کینسر سے متعلق تحقیق اور معلوماتی مواد کھگانے میں مصروف رہا۔ آخری دو سوالات جو اس نے کینسر کے موضوع پر کوکل پڑا لے، یہ تھے۔ کیا کینسر سے متاثرہ فرد کے لیے شادی کرنا مناسب ہے؟ کیا کینسر سے متاثرہ مریضہ ماں بن سکتی ہے؟ ان دو سوالوں کے جواب میں اسے حقیقی زندگی کی متعدد حوصلہ افزائی کہانیاں بھی بڑھنے کو ملیں۔۔۔ لاطینی ایک نعت بھی جانی ہے مگر آج بھی نئے دروا کرتی ہے۔

☆☆☆

عیسا سے شادی کے بعد ریحان کو یوں لگتا تھا جیسے اندھیرا چھٹ گیا ہوا اور زندگی نے اس کے لیے نیا دروا کر دیا ہو جس سے دُور آنے والے خوشگوار جھوکوں نے اسے مسرت و طمانیت سے ہم آہنگ کر دیا، وہ خوش تھا۔  
دُور شہوار کی طرح عیسا خوب صورت، تعلیم یافتہ اور امیر گھرانے کی خود پسند لڑکی تو نہ تھی مگر وہ چند ہی دنوں میں اپنے نئے گھر کے ماحول میں اس طرح جذب ہو گئی تھی کہ یوں لگتا جیسے وہ ہمیشہ سے اسی گھر میں رہ رہی تھی۔ دُور یہ قدم، قدم پر اس کی رہبری کو موجود تھی۔ اسے کامیاب گھریلو زندگی کے طور پر لگے سمجھائی۔ عیسا علی الصبح بیدار ہونے کی عادی تو ماں، باپ کے گھر ہی سے تھی۔ دن میں اپنے کمرے میں ضرورت کے تحت ہی جاتی۔ رات کو جب وہ اور ریحان اپنے کمرے میں سونے کے لیے چلے جاتے کمرے کا دروازہ تب ہی بند ہوتا۔ گھر میں تو کمرہ خدمت گھاری کو موجود تھے مگر ریحان کے کھانے پینے اور دیگر ضرورتوں کا وہ خود بھر پور خیال رکھتی۔ در شہوار کی طرح اپنی ناز برداری کرانے کے بجائے وہ ریحان کی خاطر داری کرتی۔ اپنے میکے میں اس نے ماں کو گھر میں تو کمرہ خدمت گھاری کو موجود تھے مگر ریحان کے کھانے پینے اور دیگر ضرورتوں کا وہ خود بھر پور خیال رکھتی۔ ایک شوہر پرست بیوی دیکھا تھا۔ ایک اچھی بیٹی کی طرح وہ بھی اپنی ماں کے نقش قدم پر چل رہی تھی۔ ماں سے ملی تربیت کی نوک پلک سنوارنے کو دیر یہ موجود تھی۔ اسی کے مشوروں کی روشنی میں وہ اپنے سعادتمندانہ رویے سے طالب کو اپنا گرویدہ کر چکی تھی۔ طالب اس سے نہایت شفقت سے پیش آتے۔ اسے اپنی بیٹی کہتے، ریحان کو اس کا خیال رکھنے کی تاکید کرتے، اس کے والدین اور بہن، بھائیوں سے ملوانے کے لیے میکے لے جانے کی ہدایت کرتے، چھٹی والے دن اصرار کر کے دونوں کو باہر گھومنے پھرنے کے لیے جانے کو کہتے۔ خود آتے دن عیسا کو کوئی نہ کوئی تھکا کر دیتے رہتے۔ عیسا متوسط گھرانے کی لڑکی تھی۔ بڑے گھر میں بیاہ کر آنا اپنی خوش قسمتی سمجھتی۔

نچائے جاتا۔ ماں، باپ کی ہدایت۔۔۔

رکھنے کی ہدایت کی تھی۔  
”دیکھو بیٹا ان دونوں میں سے کسی کی بات اگر تمہیں بری لگے۔ تو ری ایکٹ مت کرنا۔۔۔ نظر انداز کر جا۔۔۔

میرب تو بیمار رہی ہے اب بھی پوری طرح صحت مند نہیں ہے۔۔۔ دواؤں کے اثرات نے اس کے مزاج کو بھی متاثر کیا ہے اس سے تو تم بھی مت متاثر ہو۔۔۔ شیشہ جب تک بے داغ اور بے بال رہے اچھا لگتا ہے۔ بال آجائے تو ہر دیکھنے والے کی نظر اسی پر پڑتی ہے۔ رشتوں کا بھی یہی ماجرا ہے جب تک بال نہ آئے خوشنما دیکھتے ہیں۔ بال پڑ جائے تو دیکھنے والے فوراً بدلتا ہے کہ تاڑ لیتے ہیں۔۔۔ اس گھر میں اپنے ہر رشتے کو بہت احتیاط سے سنبھال کر



”اللہ کی مرضی.....“ اسفندی والدہ بولیں۔ ”مگر جانتے ہو جیسے خطرہ کوئی مول نہیں لیتا۔“  
 ”مام..... میری بہن کو اپنی پسلی ہے..... اس کے سینہ کو شادی سے پہلے معلوم نہیں تھا..... آپ لوگوں نے بھی نہیں بتایا اس کی شادی کر دی، اس کا سینہ گزارہ کر رہا ہے کہ نہیں..... بلکہ بہت اچھی طرح.....“  
 ”مگر کیا جان لیوا نہیں..... پوری پوری زندگی گزار دیتے ہیں لوگ اپنی پسلی میں.....“ والدہ نے کہا۔  
 ”مگر ڈیڈ جب مرلیں کو دور ہوتا ہے تو دوسروں کی جان پر بن جاتی ہے۔“ اسفندی بولا۔  
 ”بحث مت کرو.....“ باپ نے ناگواری سے کہا۔

”میں حقیقت بیان کر رہا ہوں تو آپ کہتے ہیں..... بحث مت کرو.....“ اسفندی کا لہجہ جارحانہ تھا۔ ”اس لڑکی میں اتنی اخلاقی جرأت تو ہے کہ جب میں نے اس سے بات کی تو اس نے صاف بتا دیا کہ وہ کینسر پیشرفت رہی ہے..... اس نے چھپایا تو نہیں.....“

”ایسی باتیں چھپتی ہیں کہیں..... وہ نہ بتاتی تو ارشاد اور اس کی بیگم بتا دیتے۔“  
 ”یہ بات آپ نے اس وقت کیوں نہیں سوچی جب اپنی بیٹی کی شادی ایک شریف آدمی سے کی۔“  
 ”بگو اس مت کرو..... بارہ بار مرینہ کی بیماری کو مت اچھا لو.....“ اسفندی والدہ تڑپ کر بولیں۔

”ایک منٹ..... ایک منٹ.....“ اسفندی والدہ نے بیگم کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی اور جوان بیٹے کو اس کے ارادے سے باز رکھنے کے لیے نرم جکت عملی اختیار کرتے ہوئے بولے۔ ”بیٹا، اس لڑکی اور اس کے پیرش سے ملنے کے بعد میرا اور تمہاری ماں کا بھی ارادہ ہو گیا تھا کہ تمہاری شادی کے لیے لڑکی کی تلاش میں گھر، گھر جھانکتے پھرنے کے بجائے اسی گھر میں تمہارا رشتہ دے دیا جائے..... اچھی سلجھی ہوئی فیملی ہے..... ویل آف بھی ہیں..... لڑکی کے لیے شادی کے بعد کینڈا جانا بھی مسئلہ نہ ہوتا..... پاکستانی لڑکی سے شادی کرو تو لڑکی کو سال، دو، دو سال ماں، باپ کے گھر بیٹھے رہنا پڑتا ہے۔ ویزے کے انتظار میں..... ہم تو خود ان کے ہاں رشتہ دیتے جانے کو ارشاد اور اس کی بیگم سے بات کرنا چاہ رہے تھے مگر تم نے لڑکی کی بیماری کا بتا کر ہمیں اپنا ارادہ ہی بدلنے پر مجبور کر دیا ہے۔“

”ارادہ مت بدلیں..... میں نے آپ کو بتایا نا..... وہ ریکور کر چکی ہے۔“  
 ”دس مرتبہ نہ چکا ہوں یہ بات..... ہم نے ریکور کر جانے والوں کو دوبارہ کینسر ہوتے دیکھا ہے..... زندگی میں اور مسائل کم ہیں جو جانتے ہو جیسے ایک روگی سے زندگی بھر کا رشتہ باندھ لیا جائے۔ تم ہمارے اکلوتے بیٹے ہو..... ہم تمہیں شادی کے بعد ایک اچھی اور پرسکون زندگی گزارتے دیکھنا چاہتے ہیں۔ کیا ایک بیمار لڑکی سے شادی کے بعد تم اپنا مالوں کے چکر کاٹتے رہنا چاہتے ہو.....“ اسفندی والدہ نے اب قدرے ناگواری سے کہا۔  
 ”تمہارے ڈیڈی نے وہ بات کہہ دی جو میرے دل میں تھی.....“ اسفندی والدہ نے کہا۔ ”اور ہم تمہاری اولاد بھی دیکھنا چاہتے ہیں..... جس لڑکی کی اپنی جان کے لالے ہوں گے..... وہ بچے کب پیدا کر سکے گی۔“

”سوری ماما..... میں کہنا نہیں چاہتا تھا مگر..... آپ مجھے مجبور کر رہی ہیں، کینسر کا شکار ہونے والی عورتیں مائیں بھی بن جاتی ہیں۔“

”ایک بات بتاؤ..... کیا یونیورسٹی کے زمانے میں تم نے اس لڑکی کو شادی کے لیے زبان دی تھی؟“ اسفندی والدہ نے پوچھا۔

”ایسی کوئی بات نہیں ڈیڈ.....“  
 ”تو پھر.....؟“

”میں تھک جاتی ہوں بیٹھا.....“

”ہم چہیں تھکنے نہیں دیں گے..... جب کہو گی واپس آ جائیں گے۔“  
 میرب بھی ان کے ساتھ جانے کو مجبور ہو جاتی۔ کبھی مدد طلب نظروں سے طالب باڈری کو دیکھنے لگتی۔  
 ”نہیں ہے میرب کا دل تو رہنے دو..... تم لوگ جاؤ.....“ کہا جاتا لیکن بیٹھا کے اس طرز عمل سے میرب کو اپنی اہمیت ذات کا احساس ہوتا..... ریحان کے دل میں بیٹھا کے لیے وسخت پیدا ہوتی..... طالب بھی اس احساس سے خوش ہوتے کہ ریحان کو اس بار ایک اچھی رفیقہ حیات مل گئی۔ ڈریہ مطمئن ہوتی کہ بیٹھا کا تعلق اس گھر کے افراد سے روز بروز قوی ہوتا جا رہا تھا۔

نہیں آتی تو بیٹھا اس کی اور اس کے شوہر کی خاطر داری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتی..... نہ ب کے دونوں بچوں کو اپنی توجہ کا مرکز بنالیتی ان کے ساتھ محبت کا رو بہ رکھتی۔ اکثر نہ ب، حارث اور دونوں بچوں کو تحائف دیتی رہتی۔  
 فیضان اور ہانیہ سے بھی وہ فون پر رابطہ رکھتی..... کبھی وائس کال کبھی وڈیو کال..... ان سے ملنے کے لیے ان کے جلد پاکستان آنے کی خواہش ظاہر کرتی۔

طالب کے گھر کی زمین میں بیٹھا کی جڑیں روز بروز پھیلتی ہی چلی جا رہی تھیں۔ اس میں کچھ کمال اس کے والدین کی تربیت کا تھا تو کچھ بلکہ بہت کچھ ڈریہ کا بھی..... وہی تو تھی جو بیٹھا کو دوسروں کے دل میں اترنے اور اپنی سسرال کی زمین میں اپنی جڑیں پھیلانے کے طریقوں سے آشنا کر رہی تھی..... سسرال میں دل لگانے کے لیے ایک، ایک کر میٹے نہ جانے کی راہ بٹھا رہی تھی۔ اسی کہا کرتی تھیں کہ شادی کے بعد لڑکی کو میکے کی ہوک مٹا کر سسرال کی چاہ دل میں بیٹنی چاہیے۔ اسی کا کہنا تھا کہ جولڑکی سسرال جا کر بھی میکے کی یاد میں رہے اور ہیر پھیر کر اس کے قدم میکے کی طرف اٹھیں وہ سسرال میں اپنے پاؤں کیسے جما سکتی ہے..... اب یہ اور بات تھی کہ ڈریہ کو میکے کا چکر لگائے زیادہ دن ہو جاتے تو اسی خود اسے دیکھنے کو ہو گئے لگتی تھیں۔ اٹھتے بیٹھے کہیں ڈریہ نہیں آئی، ابو انہیں تسلی دیتے ”آجائے گی، آجائے گی..... بیٹی جب میکے نہ آئے تو مجھو سسرال میں خوش ہے.....“ اسی چڑ جاتیں..... مجھے کیا سمجھاتے ہیں..... معلوم ہے مجھے..... مگر کیا کروں میرے سینے میں ماں کا دل ہے..... دیکھنے کی بھی ہوک اٹھنے لگتی تھی..... ویسی ہی چاہ تھی..... اسے میکے آئے زیادہ دن ہو جاتے تو اسی کے دل میں اسے دیکھنے کی بھی ہوک اٹھنے لگتی تھی..... رہی شریا تو بھول ہی اس کے پیروں میں تو پیسے لگے تھے ہر دوسرے نہ بھی تیسرے دن تو اس کا میکے آنا لازم تھا..... میاں اس کے اللہ میاں کی گائے تھے اس کے اڑے، اڑے پھرنے پر کبھی کچھ نہ کہتے..... دونوں بیٹے بھی ماں کے نقش قدم پر تھے اپنی، اپنی موٹر سائیکل پر کھومتے پھرتے..... بیٹی کوئی تھی نہیں، جو شریا کو گھر میں تنگ کر دیتے رکھتے..... کھوٹا بن جاتی..... سچ ہے خدا..... شکر خودے کو ہی شکر دیتا ہے۔

☆☆☆

”تمہارا دامغ تو نہیں خراب ہو گیا.....؟“ اسفندی والدہ نے اسے کڑی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔  
 ”پاکل ہی کرے گا کبھی کینسر پیشرفت لڑکی سے شادی.....“

”وہ ریکور کر چکی ہے مام.....“ اسفندی بولا۔  
 ”سوہاٹ.....! جیسے ایک مرتبہ کینسر ہو جائے وہ ریکور ہو کر بھی رسک پر ہی رہتا ہے۔“

”اس کی زندگی کی کوئی گارنٹی نہیں ہوتی.....“ اسفندی والدہ نے کہا۔  
 ”ڈیڈ..... زندگی کی گارنٹی نہیں ہوتی.....“ اسفندی والدہ نے کہا۔

”ایک بات بتاؤ..... کیا یونیورسٹی کے زمانے میں تم نے اس لڑکی کو شادی کے لیے زبان دی تھی؟“ اسفندی والدہ نے پوچھا۔



## سعدیہ ہما شیخ کی مصروفیات

اردو کی معروف افسانہ نگار، ناول نگار، سفر نامہ نگار، کالم نگار اور ممتاز قانون دان محترمہ سعدیہ ہما شیخ



ایڈووکیٹ ریڈیو پاکستان سرگودھا ایف ایم 101 تشریف لائیں اور انہوں نے اپنا ناول ”خوابوں کے رنگ“ سینئر براڈ کاسٹر ممتاز عارف کو پیش کیا۔ سعدیہ ہما سے ڈاکٹر وزیر آغا اور انور گوہندی کے صد سالہ جشن ولادت کے سلسلے میں منعقدہ سیمینار، تقریبات اور مشاعروں کے حوالے سے بھی گفتگو ہوئی۔ انہوں نے آل پاکستان رائٹرز ایسوسی ایشن کے تحت

اپنی ادبی مصروفیات سے متعلق بھرپور معلومات فراہم کیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے ریڈیو پاکستان، سرگودھا کے پروگرام دانش کدہ میں بھی سیر حاصل گفتگو کی جس میں ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم، خواجہ شاہد قاروق، عبدالرحمن کوثر و دیگر اسکالرز بھی موجود تھے۔

”ضروری ہے ورنہ۔۔۔“

”ورنہ۔۔۔؟“

”میں تمہارے گھر کی چھت سے کود کر خودکشی کر لوں گا۔۔۔“ اسفند کو مذاق سوچا۔

”مجھے ہنس نہیں آئی۔“

”تمہیں ہنس آتی بھی کب تھی۔۔۔ یونیورسٹی میں ہمارا گروپ کہتا تھا یہ لڑکی سڑیل ہے۔۔۔ ہر وقت ہنس بنائے

رکتی ہے۔۔۔ سڑیل کا مطلب بھی ہوتا ہے؟“

”بھلا کیا مطلب ہوتا ہے؟“

”پگلی۔۔۔ دیوانی۔۔۔ بیوقوف۔۔۔“

”بیوقوف ہو گئے تم۔۔۔“

”وہ تو میں ہوں۔۔۔ ورنہ تم جیسی سڑیل سے شادی کی ضد کیوں باندھتا۔۔۔“

”مت باندھو۔۔۔“

”اب تو باندھ چکا۔۔۔ واپسی کا کوئی راستہ نہیں۔۔۔ دیکھو میرب۔۔۔ آئی ایم ڈیم سیریس۔۔۔“

”میری بلا سے۔۔۔“

”مجھے انکار کی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”مجھے تم اپنی ضد کی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”آئی ایم ان لوڈ یو۔۔۔“

”بس۔۔۔“

”بس کا کیا مطلب۔۔۔ قائل کرو، اس کے لیے اتنی بحث کی وجہ بتاؤ۔۔۔ کیا نجات دہندہ بننا چاہتے ہو۔۔۔“

”میرب ایسا کوئی دعوئی نہیں۔۔۔“

”تو پھر معقول وجہ بتاؤ۔۔۔ قائل کرو ہمیں۔۔۔“

”میں زندگی سے ایس ایک لڑکی کو جینے کی آس دینا چاہتا ہوں۔۔۔ انٹرنیٹ پر بے شمار حقیقی کہانیاں ہیں جو

بتاتی ہیں کہ انسانیت کے جذبے یا محبت کے جذبے سے کتنے ہی صحت مند لوگوں نے کینسر میں مبتلا افراد سے زندگی کا

رشتہ جوڑا اور مایوس لوگوں کو جینے کی انگ دی۔“

”یار۔۔۔ یہ جذباتی باتیں ہیں۔۔۔ جب آدمی پر پڑتی ہے تب اسے پتا چلتا ہے کہ جذباتی فیصلوں کی کیا قیمت

چکانا پڑتی ہے۔“

”وہ تو کچھ دن جینے کی انگ لے کر مر جائے گی۔۔۔ توڑل جائے گا۔“ اسفند کی والدہ نے غصے سے کہا۔

”ہم۔۔۔ کسی کے مرنے سے کوئی نہیں روتا۔۔۔ چھوٹے، چھوٹے بچوں کے ماں باپ بھی تو مر جاتے ہیں

اور وہ پل جاتے ہیں۔“

”اس کی کھوپڑی پھر گئی ہے۔“ اسفند کی ماں نے شوہر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”اور بڑے یہ نیٹ پر موجود حقیقی زندگی کی کہانیاں۔۔۔“ باپ نے اسفند کو غصے سے گھورا۔

”اگر آپ لوگوں نے میرا ساتھ نہ دیا تو میں خود ہی اس کے گھر والوں سے بات کر لوں گا۔۔۔“

”جاؤ۔۔۔ دیکھتا ہوں۔۔۔ کیسے دیتا ہے اس کا باپ تمہیں اپنی بیٹی۔“ اسفند کے والد پھنکارے۔

”چلیج کر رہے ہیں۔“ اسفند مسکرایا اور اس کی مسکراہٹ نے باپ کو اور غصہ دلایا۔

”آئی لو یو ڈی۔۔۔ آئی لو یو مام۔۔۔ پلیز مجھے اکیلا نہ چھوڑیں۔۔۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کا بیٹا ان

لوگوں میں شامل ہونا چاہتا ہے جو۔۔۔ جو دنیا کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ زندگی پر صرف صحت مندوں کا نہیں بیماروں کا

بھی برابر کا حق ہے۔“

”کسی تک ٹاکر سے بات کر کے لگوادو اپنے پیغام کی وڈیو سوشل میڈیا پر۔“ اسفند کے والد نے اسے غصے سے

گھورا پھر بڑائے۔ ”دماغ خراب کر دیا ہے سوشل میڈیا نے نوجوانوں کا۔“

”اے، اپنے طرف کی بات ہے ڈیڈ۔۔۔ یہی سوشل میڈیا آگہی اور ہنسی کا کام بھی کر رہا ہے۔۔۔ ایک

دبانے پر دنیا بھر کی معلومات آپ کی رسائی میں ہوتی ہیں۔“ اسفند مسکراتے ہوئے بولا۔

ماں اور باپ دونوں اس سے ٹھانڈکائی دیتے تھے۔

☆☆☆

اسفند نے میرب سے فون پر بات کی تو میرب کا جواب تھا۔

”تو۔۔۔ تم یا تمہارے والدین۔۔۔ کوئی میرے گھر والوں سے اس قسم کی بات نہیں کرو گے۔۔۔“ میرب نے دوڑ

لجھ میں کہا۔

”کیوں۔۔۔؟“ وہ بولا۔

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“

”بس۔۔۔“

”کوئی وجہ بتاؤ۔۔۔“

”بڑا بتاؤ، ورنہ نہیں۔“



”جو اس.....“

”یقین نہیں؟“

”یقین کر بھی کسے سکتی ہوں.....“

”کیوں نہیں کر سکتیں؟“

”مجھے کیسے ہو چکا ہے اسفند..... ڈاکٹرز کے مطابق مجھے آئندہ ساری زندگی بہت محتاط رہ کر اور وقتاً فوقتاً طبی معائینوں کے ساتھ گزارنی ہے..... میرے گھر والوں کی توجہوری ہے کہ انہیں میرا ساتھ دینا ہے..... مگر اور کوشش کیوں ڈالوں..... میں کسی پروچہ نہیں بننا چاہتی۔“

”تم جانتی ہو ایک اٹرنیٹ حقیق کے مطابق شادی کیسے سے متاثرہ افراد کے لیے اچھا شگون ہوتا ہے، کیسے سے متاثرہ شادی شدہ افراد غیر شادی شدہ کیسے مر لیضوں کی نسبت زیادہ بہتر زندگی گزارتے ہیں..... زیادہ لمبی عمر جیتے ہیں..... ٹوکی تو..... نیٹ پر موجود کیسے کی ایک پچیس سالہ چینی دلہن اور اس کے لائف پارٹنر کی تصویر تمہیں دکھاؤں گا جن کی سترہ نومبر کو دو ہزار چودہ کو چین کے ایک اسپتال میں شادی انجام پائی تھی..... یہی امر کی حقیق کیسے کے مر لیضوں کو بہتر زندگی کے لیے شادی کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔“

”تو تم بھی ریسرچ میں لگ گئے؟“

”تم سے ملنے کے بعد یہی کر رہا ہوں.....“

”مڈلک.....“

”مڈلک تو تب ہوگی جب تم میرے پروپوزل پر ہاں کر دو گی اور میں اپنے چہرے کو ساتھ لے کر تمہارا رشتہ مانگنے تمہارے گھر آؤں گا۔“

”مجھ پر ترس کھانے کی ضرورت نہیں اسفند..... میرے گھر والے ہیں میرے ساتھ میرا خیال رکھنے کو.....“

”لائف پارٹنر کی بات اور ہوتی ہے میرب..... اس کی جگہ کوئی دوسرا رشتہ نہیں لے سکتا.....“

”کیوں وقت ضائع کر رہے ہو اپنا..... تم کیڈینیشن میں ہونے کا ٹیگ اپنے کندھے پر لگائے ہوئے ہو..... تمہیں کوئی بھی اچھی، خوب صورت اور صحت مند لائف پارٹنر مل جائے گی۔“

”لیکن جو رو مانس ایک کیسے پیسٹ لڑکی سے شادی کرنے میں ہے وہ کہیں اور کہاں.....“

”جو اس.....“

”مجھے..... تم سے..... شادی..... کرنی ہے..... وہ ایک، ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا پھر اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا..... ”تم مانو یا نہ مانو..... میں تمہارے قادر سے ملنے آ رہا ہوں..... آئی دل میری یو میرب.....“

میرب حیران سی، پریشان سی..... اس نے گوگل سے ایک سوال پوچھا..... کیا کیسے کے مر لیضوں کو شادی کرنی چاہیے؟ اس سوال کے جواب میں بے شمار داستانیں تھیں..... محبت، ہمدردی اور کچھ اچھا کر گزرنے کی..... جن کا بخوڑ

وہی تھا جو اسفند نے بتایا تھا..... شادی کیسے کے مر لیضوں کے لیے ایک مثبت جذباتی عمل ہے؟ ایک امریکی تجربے کے مطابق سال دو ہزار چار اور دو ہزار آٹھ کے درمیان کیسے کے سات لاکھ چوبیس ہزار آٹھ سو نو ای مر لیضوں پر کی

جانے والی حقیق کے نتائج سے ظاہر ہوا کہ کیسے کے شادی شدہ مر لیضوں میں غیر شادی شدہ مر لیضوں کی نسبت کیسے کے اپنے اصل مقام سے جسم کے دوسرے حصوں میں پھیلنے کے امکانات سترہ فیصد تک کم ہوتے ہیں..... کیسے کے شادی شدہ مر لیضوں کو بھی غیر شادی شدہ مر لیضوں کی طرح بہت سے مسائل کا سامنا ہوتا ہے مگر ان مسائل کی شدت کو

یہ احساس تحفظ دے کہ کہتا ہے کہ کوئی ہے جو زندگی کے سفر میں ان کا شریک ہے البتہ مستثنیات ہو سکتی ہیں۔

اذن بہار

ذی شعور فرد ہونے کے ناتے میرب نے بھی گوگل پر اپنا اگلا سوال وہی ڈالا جو اسفند نے ڈالا تھا..... جواب اثبات میں تھا..... اولاد ہو سکتی ہے..... مگر پھر بھی میرب خوفزدہ تھی..... جذباتی فیصلوں کو سر دہڑتے..... لوگوں کے دل بدلتے..... چھتاتے..... نظریں بدلتے..... اور دامن چھڑاتے بھلا دیر ہی کتنی لگتی ہے۔

☆☆☆

ریحان اور عیصا کی شادی میں اسفند اور اس کے والدین کی شرکت..... میرب سے اسفند کی ملاقات..... تقریب ولیمہ میں آنا..... میرب کو پروپوز کرنا..... والدین کے سمجھانے بھانے اور خدشات کے باوجود اسفند کا

میرب سے شادی پر بند ہونا..... مشیت الہی تھی..... ہم انسان تو کچھ چٹیاں ہیں..... ہماری ڈوریاں اوپر سے ہلائی جا رہی ہیں..... انسان ابوا کر کھٹکا کرتے..... جلے بہانے کر لے..... عقل کے گھوڑے دوڑا لے..... اپنا سارا زور لگا لے..... ہوتا وہی

لاکھ تدبیریں آزمائے..... حیلے بہانے کر لے..... عیصا کے گھوڑے دوڑا لے..... اپنا سارا زور لگا لے..... ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہے..... ایمان اور یقین کی بات تھی.....

اسفند کے دل میں بھی اللہ نے ڈالی تھی..... ڈوری اوپر ہی سے ہلائی گئی تھی..... رب کی مشیت تھی جو ارواح کو عالم بالا سے عالم اسباب میں بھیجے سے قبل ہی اسباب فراہم کر دیتا ہے۔

عالم اسفند کی خدمت سے مجبور ہو کر اس کے والد نے ارشاد سے طالب کا فون نمبر لے کر بادل ناخواستہ رابطہ کیا اور رسم و رواج کے مطابق تمہید ان کے گھر جانے کے بجائے فون پر ہی مدعا بیان کر دیا۔

”طالب صاحب..... میں اور میری سزا آپ کی بیٹی کے لیے اپنے بیٹے اسفند یا رکا رشتہ لے کر آنا چاہتے ہیں۔“

طالب سن کر دم بخور رہ گئے..... ہلکی سی کھٹکھٹا کے بعد بولے.....

”جناب، میری ایک بیٹی کی شادی ہو چکی ہے دوسری آپ کے صاحبزادے کی یونیورسٹی فیلو رہی ہے.....“

”جی..... جی..... میں اسی بات کی بات کر رہا ہوں..... مجھے معلوم ہے آپ کی بیٹی کیسے پیسٹ رہی ہے..... پھر بھی بیٹے کی خواہش ہے..... اگر آپ کی مرضی ہو تو ہم آپ کو تکلیف دیں ورنہ..... وقت کم ہے، ہمیں واپس کیڈینیشن جانا ہے۔“

”معاف کیجیے گا..... آپ کا اسم گرامی میرے ذہن سے محو ہو گیا۔“

”شیر یا زینت.....“

”جی شہر یا ر صاحب..... موصوف و سلم..... ضروری نہیں کہ آپ اسی مقصد سے آئیں..... ملاقات ہوئی چاہیے..... جس مقصد سے آپ آنا چاہا ہے..... میں اس کے لیے مجھے فہرٹیں بات کرنی ہوگی۔“

”ضرور کیجیے مگر..... پھر وہی بات کہ ہمیں جلدی ہے۔“

”میں دیر نہیں کروں گا.....“

”اوکے..... میں آپ کے جواب کا انتظار کروں گا.....“

طالب سر پکڑ کر بیٹھ گئے ان کی کچھ میں نہیں آ رہا تھا..... کیا کہیں اور کس سے کہیں..... پھر احساس ہوا کہ ڈوڑیہ کے علاوہ کون تھا جسے وہ سب سے پہلے اس غیر متوقع بات سے آگاہ کر کے کچھ سوچنے سمجھنے کی راہ نکال سکتے تھے۔ ڈوڑیہ کو بتایا تو پہلے تو وہ بھی چندا ہیے سکتے تھے مگر وہ کئی پھر اس نے طالب سے کہا۔

”میرب سے پوچھنے سے پہلے اس کے ڈاکٹرز سے مشورہ کریں.....“

ڈوڑیہ کا مشورہ طالب کو نہایت صائب لگا..... میرب کے موٹیلین سے پوچھا تو وہی جواب ملا جو گوگل سرچنگ پر اسفند اور میرب کو مل چکا تھا..... البتہ شادی کے لیے میرب کی ذہنی کا دگی اور نفسیاتی معائنہ ضروری قرار پایا۔

طالب سمجھدار آدمی اور اچھے باپ تھے..... ڈوڑیہ کو ساتھ بٹھا کر انہوں نے میرب سے براہ راست بات کی.....



میرب بھی کوئی سادہ لوح لڑکی نہ تھی۔ پردیس میں کئی سال خود مختار زندگی گزار چکی تھی۔ اپنا موقف بخوبی بیان کر  
کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اس نے بلا جھجک بات کی۔

”میں نارل پرسن نہیں ہوں پاپا..... ایک بڑی اینارملٹی میرے ساتھ لگی ہے، میں ایک لمبی اور بڑی بیماری  
گزری ہوں..... آئندہ کے بارے میں کچھ پتا نہیں کیا ہو..... شادی دو افراد بلکہ ہمارے ہاں تو دو خاندانوں  
ایک دوسرے سے وابستہ توقعات کا بندھن ہے۔ میں دوسروں کی توقعات پر پوری نہیں اتر سکوں گی..... مجھے تو  
خود کو سنبھالنا بھی مشکل لگتا ہے۔“

طالب کا دل دکنے لگا..... بیماری نے ڈریم ہاؤس جیسی خواہش رکھنے والی میرب کو کتنا کمزور کر دیا تھا۔

”مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے؟“ ڈریہ نے محتاط لہجہ اختیار کیا۔

”اجازت کی کیا ضرورت.....“ طالب بولے۔

”میرب..... تمہارے پاپا نے تمہارے ڈاکٹرز سے مشورہ لیا ہے اور میں نے گوگل پر بھی سرچ کیا ہے  
شادی کر لینا تمہارے لیے ان شاء اللہ بہت بہتر ہوگا.....“ سرچ تو میرب خود بھی بہت اچھی طرح کر چکی تھی مگر  
نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ چپ رہی۔

”تمہاری شادی سے سب سے زیادہ خوشی اور اطمینان تمہارے پاپا کو ہوگا.....“ ڈریہ نے مزید کہا۔  
میرب جو چھوٹی موٹی سی لڑکی نہیں تھی۔ زندگی کے نشیب و فراز کا ادراک رکھتی تھی بلا جھجک بولی۔ ”اور اگر  
خود سے وابستہ ہونے والے نئے رشتوں کو مطمئن نہ کر سکی تو..... اسفند کو یہ احساس ہو گیا کہ اس نے مجھ  
شادی کر کے غلطی کی ہے تو؟“

”ہم سب ہیں ناں..... تمہارے لیے اور دوسرے انہوں نے خود ہی خواہش ظاہر کی ہے۔“

”اسفند اور اس کے پیرئس کو بتادیں یہ سب.....“

”ہاں یقیناً.....“ طالب نے کہا۔ ”میں ان سے کھل کر بات کروں گا بلکہ اگر تم چاہو گی تو تمہاری موجود

میں..... تمہارے سامنے.....“

”آپ دونوں ہیں ناں بات کرنے کو.....“

میرب کا یہ جملہ ڈریہ کے ساتھ میرب کی تمام سابقہ زیادتیوں اور بد تمیزیوں کا کفارہ تھا گویا۔

”جیتتی رہو بیٹا.....“ طالب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

ڈریہ نے میرب کو اپنے گلے سے لگا لیا۔

طالب کے گھر میں آج کا دن..... میرب کا وہ ایک جملہ جس کے ذریعے اس نے اپنی زندگی کے اہم ترین  
فیصلے کے اختیار میں اپنے باپ کے ساتھ اسے بھی شریک کر دیا تھا..... ڈریہ کی نہایت غیر معمولی جیت تھی۔  
مگر..... یہ جیت آسانی سے اس کے حصے میں نہیں آتی تھی..... اس نے اپنی ذات پر جبر کیا تھا..... صبر کے

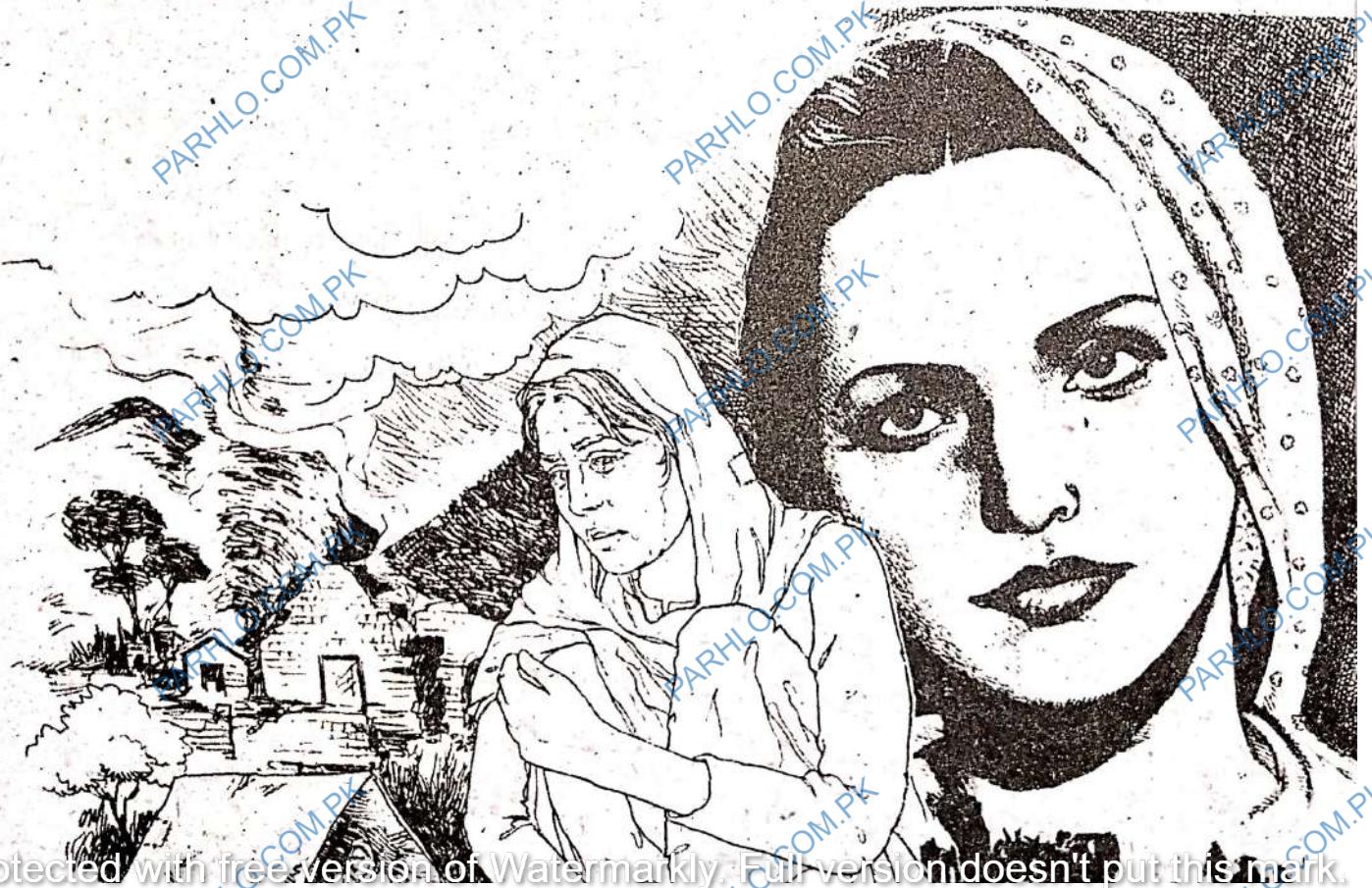
پہاڑ سر کیے تھے۔ بہت سے مواقع ایسے آئے تھے جب اس کا چیخنے چلانے اور پھٹ پڑنے کو جی چاہا تھا مگر وہ ضبط کر  
کے چپ رہی تھی..... کتنے ہی آنسو تھے جو اس نے آنکھوں سے بہانے کے بجائے اپنے دل میں اتار لیے تھے  
اور کسی پر ظاہر بھی نہیں ہونے دیا تھا۔ حتیٰ ہی دل خراش باتیں تھیں جو اس نے ابو کے سمجھانے پر اپنے دل کے قبرستان  
میں دفن کر لی تھیں..... اپنی مصلحت اندیشی سے کام لے کر وہ طالب کی آخری بیٹی اور اس گھر میں اپنی سب سے بڑی  
حریف کو بھی جیت گئی تھی..... دشت و فامیں آبلہ پانی نے اسے بالآخر سرخرو کر دیا تھا۔



ستم درم  
ستم درم

## دردِ اسے نوشینِ حسان

”اللہ دتا..... آ میرا پتر..... انڈوں کی بھاجی تیار  
ہے..... گرما گرم روٹی اتارتی ہوں، تسلی سے بیٹھ کر کھالے۔“  
اللہ دتے کی اماں نے مٹھاس بھرے لہجے میں  
بلایا۔ اس کی بیوی باورچی خانے والے چھپر میں آٹا  
گونڈھ رہی تھی۔ اس کی بڑی بیٹی سولہ سالہ لائنبہ ایلوں  
کی آگ پر دودھ کی پیلی رکھے دھیان کر رہی تھی۔  
چھوٹی بیٹی بارہ سالہ صامیہ سوٹوں کا زردہ لیے دونوں  
چھوٹے بھائیوں کے ساتھ کھا رہی تھی۔  
اللہ دتا ہاتھ دھو کر چھپر گے پاس چارپائی پر  
آ بیٹھا۔ وہ پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا دل  
وسواس میں گھرا ہوا تھا۔ آج ہی اس کی اچھی بھلی گائے  
کو کبھی کی بیماری لگ گئی تھی۔ تین بکریاں اور دو بھیڑیں









وہ کروٹیں بدلتی اور کہتی تھی۔  
”گھر کہاں رہا اب..... کچھ..... گارا..... مٹی بوا  
(راکھ)“ اماں نے ماتھے پر ہاتھ مار کر بیزارگی سے کہا۔  
”کچھ تو بجا ہوگا..... ہم لپ بوت کے بنالیں  
گے.....“ صامیہ کی بات پر ماں نے چشم تصور سے اپنے  
ایک بیٹے سے خالی گھر دیکھا اور انکشت شہادت اٹھا کر  
”نہ، نہ“ کے اشارے پر ہارنے لگی۔

”ہائے میرا عمر..... میرا پتر..... میرا بچہ..... میرا  
لعل..... کیسی مصیبت ہم پر ٹوٹی۔ میرا گھر کھل گیا.....  
گھر گیا، چھت گئی، بول گئے ہم..... کچھ نہ کر سکے.....“  
”اماں جی بہت بھوک لگی ہے.....“ اسد ششایا۔  
”مجھے تو لگتا ہے ہم بھوک سے مر جائیں گے.....  
پیٹ میں مروڑاٹھ رہے ہیں۔“ صامیہ بھی بھوکی تھی۔  
”رو یا نہیں جاتا..... آنسو نہیں رہے، گلا خشک  
ہو گیا ہے۔“ لائے چلنے اپنے گلے پر ہاتھ رکھا۔  
”رونے سے روٹی مل جاتی..... میں اب بھی

رو لیتی.....“ صامیہ نے عجیب بات کی۔  
اگلے دن کی سہ پہر کو ٹمکین چاولوں کے شاپر،  
سکھور اور پانی کی بوتلیں لی۔ ایسے لگا دینے والا کتنا تھی،  
ان داتا، مہربان اور اچھا ہے اور ایسے لگا کہ ہر درد کا مداوا  
پیٹ بھر کر کھانا اور پانی ہے یا کم از کم درد بھر..... درد  
ضیاع، درد مسافرت کی الگ، الگ شناخت پیٹ  
بھرنے کے بعد ہوتی ہے۔ چائے، دودھ، میٹھا ٹمکین  
پکھا ہوا انسانوں کے لائق کھانا اور صاف پانی..... نہ کہ  
گھاس پتے ڈنھل، ٹہنیاں اور گدلا حشرات والا  
پانی..... سیلاب زدگان کے جھوم میں طرح، طرح کی  
آوازیں تھیں بیمار آوازیں، رونی بسورنی آوازیں.....  
گرد گردانی فریادیں، کھانسنے کی مسلسل آوازیں، بکراہیں اور  
ان کے بچہ کہیں باشعور باتیں.....

”2010ء میں بڑا سیلاب آیا تھا۔ قدرت نے  
ہمیں بارہ سال موقع دیا..... وقفہ دیا..... ہم دوبارہ اس  
مصیبت سے بچاؤ کا چارہ کار کر لیتے..... چلو ملک ڈیم  
نہیں بنا سکتا کہ غریب ہے..... سیلاب کے خطرے والے

تھا۔ دریا کا سیلاب پھلا ملک بانی لی رہے تھے۔ رخ  
حاجت ضروری ہے کی کوئی جگہ نہ تھی۔ کھلے آسمان تلے پہلی  
رات آ رہی تھی۔ کھلے آسمان تلے ہوا کیا ہوتا ہے؟ چار  
دیواری چھت نہ چادر، چہار جانب غیر لگا ہیں، عدم  
تحفظ، خوف، عزت، بھوک پیاس، لا چاری، بے بسی  
جانور پرندے بھی کسی غار، گھنڈر، گھونسلے، گھر وندے کا  
آسرا کرتے ہیں۔ اس پر غضب یہ کہ اپنے عزیز و  
اقارب جو چھڑ گئے یا ڈوب گئے۔

اس رات کی صبح ہوتے ہی ابا اور چاچا سب کی  
دیکھا دیکھی کسی کمپ ہاؤس کی تلاش میں چل پڑے۔  
ایسی کوئی جگہ جہاں سیلاب زدگان کے لیے خیمے لگے  
ہوں، جہاں بے کسوں کے ہاتھ تھانے والے ٹیکہ دل  
لوگ ہوں..... چلتے رہے اور راستوں میں سکتے نیم سرودہ  
لوگ دکھائی دیتے رہے..... چلتے رہے اور جھنڈ کے جھنڈ  
پیشہ ور گداگر امدادی قافلوں کے داخلے کی شروع جگہ  
میں ملتی کہانیاں سناتے، امداد کوٹے یا بڑرتے اور پھر  
بیچتے لے..... اور کتنے بڑے گھر وں والے بڑے لوگ  
ظرف کے بھکاری لے..... اونچی چوکوں والے جن کا  
لاچ آئے، چینی کے تحیلے پر بھی کم نہ ہوتا تھا۔ بے غیر،  
بے حس، بد صورت عدم انسانیت کی کثرت تھی۔ البتہ  
مایوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جتنو بھر رحم، رحمت اور  
محبت کی روشنی ضرور ششائی تھی۔

بالآخر سفر اس جگہ ختم ہوا جہاں میلی زمین پر خیمے  
نصب تھے۔ بڑے شامیانے کے بیچے کی، کئی خاندان  
بیٹھے تھے۔ ادھر عورتیں پشت کیے قطار باندھے بیٹھی ہیں  
تو ادھر مرد..... اللہ داتا بال بچوں کو لے کر بیٹھ تو گیا۔  
زندگی قطار میں بیٹھے رہنے کا نام تو نہیں..... بچے رو کر  
ستاتے بڑوں کا بھی رونے کو دل کرتا..... انتظار اور راہ  
سنکنے کے سوا کچھ اختیار میں نہ تھا۔ ڈھارس کے الفاظ زخم  
پر نمک چھڑکتے مرہم نہ بنے۔ داوی کو تیز بخار چڑھا ہوا  
تھا۔ دوا کہاں سے تھی، دوسرے دن تو پانی اور کچھ  
خوراک ملی تھی۔

”مولانا..... میکوں میڈے گھر وچ موت  
ڈے۔“ (مولانا..... مجھے میرے گھر میں موت دے)

کرنے لگی۔ کسی اللہ کے بندے نے ڈوبتی صامیہ کو کھینچ  
نکالا تھا..... مگر عمر کا نام نشان نہ دکھتا تھا۔ ٹو پیٹ رہی  
تھی، صبح کا ذب، صبح صادق میں بدل رہی تھی۔ کپڑے  
رکنے کا مقام نہ تھا، کوئی وسیلہ نظر نہیں آتا تھا۔ دائیں  
بائیں دیکھتے آوازیں دیتے، دہائی دیتے، روتے  
آگے بڑھنے پر مجبور تھے۔

جھوم میں سے کوئی راہ پڑتے درخت پر چڑھا  
کوئی گرا اور ایسا ڈوبا کہ کم ہو گیا۔ کوئی پھسل کے ابھر  
آیا۔ کتنے چلے تھے کتنے بند تک پہنچے اللہ ہی جانتا تھا۔  
جب سانس لینے کی مہلت ملی تو لبوں پر ماتم جاری  
ہوئے۔ اضطراب اتنا تھا کہ رونے بھی نہ دیتا تھا۔  
سکون اٹھتے، بیٹھتے کسی پل نہ تھا۔ کسی لگتا عمل جائے  
گا، عمر زندہ ہوگا کبھی لگتا یہ کیسے ممکن ہے، وہ تو آنکھوں  
کے سامنے سیاہ دھبے کی طرح غرقاب ہو گیا تھا۔ اپنا  
آپ مجرم لگتا کہ اسے بچانے پائے۔

رک کر بیٹھے اور غم منانے کا یہ بھی مقام نہ تھا۔  
یہاں بھی ”بھاکو، دودھ، پانی چڑھ رہا ہے، بند کی مٹی  
ٹوٹ رہی ہے.....“ کے غلے بھنگا دیا۔ پتا نہیں کس  
طرف اور کیوں چل رہے تھے۔ ٹمکین شل ہو رہی  
تھیں۔ ہمت جواب دے رہی تھی۔ مسلسل پانی میں  
ڈوبے پاؤں سوچ گئے تھے..... کوئی سڑک دکھائی دی  
سڑک پر بھی پانی آ رہا رہا ہوا تھا۔ مگر ڈوبنے جتنا پانی  
نہیں تھا۔ داوی کا بچہ ہونی وہی ڈھیر ہو گیا۔ کمزور بیمار  
بوڑھے بچے تھک پار کر بیٹھے چلے گئے۔

یہاں داوی تھی جو بازو پر سر لگائے، ہائے، ہائے  
کرتی تھی۔ ماں تھی جس کی آنکھیں رو، رو کر اپنی سوچ  
گئی تھیں کہ لگتی نہیں..... اللہ داتا تھا جو بھی اٹھ کھڑا ہوتا تو  
کبھی بیٹھ جاتا..... پھر گردن اچکا کر آگے پیچھے دیکھتا  
جیسے کچھ ڈھونڈ رہا ہو..... کئی دونوں رانوں پر ہاتھ  
مارنے لگتا۔ چاچا اسد کو گود میں دیکھائے بیٹھا تھا۔ لائے  
اور صامیہ آپس میں دیکھتی ہوئی تھیں یوں لگتا نہیں جیسے  
دو بچے بچ کر مردوں اجنبیوں کے جھوم میں  
دھکیل دیا گیا ہو..... تین وقت سے کسی کے پیٹ  
میں کھانا نہیں بڑا تھا۔ کھانا تو ایک طرف پانی ہی نہیں

سویرے نکل جائیں گے۔ سیلاب اتنی جلدی نہیں آئے  
گا۔ یہ وقت خیر سے نکل جائے گا۔ اللہ داتا بھی کرے گی  
جیت پر کھانے اور سامان اور ضروری چیزیں رکھوا کر  
مسجد چلا گیا۔ نمازیوں میں بھانت، بھانت کی بولی تھی۔  
تاہم اکثر کا خیال تھا پانی کو خطرے کا نشان پار  
کرنے میں وقت لگے گا لیکن یہ کا خیال کچا ثابت ہوا۔  
پچھلی رات کا پہر تھا، ابھی فجر کی اذانوں میں  
کچھ دیر کی کہ سیلاب آفت ناگہانی کی طرح بستی میں  
داخل ہو گیا۔

”پانی آ گیا، پانی آ گیا.....“ شور اٹھا، سونے  
والے جاگ گئے، بچے دیکھا، بچوں کے رونے، مدد فریاد  
کی آوازیں میں یلغار مارتے پانی کی گڑ گڑاہٹ بڑھتی  
جاری تھی۔ پانی تو گولی کی رفتار سے پھیلتا اور اونچا ہوتا  
جا رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پوری بستی پانی میں ڈوب  
رہی تھی۔ چھتوں پر چڑھنے کا موقع ہی نہیں تھا۔ ایک  
دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر سب اندھا دھند بھاگ رہے  
تھے۔ کسی ایک سمت کو بھاگ رہے تھے (جس طرف  
دریا کا اونچا بند تھا) چھوٹے بچوں کو مردوں نے  
کاندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ اللہ داتا کا چھوٹا بیٹا اسد سات  
سال کا تھا اور بڑا عمر دس سال کا۔ عمر اور اس سے بڑی  
بارہ سالہ بہن صامیہ سب پانی میں دھکے کھاتے.....  
لوکھڑاتے چل رہے تھے کیونکہ کم وزن اور چھوٹی چیزوں  
یا انسانوں کو پانی نیچے کی طرح سیٹھا موج بلا کا زور  
دکھاتا بہاؤ میں ساتھ لیے جاتا تھا۔ اسد کو ابانے  
کاندھے پر بٹھالیا۔ پانی میں نے کس کا ہاتھ پکڑا کسی کو  
خبر نہ تھی۔ منہ زور پانی سے جگ تھی اور وہ پانی کے  
مخالف سمت چل رہے تھے۔ پانی کی سمت پر چلنے کا  
مطلب دریا میں جا کرنا تھا۔ مخالف سمت پر ایک ٹیلا تھا  
جو کل تک تو تھا اب نہیں رہا تھا کہ رہا ہے یا ڈوب گیا۔  
”ہائے ابانہ..... ہائے اللہ.....“ صامیہ اور عمر کا  
آپس میں ہاتھ چھوٹا۔ ”وہ گئی صامیہ.....“  
”وہ گیا عمر.....“

لائے چلانے لگی۔ اماں دیوانہ وار پانی میں ہاتھ  
مارنے لگی۔ ”رم، رم.....“ کی گردان  
دو بارہ بارہ کی گئی۔ دواہرے 2022ء



کر اسپتال کے بستر پر سوئے گی۔ مجھ پر ناک، کان میں نہیں گھستے ہوں گے..... جسم خارش سے چھلنی نہیں ہوگا..... پنکھا چلتا ہوگا، کھانا بھی اچھا لگے گا..... دادی کی توجان چھوٹ گئی۔ جہنم سے جنت منتقل ہوگئی۔“

لائبہ نے غنودگی اور نقاہت سے بوجھل آنکھیں پھر سے بند کر لیں۔ ایک ہی بد صورت منظر دیکھتے ہی اوتا تھا۔ غیر مردوں کے ہجوم میں سونے کا احساس..... یاں پر نظر پڑتی تو ڈوب کے مرنے والے کا غم چہرے پر رزم ملتا..... باپ کو دیکھتی تو بیچارہ بحیثیت صاحب خانہ اپنے گھر والوں کو تحفظ، پردہ، کھانا نہ دے سکے کا سراپا ملوٹ..... صامیہ کو دیکھنا گویا آئینہ دیکھنا تھا..... اور چھوٹے اسد کو وہ دیکھ نہ پاتی تھی۔ یعنی دیکھ پانے کی ہمت نہ ہوتی تھی رو، رو کر اس کا جڑا ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ اور کھلے منہ پر کھیاں، مجھ پر بھنھناتے تھے۔

بس نہ دیکھنا نجات تھا..... نیند نجات تھی۔ وہ ایک بار پھر نیند کی وادی میں کھو گئی۔ سامنے بھلی چنی دادی چار پائی پر بیٹھی اسے پنکھا جھل رہی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں لمبی کے زخموں سے بھرے ہوئے تھے اور وہ غصے بھری دیوانگی سے کہے جاتی تھی۔

”کیوں..... اللہ..... کیوں، کیوں اللہ..... کیوں۔“

پنکھا پرے پھینک کر دادی آگے بڑھی۔

”لائبہ ایسے نہ کہہ..... دھی تو بہ کر..... اللہ نے کیا چھینا ہے تجھ سے..... بھوکے نہیں مر رہے، چھت ہے، عزت ہے، برادری ہے سارے سر سلامت ہیں..... شکر ادا کیا کر.....“

”ہاں، ہاں.....“ پہلی بار دادی کی بات کا مطلب سمجھ آیا۔ اپنی ہی بے ہنگم چیخ پر اس کا خواب ٹوٹ گیا۔ اماں، ابا گھبرا گئے، اس کی طرف بڑھے۔

”کیا ہوا ہے؟“ سامنے کسی ادارے کی لڑکیاں چادریں اور ادویات بانٹ رہی تھیں۔ ادویہ والے ہاتھ کی روشنی سینچے والے ہاتھ کی زندگی تھی..... اور اسے کل کی روشنی بننا تھا اس کی آنکھیں اب پوری کھل گئی تھیں۔

علاقوں کو نشان زد کر کے بکے بند تو باندھ سکتے تھے۔“

”او بھائی..... کون سا غریب ملک..... غریب تو ہم ہیں..... حکمران تو ناکوں ناک ٹھنسنے ہوئے ہیں..... یہ تو دعا مانگتے ہیں کہ کوئی آسانی، زمینی بلا ہم پر نازل ہو..... دنیا بھر سے امداد آئے اور یہ گھر بھریں۔“ ایک اور آواز ابھری۔

”ان کے پیٹ تو قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ ہم قہر میں جائے بغیر یہ مٹی کھانے پر مجبور ہیں۔“

”ہم کیا کریں؟ کہاں جائیں؟ کسی کے آگے فریاد کریں؟ ہمارا کوئی والی وارث نہیں..... ہمارا کوئی پرسان حال نہیں.....“

”خوراک تو حیوان کی اول ضرورت ہے، خوراک کے علاوہ ماں بہنوں کا پردہ، نہانا دھونا اور ضرورتیں..... نہ سونے کی جگہ نہ بیٹھنے کی جگہ.....“ ایک بڑھا جو دیر سے خاموش بیٹھا تھا کھنکھار کر بولا۔

”سوال تو یہ ہے۔“ اب چپ ہو کر سننے لگے۔

”کیا ہماری بکل میں تو چور نہیں.....“

”کیا مطلب.....؟“

”ہم خود اپنے گناہوں پر نظر ڈالیں.....“

”بے شک ہر بندہ گناہ گار ہے۔“

”مگر ہم سے بڑے گناہ گار تو عیش میں ہیں.....“

”پتر..... ان کی سزا رب نے محفوظ رکھی ہوئی ہے اور..... یہ چھوٹی بات نہیں.....“

”اور.....“

”اوٹھتی ہوئی لائبہ کے کانوں میں ملے جلے فقرے گونج رہے تھے۔ شدید گرمی تھی۔ پسینے سے بساندے ہوئے دوپٹے میں منہ چھپائے نیند سے جھٹکے لے رہی تھی۔ کبھی سردائیں لڑھک جاتا، کبھی دائیں، خواب میں کوئی مر گیا تھا اور تازہ شوراٹھ رہا تھا..... وہ خواب سے کھٹکنا چاہتی تھی مگر آنکھیں کھولنا نہیں چاہتی تھی کسی اور مصیبت کا سامنا کرنے کی طاقت نہ تھی مگر شور تھا کہ رکتا نہیں تھا۔ آنکھ کھل گئی پتا چلا کہ بیسولینس آئی ہوئی تھی۔

زیادہ بیمار بندوں کو لے گئی..... دادی بھی جا چکی تھی۔

”کاش دادی کی جگہ میں ہوتی۔“ لائبہ نے حسرت سے سوچا۔ ”اب دادی سکون سے ٹانگیں پیار



# پہلا قدم

نزدہت جس میں ضیا



پہلی مسکراہٹ صاف نظر آرہی تھی۔ ہا میں..... مجھے سخت حیرانی کے ساتھ غصہ بھی آرہا تھا بھلا اس وقت کیسی مصروفیت تھی۔

”ذرا جا کے اپنی اماں کو دیکھیں اندھیرے میں موبائل چلا رہی ہیں اتنی رات تک جاگ رہی ہیں پھر کہتی ہیں کہ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ مجھے نیند نہیں

ماہنامہ پاکیزہ — دسمبر 2022ء — 41

رات کے کھانے کے برتن دھو کر بچن سمیٹ کر اپنے کمرے میں جاتے جاتے میں نے بچوں کے کمرے میں جھانک کر دیکھا دونوں بچے گہری نیند میں تھے اماں کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے ادھلی کھڑکی سے دیکھا اماں رات کے اس پہر موبائل دیکھ رہی تھیں موبائل کی روشنی میں ان کے چہرے پر



## ازاد نظم

ہم کہ  
بے اماں ٹھہرے  
بے اثر بے سبب  
ہواؤں کی طرح  
ہر گھر  
ہر مکاں سے پلٹنے والی  
حسرتوں کی طرح  
کہ جیسے  
راہ کے پتھر  
اور شاخ سے ٹوٹا پھول  
ہم کہ  
دور کہیں مائل بہ پرواز  
اسکیلے پتھر کی طرح  
انجانی  
منزلوں کی طرح  
بے نشان  
ٹھہرے

کلام: حبیبہ کراچی

اور بد تیزی سے استعمال کی جاتی اور میں کچھ کہہ بھی نہیں  
سکتی تھی۔ سوائے تنہائی میں رونے کے۔۔۔۔۔ میرا گھر  
میرے لیے جہنم بن چکا تھا۔ صبح کی طرح روتے دھوتے  
گر بچوں کر لیا اور ساتھ ہی اللہ پاک کی مہربانی سے ایک  
پرانی دوست کی توسط سے فاروق کا پرنسپل بن گیا۔  
فاروق بھی ہماری طرح ٹیڈل کلاس کیلئے تھے وہ  
بہنیں شادی شدہ اور دوسرے شہر میں رہتی تھیں اور  
فاروق اپنی بیوہ ماں کے ساتھ رہتے تھے۔ شریف تھے،  
والدہ بھی ریٹائرڈ ٹیچر تھیں کم حشیت ہونے کے باوجود وہ  
بچہ لینے کے حق میں نہیں تھیں، سادگی سے شادی کرنا  
چاہتی تھیں۔۔۔۔۔ ساری باتیں ایک طرف چچی کے دل کو  
بس یہی بات بھاگتی کہ شادی سادگی سے ہو۔ ان سے  
آگے کوئی خیال نہ جت نہ ہی کوئی اور بات میں خود یہاں  
سے فرار چاہتی تھی سوچت پٹ رخصت ہو کر فاروق کے  
چھوٹے سے گھر میں آگئی۔ گویا ایک کاٹا تھا جو چچی نے  
ٹکال چھینکا تھا۔۔۔۔۔ فاروق نارہ آئی، ندا آئی اور اماں  
سب ہی بہت اچھے تھے میں اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر ادا  
کرتی جلد ہی میں سب میں مل گئی اور بہت جلد گھر  
کو سنبھال لیا۔ فاروق کی آمدنی محدود تھی بس گزارہ  
ہو جاتا۔۔۔۔۔ ماریہ آئی اور ندا آپنی سسرال کی ذمے داریوں  
اور بچوں کی پڑھائی کی وجہ سے بہت کم آتی تھیں۔

وقت تیزی سے گزرا اور شادی کے دو سال کے  
اندر پہلے ارشمان اور پھر بیہ میری گود میں آگئے میں تو  
سنبھال بھی نہ پائی اگر اماں اپنے جویس گھنٹے بچوں کے  
لیے وقف نہ کر سکتی سچے اماں سے بہت اچھے تھے اور  
بہنیں ان کے ساتھ ہی رات کو سو بھی جاتے۔۔۔۔۔ وقت  
تیزی سے گزرتا رہا اس دوران بچا اور چچی کا انتقال  
ہو گیا ان کے بچوں کی شادیاں ہو گئیں۔ ان کے  
دونوں بیٹے مرے سے دونوں پور شہر میں رہ رہے تھے۔  
میرا تعلق مکمل طور پر ان لوگوں سے ختم ہو چکا تھا میں  
اپنے گھر میں مصروف تھی۔۔۔۔۔ بہت اچھے سے نہ ہی مگر  
گھر بیچ ہوا تھا مگر پھر پچھلے دو تین سالوں میں مہنگائی  
کے آسیب نے ہم سفید پوش لوگوں کو بری طرح سے  
جکڑ لیا تھا ہم جیسے لوگ ہمیشہ ہی مہنگائی اور حالات کی

نہ کسی سے ملنا میں تو بالکل ہی دیوانی سی ہو گئی تھی اس  
نا قابل برداشت دکھ نے مجھے ہر چیز سے بیگانہ کر دیا  
تھا جیسے سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ واقعی سب کچھ ختم تو  
ہو گیا ہوا ماں باپ کے ساتھ ہی رشتے، ناتے اور برائے  
نام تعلق بھی سولی پر چڑھ چکا تھا تب ہوش میں آ کر میں  
نے چچی کے منہ سے نکلنے والے الفاظ کے زہر کو اپنے  
کانوں میں اتارا۔

”اے جی! کہہ دو! اپنی بیٹی کو کہ اب زندوں میں  
واپس آ جائے مرے والوں کے ساتھ کوئی مر نہیں جاتا کب  
تک یونہی سوگ چلا رہے گا۔۔۔۔۔؟ اب پڑھنا ڈھنڈا  
چھوڑے اور گھر یا رہنما لے آؤ کہ میں کسی کے باپ کے  
کہہ لکھائیں بھی، پڑھائیں بھی اور خد میں بھی کریں۔“  
الفاظ تھے کہ زہر پلے نشتر۔۔۔۔۔ لیکن میرے لیے  
چچی کے الفاظ سے زیادہ تکلیف دہ اور ذلت ناک تو چچی کی  
چپ تھی تب مجھے احساس ہوا کہ مجھے اپنے لیے جینا ہوگا  
ابا، اماں کے خوابوں کو پورا کرنا ہوگا میں اب اس گھر  
کے لیے اضافی اور فاقو چیز تھی، بو بھج بن گئی تھی۔  
مجھے ہمت اور حوصلے سے حالات کا سامنا کرنا تھا سو  
میں نے ایسا ہی کیا۔

میں نے محلے کے بچوں کو شیخز دینا شروع کر دیا  
اپنی پڑھائی جاری رکھی۔۔۔۔۔ چچی کو میری شادی کا بھی  
قلقل سوار رہتا۔

”ہاے اللہ اس مہنگائی کے دور میں اپنی بیٹیوں کو  
بیاہنا مشکل ہے اوپر سے ایک اور مصیبت گلے پڑ گئی۔  
پلے کچھ چھوڑ کر بھی گئے نہیں مرے والے نہ صورت  
اچھی نہ قسمت کیسے پار لگے گی یہ سستی۔۔۔۔۔؟“  
اکثر و بیشتر کام کرتے، موتے جاتے اور چلتے  
پھرتے یہ صلواتیں سننا میرا معمول تھا۔۔۔۔۔ سارا دن  
پڑھتے پڑھاتے، چچی اور ان کی اولادوں کی خدمتیں  
کرتے اور رات کو اماں ابا کو یاد کرتے ہوئے گزرتی۔  
مجھے لگا کہ میں اپنے ہی گھر میں ایک بے وقعت، بوجھ  
بن کر رہ گئی ہوں۔ حالانکہ ابا والی دکان بھی اچھے سے  
چل رہی تھی میرے گھر کی چیزیں صاف ستھرے  
بستر، اماں کے سلیپے سے بنائی گئی ایک، ایک چیز بد سلیقگی

آتی، بد بھشی ہو جاتی ہے اس عمر میں آدمی آدمی رات  
کلیک جاگ کر ڈرامے دیکھیں گی تو یہی سب ہوگا۔۔۔۔۔  
آپ نے ان کو موبائل بیٹیوں سے بات کرنے اور  
قرآن پاک سننے کو دیا تھا تاں مگر وہ تو بچہ بن گئیں۔  
وہ بیارہوں کی تو ہم ہی ڈاکٹروں کے پیچھے بھاگیں بھی  
اور مٹی بچہ نہیں بھی دیں۔۔۔۔۔ وہ بچی تو نہیں ہیں  
تاں بیارہ ہو گئیں تو کون خدمتیں کرے گا میں جاب  
کروں کہ ان کے پیچھے بھاگو۔۔۔۔۔ بالکل بچوں کی سی  
حکمتیں کرنے لگی ہیں، پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔“  
میں نے کمرے میں آ کر فاروق کے سامنے غصہ نکالا۔  
”ارے ہاں میں خود پریشان ہو گیا ہوں۔ تم سچ  
کہہ رہی ہو کچھ کرتے ہیں، تم ٹینشن مت لو، سو جاؤ۔“  
فاروق نے بھی میری ہاں میں ہاں ملائی تو میں لائٹ  
آف کر کے بیڈ کی طرف آ گئی۔ جھجلاہٹ بدستور تھی۔

میری شادی کو لگ بھگ آٹھ نو سال ہو گئے تھے۔  
شادی سے قبل میرا تعلق متوسط گھرانے سے تھا  
جہاں سوچ سمجھ کر اور ہاتھ سمجھ کر ہی گھر چلایا جاتا۔ میں  
اپنے والدین کی انگوٹھی اور لاڈلی بیٹی تھی ابا کی مکے میں  
چھوٹی سی کریانے کی دکان تھی۔ ہمارا آبائی گھر تھا جس  
میں میرے دو اور بڑے بھائی بھی ایک عدد تک جڑے اور  
بد تیزی اور دو بیٹیوں اور دو بیٹیوں کے ساتھ اوپر والے  
پور میں رہتے تھے چچا بھی معمولی جاب کرتے تھے دن بھر  
محنت اور گھر آ کر بیوی کے طعنے سننا اور بیوی کے ہر فرمان  
پر لبیک کہنا ان کی زندگی کا مقصد اور معمول تھا۔

میرے ابا، اماں اور میں۔۔۔۔۔ ہم تینوں آپس میں  
بہت محبت سے رہتے تھے اور میں اپنے گھر کی رانی تھی۔  
میں نے ابھی انٹر کا امتحان دیا تھا کہ ایک روز مارکیٹ  
سے آتے ہوئے ایک حادثے میں اماں اور ابا دونوں  
ہی ختم ہو گئے۔ میرے لیے یہ سانحہ اپنی موت سے کم نہ  
تھا، یہ اماں ابا کے علاوہ تھیں کون یوں ایک ساتھ ہی  
دونوں کا طے جانا مجھے پاگل کر دینے جیسا تھا، میں تو  
عجیب سنائے میں آ گئی تھی۔ میری دنیا تو گھر، اسکول  
کالج اور ماں باپ سے شروع اور ان پر ہی ختم ہوئی  
تھی۔۔۔۔۔ مجھے اپنا ہوش ہی نہ تھا، کھانا، پینا، نہ سونا نہ اٹھنا۔



ایسا اور کافی اچھا چلنا ہوا پرائیویٹ اسکول تھا اور اس کو  
سماجی اینڈ منسٹر کی ضرورت تھی۔ میری اہلیت سے وہ  
وقت تھی تب ہی اس نے مجھے جاب کی آفر دے دی  
میں دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی اور فاروق سے  
بات کر کے اسے اطلاع کرنے کا کہا۔ واپسی میں  
نے سارا پلان بھی بتالیا کیونکہ مجھے امید تھی فاروق  
آسانی سے نہیں مانیں گے اور وہی ہوا لیکن میں نے  
دلائل دے کر، مسائل بتا کر اور جاب کے حوالے سے  
ملنے والی آسانیاں اور سہولتیں گنوا کر ان کو راضی کر ہی  
لیا۔ اسکول گھر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ میں نے  
بچوں کا ایڈمشن بھی وہیں کروالیا تھا۔ مگر میری روٹین  
بہت سخت ہوئی کیونکہ گھر کو نہ جانے کے ساتھ جاب  
کرنا خاصا مشکل تھا۔ میں صبح فجر میں اٹھتی نماز و  
وظائف سے فارغ ہو کر اماں، فاروق اور میں ہم  
تینوں نماز پڑھتے پھر میں سب کا ناشتا بناتی..... اماں  
صبح کے وقت چائے اور دو پاپے لیتیں اور پھر ناشتا  
دوبارہ سو کر اٹھنے کے بعد دس بجے تک ہوتا۔ میں  
بچے اور فاروق ناشتا کرتے میں بچوں اور فاروق کاٹھن  
بناتی، اماں کا ناشتا ماٹ پائٹ میں اور چائے گھر ماس  
میں ڈال کر ان کے کمرے میں رکھ دیتی تاکہ ان کو  
تکلیف نہ ہو پھر فاروق آفس اور ہم اسکول کے لیے  
نکل جاتے۔ دو بجے ہم واپس آتے۔ میں روٹی  
بناتی ساں شام کو ہی بناتی جورات کو کھانے کے بعد  
دوسرے دن صبح میں بھی کام آجاتا۔ کھانا کھا کر بچے  
اور میں اپنے کمرے میں اور اماں اپنے کمرے میں  
چلے جاتے۔ شام کو کٹھ کرے پھر فریش ہو کر ٹیوشن کے  
لیے چلے جاتے میں عصر کی نماز کے بعد چائے بناتی  
اماں اور میں چائے پیتے اور میں پھر مارتے کھانے  
کی تیاری کے لیے کچن کا رخ کرتی اسی دوران مغرب  
کی نماز بھی ہو جاتی ہے آجاتے میرا اسکول کا کام بھی  
ساتھ ساتھ ہوتا۔ بچے سبارہ پڑھتے عشا کی نماز  
سے پہلے فاروق آجاتے بچے بھی تھک جاتے۔ مشکل  
کھانا کھاتے اور سونے کے لیے بھاگتے۔ لگتا تھا  
جیسے وقت ہوا کی طرح بھاگتا چلا جا رہا ہے۔

ہوتا جس میں کچھ وقت ایک دوسرے کے لیے نکلتا۔  
مگر اتنا ہوا تھا کہ ان دو سالوں میں میری سبکری سے دو  
کمیشیاں چل رہی تھیں فاروق کا بھی پرو مشن ہو گیا تھا  
حالات بہتر ہو رہے تھے۔ اماں کچھ دن سے آنکھوں  
کے زرد کی شکایت کر رہی تھیں کہ قرآن پاک نہیں پڑھا  
جارہا۔ تو فاروق نے سبکری ملنے پر اماں کو موبائل لا کر  
دے دیا کہ آپ جب چاہے قرآن پاک سن لیں اور  
مار یا آئی اور نمذا آپی سے بات بھی کر لیا کریں۔  
کچھ دن ٹھیک گزرے کہ اماں نے عجیب مشکوک  
حرکتیں شروع کر دیں۔ میں ہر رات ان کے کمرے  
میں پانی کی بوتل رکھ دیتی تاکہ رات کو انہیں باہر نہ آنا  
پڑے۔ اس رات کو میں کسی کام سے کمرے سے  
باہر آئی تو اماں ہمارے کمرے کے باہر بیٹھ رہی تھیں۔  
”خیریت اماں کیا ہوا؟“ میں نے حیرت  
سے سوال کیا۔  
”پانی پینے نکلی تھی“ وہ گھبرا گئیں۔ ”ارے پانی  
تو رکھا ہوتا ہے بیڈ کی سائڈ ٹیبل پر۔“  
میں نے حیرت سے ان کو دیکھا۔  
”مجھے ٹھنڈا پانی پینا تھا۔“ میں ششدر رہ گئی وہ تو  
گرمی میں بھی ٹھنڈا پانی نہیں پیتی تھیں۔ میں نے پھر  
نوٹ کرنا شروع کیا وہ اکثر راتوں کو در تک موبائل  
دیکھتی۔ ایک رات تو تقریباً دو بجے کھٹ پٹ کی  
آواز سے میں جاگی دیکھا تو اماں اسنور روم سے بڑا سا  
ٹاپر لے کر نکل رہی تھیں مجھے دیکھا تو گر بڑا کر جلدی  
سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔ میں نے فاروق  
سے ذکر کیا تو انہیں بھی حیرت ہوئی پھر تو ان کا معمول  
نگہ بانٹی سیدی اور بے تنگی حرکتیں کرتیں۔ کبھی اچھی  
ماہی گرم جائے کو ٹھنڈا کہہ کر گرم کروا دیتیں۔ کبھی روٹی  
اور تو جاول کی فرمائش اور جاول بناؤ تو فاروق کو کال  
کر کے بندرو کی روٹی منگو لاتیں، کبھی ہم اسکول کے  
لئے نکل رہے ہوتے تو اماں بے وقت جاگ کر آتا تیں  
کہیں مجھے آج پراٹھا بنادو ویسے ناشتے میں ساوہ  
نی ہی کھاتی تھیں۔ کبھی بچوں سے بے تنگی بات  
بیٹھ کر کرتیں۔

اللہ نہ کرے مگر نہ جائیں اس عمر میں بڑی ٹوٹے تو جبر بھی نہیں سکتی..... کبھی خود بخود ہی بننے لگیں۔

میں ان کی بچکانہ حرکتوں سے گلے آگئی تھی کبھی، کبھی ڈر بھی جاتی اب تو بہت عاجز آگئی تھی کہ یہ کہنے پر مجبور ہوگئی کہ انہیں ”کسی سائیکالرسٹ کو دکھا میں۔“

فاروق بھی پریشان ہو گئے تھے اور میری بات سے متفق تھے۔

ہفتے کی رات تھی۔ آج فاروق ایک مدت کے بعد کسی دوست کے ساتھ ڈنر پر گئے ہوئے تھے میری عادت تھی کہ میں اپنے فاروق اور بچوں کے کپڑے ہفتے کی رات کو ہی پریس کر دیتی اب بھی استری کرتے، کرتے ٹی وی لگالیا اور ٹی وی پر سرسری سی نگاہ ڈال لیتی، بچے اپنے کمرے میں تھے اماں شاید سوچتی تھیں۔

ٹی وی پر ٹوکی ویلشرف والوں کا پروگرام چل رہا تھا، اولڈ ہوم کی خواتین سے کوئی پچھل والی ٹوکی بات کر رہی تھی..... سنہ جانے کیوں میری توجہ ٹی وی کی جانب ہوگئی۔

لڑکی نے کسی بوڑھی خاتون سے وہ حالات پوچھے تھے جن کی وجہ سے وہ یہاں آئیں۔

”کیا سنو گی بیٹی.....؟ ہمارے پاس کہنے کو کچھ نہیں۔ ہم عمر کے اس حصے میں ہیں جہاں غیر ضروری، اور بوجھ سمجھے جاتے ہیں۔ ہمارے بچے ہماری گودوں میں پل کر جب بڑے ہو جاتے ہیں تو ان کے پاس ہمارے لیے وقت نہیں ہوتا، وہ اپنی زندگی کو بناتے، سنوارنے اور بہتری کی تلاش میں نکل جاتے ہیں۔ اور ہم کو تنہائی اور بے توجہی پل، پل مار دیتی ہے۔ کئی کئی دن ہمارے بچے ہمارے لیے اُدھا گھٹنا نہیں نکال پاتے اور ہماری فرسٹریشن کو نفسیات اور پاگل پن کا نام دے کر ہمیں ایسے ہی کسی ادارے میں چھوڑ کر بے فکر ہو جاتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ.....“ نہ جانے وہ خاتون آگے کیا، کیا کہہ رہی تھیں لیکن میں پچھلی آنکھوں سے ان کے بوڑھے اور پشمرہ چہرے کو دیکھ رہی تھی

خس پرکھ اور اذیت کی پوری داستان دیکھ چکی۔

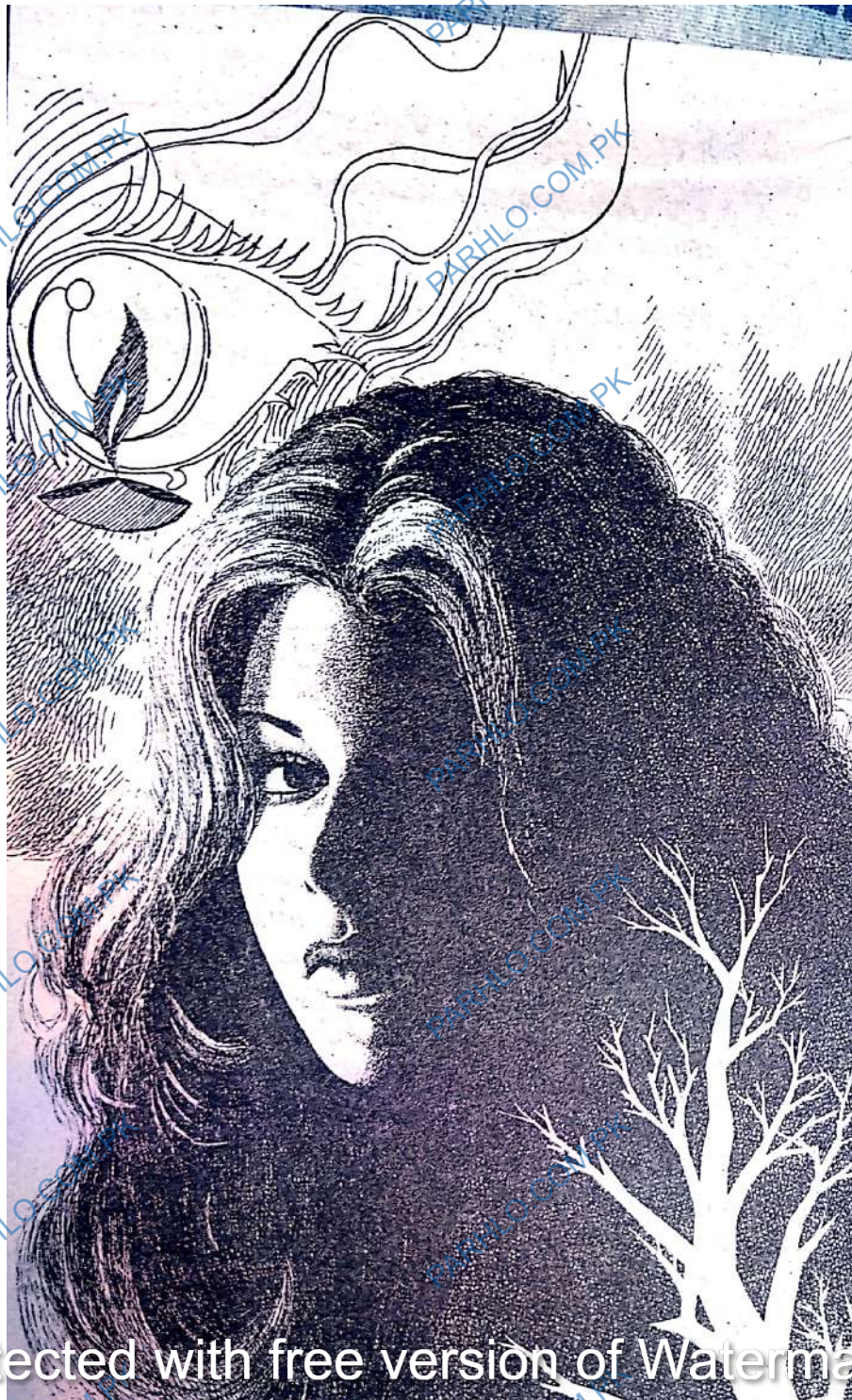
میرے سر میں، دھماکے ہو رہے تھے، میری ٹانگیں کپکپا

پہلا قدم

مگھوم رہا تھا..... یعنی ہم خود اٹھانے میں اپنی اماں کو اس دوراے تک لا رہے تھے، واقعی ہم لوگ اپنی مصروفیت اور بھاگ دوڑ میں اماں کو بھولتے جا رہے تھے ایک وقت تھا کہ چوبیس میں سے بیس گھنٹے بچے اماں کے پاس رہتے اور اب پچھلے دو تین سال سے آدھا گھنٹا بھی نہیں دے رہے تھے۔ میں جو اماں کے ساتھ ساتھ رہتی تھی اب ان سے ضرورت کی بات ہی کرتی کیونکہ بائیم ہی نہیں ہوتا تھا، فاروق رات گئے لوٹنے اور صبح نکل جاتے یعنی اماں کی حرکتیں توجہ حاصل کرنے کے لیے ہوتیں وہ فرسٹریشن کا شکار تھیں اور آگے چل کر اللہ نہ کرے وہ بھی نفسیاتی..... ”توبہ توبہ اللہ نہ کرے“ مجھے جھرجھری آگئی اور میں نے اسی لمحے ایک فیصلہ کر لیا۔ کل کو مجھ پر بھی یہی وقت آنے والا تھا۔

آج کے دور میں زیادہ تر گھر میں یہی ہو رہا تھا اور میں نہیں چاہتی تھی کہ ہمارے گھر میں ایسا کچھ ہو اماں کو ہماری ضرورت تھی اور آج صرف میں نے یہ سوچا تھا ہو سکتا تھا کل اور کوئی سوچتا اور یہ چین چل جاتی..... مجھے لگا کہ اولڈ ہوم میں بزرگ خواتین کی بھرمار، نفسیاتی کیسز میں اضافے، اس میں کہیں نہ کہیں ہاتھ ان کے اپنوں کا بھی ہوتا ہے جو صرف حال پر نظر رکھتے ہیں کاش ایک بار کوئی جوان اپنے اوپر رکھ کر سوچے تو شاید اولڈ ان ہومز اور نفسیاتی ادارے دوران نظر آئیں۔ مجھ پر آگئی کا درد واہو چکا تھا..... میں اپنے آپ سے شرمندہ ہو رہی تھی، میری آنکھیں کھل چلی تھیں گویا میں گہری نیند سے بیدار ہو چکی تھی..... میں نے اپنے کپڑے بغیر استری کیے واپس الماری میں رکھ دیے کیونکہ اب میں نے جاب سے ریٹائرمنٹ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا، بچوں کو کبھی ٹیوشن اور سپارہ خود پڑھانے کا سوچ لیا تھا تاکہ بچے زیادہ تر گھر پر رہیں..... اور اب مجھے فاروق کا انتظار تھا تاکہ ان کو خوشخبری سناؤں مجھے لگا جیسے میں نے یہ فیصلہ کر کے اپنا بڑھاپا بھی سیکور کر لیا ہو..... اور دل میں بھی ایک اطمینان اتر رہا تھا کہ میرا یہ قدم شاید کسی اور کے لیے قشعر راہ ثابت ہو جاتا.....





دوسرا حصہ

ناولٹ

## محبت چار حرف

شیریں حیدر

محبت کو سمجھنا ہے تو نا صبح خود محبت کر

کنارے سے کبھی اندازہ طوفاں نہیں ہوتا

جماعت کے بچوں میں کوئی طعنائی فرق حائل نہیں ہو سکتا تھا۔ کسی ٹیٹ میں کوئی لڑکا نہیں ہو جاتا یا کسی کو پڑھائی میں کچھ سمجھنے میں دقت ہوتی تو محبت کی خدمات بلا مانگے حاضر ہوتیں۔ میں بھی اسی کی طرح ایک لائق محنتی اور پڑھا کولڑکا تھا مگر اس میں اور مجھ میں بہت واضح فرق تھا۔ میرے چھوٹے سے ذہن میں یہ بھی نہیں آیا تھا کہ میں اپنی قابلیت کو دوسروں کی مدد کے لیے استعمال کر سکتا ہوں۔ اگر کبھی سوچ آتی جاتی تو میں یہ سوچتا کہ کہیں کوئی اور لڑکا، میری مدد سے، مجھ سے آگے نہ نکل جائے۔ ہم تنگ گھروں اور تنگ گلیوں میں رہنے والوں کی سوچ بھی شاید محدود اور تنگ ہوتی ہے۔ حقیقت تو یہ تھی کہ میں نے بھی سوچائی نہیں تھا کہ میں کسی کی مدد کر سکتا ہوں۔

”آج سے محبت اللہ کلاس کا مانیٹر ہوگا۔“ انگریزی کے ماسٹر صاحب جو کہ ہمارے کلاس ٹیچر بھی تھے، انہوں نے اعلان کیا تھا۔ مجھے سن کر بالکل برا نہیں لگا تھا کیونکہ نہ صرف یہ کہ گزشتہ سہ ماہی امتحانات میں اس نے مجھ سے بہتر کارکردگی دکھائی تھی اور کلاس میں بھی اس کی کارکردگی مجھ سے بہتر ہوتی تھی، یہ بھی کہ اب اس کے اور میرے بیچ بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ وہ، اچھل اور میں..... تینوں ایک مضبوط دوستی کے بندھن میں بندھ گئے تھے۔ بلکہ اچھل سے بڑھ کر بھی میری محبت سے گہری دوستی ہو گئی تھی۔ وہ ایک اچھے خاندان سے تعلق رکھتا تھا مگر اس میں غرور اور غصہ نام کو نہ تھا، ہر کسی کی مدد کو تیار رہتا۔

کلاس کے رینج کو ایک ہی نظر سے دیکھ کر اس کی نظر

466 ماہنامہ لب کی بڑھ۔ دسمبر 2022ء



## محبت جا حرف

چند تہیں تک کر رہی ہے تو مجھے بلا تکلف بتاؤ؟  
”جہیں سرائی کوئی بات نہیں، سب ٹھیک ہے،  
شاید میں پرچے میں دھیان نہیں دے رہا تھا، آئندہ  
خیال رکھوں گا، آپ کو اس کے بعد شکایت نہیں ہوگی۔“  
میں نے انہیں یقین دہانی کروائی۔

”مہیں ایسا ہی کرنا چاہیے، میں قطعی اس بات کو  
پسند نہیں کروں گا کہ تم کسی بھی وجہ سے بورڈ کے امتحان  
میں محبت سے کم نمبر لو، مجھے تو امید تھی کہ تم بورڈ میں کوئی  
پوزیشن لو گے، مجھے تمہاری کوشش کا کردار سے بہت  
مایوسی ہوئی ہے۔ اگر محبت اچھا بچہ ہے تو اس کی دوتی اور  
صحت سے تم پر اچھے اثرات پڑنا چاہیے ناں۔“

”جی سر..... ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔“  
”اگر تمہیں کسی بھی مضمون میں مسئلہ ہو تو مجھے بتاؤ،  
میں سارے استادوں سے بات کر سکتا ہوں کہ تمہیں کچھ  
مزید وقت بریک میں دے دیں یا اسکول کے بعد رک کر  
بھی تم مدد لے سکتے ہو۔“ انہوں نے مجھے مزید مدد کی پیشکش  
کی..... میں ان کا شکریہ ادا کر کے لوٹ آیا۔

☆☆☆

ماسٹر صاحب سے تو کہہ آیا تھا کہ کوئی مسئلہ نہیں تھا مگر  
مسئلہ تو تھا۔ امی جان سے بات چیت کے بعد میں کچھ  
باتیں سمجھا تھا، کچھ نہیں۔ مجھے ان کی بات واضح نہ ہوئی تھی  
کہ میرے روتے کیسے ہیں مگر مجھے علم ہو گیا تھا کہ میری  
زندگی میں بہت کچھ ٹھیک نہیں تھا۔ امی جان اس دن بات  
کرتے، کرتے اپنی آنکھوں میں اٹھ آنے والے  
آنسوؤں کو چھپانے کے لیے اٹھ کر میرے کمرے سے  
باہر چلی گئی تھیں، انہیں ہر روز کی طرح دہاں بیٹھ کر مجھے  
دودھ پلانا، اس کے بعد میرے بالوں میں اپنی نرم  
انگلیوں سے اس وقت تک مساج کرنا کہ جب تک میں  
نیند کی وادی میں نہ اتر جاتا، بھول گیا۔ اس کے نتیجے میں،  
میں بھی اتنا پریشان ہوا کہ میں نے دودھ ہی نہیں پیا، مجھے  
معلوم تھا کہ اس کے بعد امی جان واپس نہیں آئیں گی  
اور نہ ہی میرے بالوں میں ان کی نرم انگلیوں کی گردش  
سے وہ لطف سا احساس پیدا ہوگا جو مجھے نیند کی وادیوں  
میں اتار دے گا۔

”اجمل، تم جا کر ہیڈ ماسٹر صاحب کے دفتر سے،  
مانیٹر کا ایک اور بیچ آؤ۔“ اجمل ان کے کہنے پر جا کر  
بیچ لے کر لوٹا تو انہوں نے مجھے اور محبت کو کلاس کے  
سامنے اپنی میز کے پاس بلایا اور..... اس کی قمیص پر  
بیچ لگایا، میں نے تو پہلے سے ہی بیچ پہن رکھا تھا۔ میں نے  
اپنا ہاتھ بروحا کر اس سے مصافحہ کرنا چاہا تو اس نے بیچ  
مجھے اپنے ساتھ لگایا، وہ ہر بار بازی لے جاتا۔ اس کے  
معالفے میں خلوص تھا، جذبات تھے، دوستی تھی اور پیار تھا۔  
کلاس ختم ہوئی تو ماسٹر صاحب نے مجھے اسکول  
کے تفریح کے وقفے میں ملنے کو کہا۔ اس وقت تک میں  
بہی سوچتا رہا کہ جانے وہ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔  
اپنا بیچ جلدی، جلدی کھا کر میں محبت اور اجمل کو بتا کر  
اسٹاف روم کی طرف چل دیا۔

”کیا وجہ ہے غور، تم کلاس میں بھی مجھے غیر حاضر  
لگتے ہو اور اس دفعہ امتحان میں بھی تمہاری کارکردگی اچھی  
نہیں، محبت لاکھ لائق اور سختی بھی مگر تم نے میری توقع اور  
اپنی سابقہ کارکردگی کی نسبت کم نمبر حاصل کیے ہیں جی  
کہ تمہارے امتحانی پرچوں میں تمہاری لکھائی بھی ایسی تھی  
کہ اگر میں خود ان امتحانوں میں کلاس میں موجود نہ ہوتا تو  
میں سوچتا کہ تمہارے پرچے کی اور نے حل کیے ہیں۔“  
انہوں نے شفقت سے مجھ سے پوچھا۔ ”کوئی مسئلہ ہے کیا؟  
گھریا اسکول میں کوئی ایسی بات جو تمہیں تنگ کر رہی ہو؟“  
”نہیں سر، کچھ بھی نہیں۔“ میں نے بلا سوچے کہا۔  
”کہیں تم محبت سے مرعوب تو نہیں ہو گئے، اس کی  
قابلیت سے دب گئے ہو یا اس سے حسد محسوس کرتے  
ہو؟“ انہوں نے پھر سوال کیا۔ ”اس صورت میں، میں تم  
دونوں میں سے کسی ایک کا مکیشن تبدیل کروا دیتا ہوں؟“  
”نہیں سر..... ہرگز نہیں، محبت تو بہت اچھا لڑکا  
ہے، میں اس سے بہت کی شت چڑھیں سیکھتا ہوں، میری  
اس سے اتنی ہی گہری دوستی ہے جتنی کہ میری اجمل سے  
پچھلے نو برس سے ہے۔“ میں نے پورے دلوں سے کہا۔  
”کوئی گھر بیٹو مسئلہ؟ اگرچہ مجھے یہ سوال نہیں کرنا  
چاہیے مگر ایک استاد ہونے کے ناتے اور تمہیں اتنے  
سالوں سے جاننے کے باعث میں سوچ رہا ہوں کہ کوئی

کی ذمے دار یوں کی وجہ سے میری پڑھائی متاثر ہوگی اور  
یوں بھی غیور اس کلاس کا بہترین طالب علم رہا ہے، آج  
سے نہیں بلکہ جب سے وہ اس اسکول میں آیا ہے اور جتنا  
وہ اس کلاس کے بچوں کو جانتا ہے، اتنا میں نہیں جانتا۔“  
اس نے رساں سے کہا تھا۔

”اگر میں کہوں کہ اب غیور مانیٹر نہیں رہے گا، کوئی  
اور مانیٹر بنے گا تو؟“ ماسٹر صاحب بھی شاید اس وجہ کو پا  
گئے تھے جو میں اس وقت سوچ رہا تھا۔ محبت اس لیے  
مانیٹر نہیں بننا چاہتا ہوگا کہ مانیٹر کی پوزیشن ٹھیک کلاس  
سے اب تک میرے پاس تھی، وہ مجھ رہا ہوگا کہ مجھے اس  
کے مانیٹر بننے سے دکھ ہوگا۔ حالانکہ ایسا کچھ بھی نہیں تھا،  
مجھے اس کے مانیٹر ہونے سے، خود سے بڑھ کر خوش  
ہوئی۔ ایسے بے لوث خدمت گار اور مددگار کے لیے کون  
دل میں حسد کا جذبہ رکھ سکتا تھا۔ ایسا سونے کا دل رکھنے  
والا، اب تک میری زندگی میں کوئی نہیں آیا تھا۔ کلاس کی  
مانیٹر کیا چیز تھی، میں تو اس کے خلوص کے سامنے کچھ بھی  
تیاگ دیتا تو کم ہوتا۔

”کوئی بات نہیں سر، جو بھی بنے گا وہ اس کلاس کے  
ہر بچے کو مجھ سے بہتر جانتا ہوگا۔“ محبت نے کہا۔ ”میرا  
خیال ہے کہ غیور کو بھی کوئی دکھ نہیں ہوگا، کوئی اور مانیٹر بنے  
گا تو وہ بھی اپنا زیادہ وقت پڑھائی کو دے سکے گا۔“

”کیوں غیور، ایسا ہی ہے کیا؟“ ماسٹر صاحب نے  
سوال کیا۔ ”کیا کلاس کے بچوں کی ذمے دار یوں کی وجہ  
سے تمہاری تعلیمی کارکردگی پر اثر پڑا ہے؟“  
”معلوم نہیں سر!“ میں نے کھڑے ہو کر کہا۔  
”شاید ایسا ہی ہو..... لیکن یہ بات بھی ہے کہ محبت مجھ  
سے زیادہ لائق اور سختی ہے، وہ یقیناً پہلی پوزیشن حاصل  
کرنے کے بعد مانیٹر بننے کا اہل ہے۔“

”جو بھی ہے، میں تم دونوں کو مانیٹر بنانا ہوں، آج  
سے اس کلاس میں دو مانیٹر ہوں گے، دونوں مل کر کلاس کا  
ڈیوٹی بھی دیکھیں گے اور دونوں ایک جیسی محنت کر کے پہلی  
پوزیشن بھی لیں گے۔“ ان کے کہنے پر کلاس میں تائیاں  
گوں اٹھیں، مجھے علم تھا کہ ساری کلاس میں محبت کے لیے  
ایک ہی بات تھی کہ مانیٹر بننا چاہتا ہے۔

مانیٹر بننے کے قابل تھا، وہ ہر نوعیت کی خصوصیات کا حامل  
تھا، وہ اس پوزیشن کا مجھ سے بہتر اہل تھا۔ اس نے کس  
طرح میری مدد کی تھی، میں ایسے گھر کا اکلوتا لڑکا جسے  
آغاز جوانی کے اسرار و رموز کوئی اور نہیں سمجھا سکتا تھا کہ  
میری زندگی میں میرے سوا کوئی مرد درشت نہ تھا۔  
”سوری سر..... میں مانیٹر نہیں بننا چاہتا۔“ اس کی  
آواز نے مجھے چونکا دیا تھا۔

”کیا؟ کیوں؟“ ماسٹر صاحب نے حیرت سے  
سوال کیا۔  
”بس سر مجھے پسند نہیں۔“ اس نے ہولے سے  
جواب دیا۔

”آپ میں سے کون کلاس کا مانیٹر بننا چاہتا  
ہے؟“ ماسٹر صاحب نے یک دم پوری کلاس سے سوال  
کیا کہ کھڑکڑاہٹ کی آواز آئی، میں نے بے ساختہ پلٹ  
کر دیکھا، کلاس کے نوے فیصد لڑکوں نے ہاتھ کھڑے کر  
دیے تھے۔ اس میں وہ لڑکے بھی شامل تھے جو کلاس میں  
دوسرا یا تیسرا سال لگا رہے تھے کہ وہ فائنل امتحان میں  
فیل ہو جاتے تھے، وہ بھی جن کی عدم ڈپلین پر ہر روز  
چھترول ہوتی اور وہ بھی جنہیں خاص حفظان صحت یا...  
ناکمل پرفارم کے باعث ہر روز آسلی سے باہر نکال کر  
پورے اسکول کے سامنے بطور نمونہ کھڑا کیا جاتا، وہ بھی  
جو سال میں معمول کی چھٹیوں کے علاوہ بھی پچاسوں بار  
غیر حاضر ہوتے۔ وہ بھی جنہیں اسکول کے گراؤنڈ میں  
چھوٹی کلاسز کے لڑکوں کو تنگ کرنے کی وجہ سے پوری  
بریک میں وہیں گراؤنڈ میں کرنا پڑتا جاتا، وہ بھی جو  
چھپ کر سرگرمیت پیتے اور باقی لڑکوں کو بھی مجبور کرتے  
تھے کہ وہ ان کے ساتھ سرگرمیت کریں۔ وہ بھی کھڑے تھے  
جنہیں اگر ماسٹر صاحب کلاس میں ایک پیرا گراف،  
کتاب سے دیکھ کر پڑھنے کے لیے کہتے تو وہ بھی  
نہیں پڑھ سکتے تھے۔

”بواہر دیکھیں محبت بیٹا اور مجھے بتائیں کہ آپ  
مانیٹر کیوں نہیں بننا چاہتے؟“ ماسٹر صاحب نے ان سب  
لڑکوں کو ہاتھ نیچے کرنے کو کہا اور محبت سے سوال کیا۔  
”میں اپنی توجہ پڑھ لکھنا، کتابیں پڑھنا، اپنی





ماہنامہ جاسوسی

موسم سرما کی تلی لکھیلیں  
دسمبر 2022ء کے جاسوسی  
کی اختتامی رنگینیاں

### عشق نامتام

زندگی کتنی ہی کٹھن کیوں نہ ہو..... جن سے چاہت کا تعلق ہو..... وہ کبھی فراموش نہیں کیے جاتے  
احمد سلیم سلیمی کی سنسنی خیز داستان عشق

### شعلہ زن

بے بسی کے اندھیروں میں ڈوبتی لڑکی کی  
دردناک داستان حیات  
روبینہ رشید کے قلم کی جادوگری

### دلیر

دنیا مجبور کرتی ہے کہ ان پر قربانی کر لوٹ پڑو..... ایک ایسے ہی  
نوجوان کی کوچہ گردی..... زندگی اس کے لیے خالی کھنڈوں کے  
مانند تھی..... حسام بیٹ کے قلم سے نئی ملتے دار کہانی

### سورج کے رنگ

پہلا رنگ  
محبت میں وفا ہوتی ہے عہد وفا کی نہیں ایک وحشی کے  
قاتلانہ جال..... عبدالرب بھٹی کے قلم کا کمال

### دوسرا رنگ

شکست ذات میں شام کو زندگی کر دینے والے کردار کا جوت  
انگیز احوال..... عنایت جھہڑی کے قلم کی شہر زنی

### چلتی لکتہ چلتی

آپ کے تھرے... مشورے... محبتیں...  
شکایتیں... اور نئی دلیپ باتیں... کتنا نہیں

میں سو رہا تھا، میں نے خواب دیکھا تھا؟ وہ سب کیا تھا،  
کوئی نظر کا دھوکا! کیونکہ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ  
میری اسی جان تھیں۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی،  
مجھے ہر طرف سے موسیقی کی آوازیں آ رہی تھیں، واقعی  
کہیں موسیقی نہ رہی تھی یا میرے کانوں میں!  
☆☆☆

”تمہیں علم ہے کہ تم جاردن سے اسکول نہیں  
آئے.....“ اس کے لہجے میں غصہ تھا، کھلی تھی، میرے لیے  
احساس تھا۔ ”تم اس وقت اسکول سے چٹیاں کیسے کر سکتے  
ہو جبکہ اسکول میں اساتذہ اہم اسباب کی ڈھرائی کر رہے  
ہیں، چند دن میں ہمارے بورڈ کے امتحان کے لیے داخلہ  
ٹیسٹ ہونا ہیں۔ تم ایسے بے پروا تو کبھی بھی نہیں تھے؟“  
”ہم.....“ میں نے سینے سے گہری سانس  
کھینچی، وہ میری طرف منتظر نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ میں  
اسے اس بے پروائی کی وجہ بتاؤں، میں خاموش تھا۔  
”تم سے پوچھ رہا ہوں غیور؟“ اس نے میرا ہاتھ  
پکڑ کر کہا۔ ”نہ کوئی اتنا تمہارا نہ پتا جو میں تمہارے گھر  
آ کر پوچھ سکتا کہ تم اسکول کیوں نہیں آ رہے۔“  
”اچھا ہی ہوا کہ تمہارے پاس میرا اتنا پتا نہیں  
تھا۔“ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔  
”مجھے غیور نہ کہا کرو.....“ میں نے جواب دیا بھی  
تو وہ، جس کی وہ توقع نہیں کر رہا تھا۔  
”تو اور تمہیں محبت اللہ کہوں کیا؟“ اس نے چڑ کر  
سوال کیا۔

”ہاں، میں محبت اللہ بھی ہو سکتا ہوں۔“ میں نے ہی  
منہ میں بڑبڑایا تھا۔  
”کچھ کہتا تم نے غیور؟“ اس نے پھر سوال کیا۔  
”کیا دنیا میں تمہارے علاوہ کوئی اور محبت اللہ نہیں  
ہو سکتا؟“ میں نے کھوئے سے کچھ نہیں سوال کیا۔  
”ہو سکتا ہے، کیوں نہیں ہو سکتا، ہزاروں ہوں  
گے۔“ اس نے لہجے میں نرمی پیدا کی۔ ”لیکن اس وقت تم  
مجھے میرے سوال کا جواب دو۔“  
”میں ٹھیک نہیں تھا محبت، میں بیمار تھا۔“  
”ادھر، کہا ہوگا آج، بجائے تمہارا نزلہ زکام؟“ اس

چست اور گہرے گریبان والے، سر سے پاؤں  
تک لال لباس میں انگارہ بنی، سونے کے بھاری  
زیورات پہنے، چنچا ہوا ایک اب کے ہونے، چلے ہوئے  
کھٹکھٹ وڈوں کی آواز پیدا کرتی ہوئی وہ عورت گون تھی،  
میری خالہ؟ میں نے بہت کم خالہ کا ذکر سنا تھا، میرے  
حافظے میں بھی کوئی چیز اتنی واضح نہ تھی۔ کسی سے سنا تھا کہ  
وہ ایک انتہائی خوب صورت جوان لڑکی تھی۔ مجھے کچھ، کچھ  
یاد آتا تھا کہ نانی سے اس کا بہت جھگڑا ہوا تھا، اسی جان  
نے اسے چپ کروانے کی بہت کوشش کی مگر وہ اور نانی  
دونوں بچتی رہیں اور اس کے بعد کیا ہوا، مجھے یاد نہیں۔ تب  
سے لے کر اس وقت تک کہیں نظر نہ آنے والی خالہ اب  
میرے سامنے کھڑی تھی۔ میں نے بے ساختگی سے دروازہ  
کھول دیا تھا اور اپنے کمرے سے باہر نکلا۔  
”اپنے کمرے میں واپس جاؤ۔“ وہ سردی آواز،  
جس میں حکم تھا، غصہ تھا..... مجھے یقین نہ کرنا دشوار تھا کہ وہ  
میری اسی جان کی آواز تھی۔ میں کسی ردیوٹ کی طرح  
اپنے کمرے میں لوٹ آیا، دروازہ بند کیا اور اس میں  
موجود ایک جھری سے باہر جھانکنے لگا۔ اسی جان بھی رات  
کے اس پہر اتنی تیار کیوں تھیں؟  
میرے اندر اس وقت کوئی سوچ نہ تھی، مثبت نہ منفی،  
میں جیسے بالکل خالی الدماغ تھا۔ موٹا سا وہ آدمی، اس نے  
امی جان کی کمرے کے گرد اپنے جھدے سے بازو کا حلقہ بنا  
رکھا تھا اور امی جان اس کے ساتھ ساتھ چلے ہوئے، اوپر  
کی سیڑھیوں کی طرف چل دیں۔ اوپر، مجھے کونسا کہتے تھے،  
جہاں جانا سب کے لیے ممنوع تھا۔ میں عجیب نگاہوں میں  
تھا۔ کیا وہ موٹا سا آدمی میرے ابا تھے، کیا وہ ہر روز رات کو  
میرے سو جانے کے بعد آتے تھے؟ میں خود ہی سوال کر  
رہا تھا اور جواب میں میرے دماغ میں خاموشی تھی۔ چاہ رہا  
تھا کہ باہر نکلوں، اوپر جاؤں اور دیکھوں کہ وہاں کیا ہو رہا  
ہے مگر میں ایک نوجوان کا تھا، اس حد تک جانتا تھا کہ کسی  
جوڑے کی تنہائی میں یوں غل نہیں ہوا جاسکتا۔  
خود کو کبھی بھی جذبے کے بغیر محسوس کر رہا تھا۔ مجھے  
غصہ بھی نہیں آ رہا تھا، جانے کیوں۔ اپنے چنگ پر بیٹھ  
گواہانہ تھی کہ وہاں تم سے آواز نہ آتا تھا۔

وہ رات شاید جاننے کی رات تھی، محاسبے کی رات  
تھی، انکشافات کی رات تھی۔ اسی لیے میں اس وقت بھی  
جاگ رہا تھا جب میرے کانوں میں ہلکی، ہلکی آواز  
موسیقی کی، لڑکھڑاتے قدموں کی، کھٹکھٹاتی زنا نہ ہلکی اور  
بلند مردانہ قہقہوں کی آوازیں پہنچنے لگیں۔ میں لیٹا ہوا تھا،  
میں نے زندگی میں کوئی فلم نہیں دیکھی تھی، ٹیلی ویژن بھی  
نہ تھا، اس موسیقی کا پس منظر بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اور نہ  
ہی منج۔ میں لیٹے، لیٹے سوچنے لگا کہ یہ آوازیں یقیناً اس  
گھر سے آ رہی ہیں جو میرے کمرے کی کھڑکی کے پار  
ہے، اس کی صرف ایک دیوار مجھے نظر آتی تھی۔ شاید یہ  
آواز بازار کی طرف سے آ رہی تھی مگر بازار دور تھا اور یہ  
آواز کافی واضح تھی۔ ”کس نے یہ آواز مجھے اپنے ہی گھر سے  
تو نہیں آ رہی؟“ میرے ذہن میں سوال اٹھا۔ میں اپنے  
بستر سے فوری اٹھا اور اپنے کمرے کے دروازے کی ایک  
جھری سے باہر جھانکنے لگا، میں باہر نکلتے سے ڈر گیا تھا،  
نانی نے دیکھ لیا تو اچھی خاصی ڈانٹ پڑ جائے گی۔  
سیڑھیوں کی طرف سے عجیب، عجیب سے لوگ  
اندر آ کر اوپر کی منزل کی طرف جا رہے تھے، میں ان  
لوگوں کو دیکھنے لگا۔ اتفاق کی بات یہ تھی کہ آنے والے  
مہمان سب مرد تھے، جس گھر میں صرف عورتیں ہی  
عورتیں رہتی ہوں اس گھر میں یوں مردوں کا آنا.....  
کہیں کوئی ڈاکو نہ ہوں، میں اس نگاہ سے انہیں پھر دیکھنے  
لگا، سوچا کہ باہر نکل کر انہیں لاکھڑوں گھر میں کون سا بڑا  
سورا تھا۔ اگر وہ ڈاکو بھی ہوتے تو ایک خفیہ وزار سا  
لاکا، کیا کر لیتا ان کا؟ کم از کم ہمارے گھر میں تو چوری  
ہونے والی کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی، میں وہیں کھڑا  
سانس روکے جھانک رہا۔ سات، آٹھ لوگ تو میرے  
دیکھتے ہوئے اوپر گئے تھے، اس سے پہلے بھی قہقہوں کی  
آوازیں آ رہی تھیں تو میں، چار پہلے سے ہی موجود ہوں  
گے۔ چوبارے کا کپڑا وہی دروازہ پورا تھا۔ ”کوئی ایسا  
بھی بے پروا ہوتا ہے کہ اپنے گھر کے دروازے یوں  
رات کو کھول کر سوئے، چور اور ڈاکو کو تو بلا رکاوٹ آئیں  
گے ناں۔“ میں سوچ رہا تھا جب اس منظر نے میرے  
حوالہ سمیت میرے بدن کو کچل دیا تھا۔



اس کا جواب دیں، سیدھا سادہ۔  
”نانی سے یوں ہاتھ پائی کرتے ہیں بھائی؟“ ہالہ میری  
چتون چڑھا کر سامنے کھڑی ہوئی۔ ”بڑی ہیں وہ بھاری“  
”نہیں ہے میرا کوئی بھی اس کمر میں، بڑا  
چھوٹا!“ کہہ کر میں واپس اپنے کمرے کی طرف بھاگا اور  
بیڈ پر گر کر رونے لگا۔ اسی اثنا میں مجھے باہر سے امی جان  
کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ لوٹنے آئی تھیں اور نانی کے  
غضب کا سامنا کر رہی تھیں۔

”کہا بھی تھا تجھ سے کہ اس (کچر) کو اپنے باپ کے  
حوالے کر دے۔“ وہ چیخ رہی تھیں۔ ”مجھے پتا تھا کہ بے  
غیرت، حرام کا ختم، ایک دن یہی گل کھائے گا۔“ ان کی  
آواز میرے کانوں تک بالکل واضح پہنچ رہی تھی۔ ”مجھے  
علم تھا کہ یہ (فحش گالی) یہی کرے گا کہ ایک دن میرے  
سامنے تن کر کھڑا ہو جائے گا۔“ وہ دہاڑ رہی تھیں۔ ”اور  
بھیچو اسے بڑھنے کے لیے اسکول..... اب بھی کہتی ہوں  
تو کہ اسے سکول سے اٹھا کر یا دھندے پر لگا دیا اس کے  
باپ کے پاس بھیج دو۔“

”اماں..... حرام کا ختم مت کہا کریں اسے، وہ  
میری اولاد ہے، میرے پاس اس کے سوا ہے ہی کیا۔“  
امی جان سسک کر بولی تھیں۔ ”اسے میں ہرگز دھندے  
پر نہیں لگاؤں گی، اس کے باپ کے پاس بھیج دوں گی یا  
ہاسٹل میں داخل کروادوں گی۔ آپ نے ضرور کچھ ایسا کہا  
ہو گا کہ وہ آپ کے منہ کو آ یا۔“

”منہ کو آ یا؟ اری یہ تو میری پیاری ہالہ اس کے  
سامنے نہ آ جاتی تو وہ مجھے اسی چھڑی سے مارنے کو تھا۔“  
نانی نے مبالغہ آرائی کی۔

”تو آپ نے اسے چھڑی سے مارا اماں، کس جرم  
کی پاداش میں؟“ امی جان نے جوابا کہا۔ ”اب وہ بچہ  
نہیں رہا اماں، جوان ہو گیا ہے، ہمارے قد سے کہیں  
اونچا۔ کیوں مارا آپ نے اسے چھڑی سے، جوان خون  
ہے، جو کچھ اور کر بیٹھتا تو!“

”اس کے بعد اس نے میرے ساتھ کوئی بدتمیزی  
کی تو میں اس کی جوانی کا غماز اس کے گنوں کے رستے  
نکالوں گی..... بتا دینا اسے!“ نانی نے اتنی بلند آواز میں

مردنس رہے ہوں یا کبھی کبھار ساتھ کوئی عورت بھی مگر  
اٹھ کر دروازے کی جھری میں جھانکنے کا حوصلہ نہ تھا کہ  
میں پھر امی جان کو کسی کے ساتھ اس طرح دیکھوں۔  
اس سے اگلا دن اتوار کا تھا، اس روز میں ناٹے  
کے بعد ڈرتا ڈرتا کمرے سے نکلا، غسل خانے جا کر نہایا  
اور باہر نکل کر اپنے کمرے میں لوٹا۔ دل کو بے چینی کی  
کہ پھر باہر نکلا۔ نانی اسے تخت پر ویسے ہی براجمان تھیں،  
ہالہ ان کی گود میں سر رکھ کر گپیں بولی تھی، امی جان وہاں  
نہیں تھیں، نانی، ہالہ کے بالوں میں تیل لگا رہی تھیں۔  
ہالہ کے بال کتنے لمبے اور کتنے تھے، میں نے اس سے  
پہلے بھی نہیں دیکھا تھا۔

”نانی!“ میں نے پکارا تو لگا کہ انہیں میری آواز ہی  
نہ آتی تھی۔ وہ اپنے کام میں منہمک تھیں۔ ”نانی..... ہالہ“  
ان دونوں نے چونک کر مجھے دیکھا۔ ”کی کہاں ہیں؟“  
”دیکھ لو ٹوٹے، کیا کام ہے تجھے اس سے؟“  
نانی نے اپنے معمول کے انداز میں سوال کیا۔

”جو کام ہے، وہ میں انہی کو بتاؤں گا!“ میں نے  
بھی غصے سے کہا۔ ”آپ بتائیں مجھے کہ وہ کہاں ہیں؟“  
”گئی ہو گی اپنے کسی یار کے پاس..... انہوں  
نے پان کی پیک تھوکتے ہوئے کہا۔ ”مجھے ان سے اتنی  
کراہت آئی، نہ صرف ان کا لہو برساتا منہ بلکہ اس منہ  
سے نکلنے والے وہ الفاظ بھی۔ مجھے علم تھا کہ جب کسی لڑکی  
یا عورت کے لیے یار کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو وہ ایک  
گالی کی طرح ہوتا ہے۔“

”آپ مجھے صحیح طرح بتائیں گی یا.....“ میں تن کر  
کہہ رہا ہو گیا اور میرا جسم غصے سے کانپنے لگا تھا۔ ہالہ ان کی  
گود سے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ نانی نے اپنے سر ہانے کی  
طرف پڑی چھڑی اٹھائی اور تراخ سے میری کمر پر  
برساتی۔ اس سے پہلے کہ وہ دوہرا وار کرتیں، میں نے  
بڑھ کر چھڑی ان کے ہاتھ سے چھین لی۔ وہ میری جرات  
پر ششدر رہ گئیں، میں نے کئی بار اس چھڑی سے ان  
سے بے وجہ مار کھائی تھی مگر اب نہیں۔

”میں اب اتنا چھوٹا نہیں رہا نانی کہ آپ مجھے یوں  
بے وجہ پینا شروع کر دیں..... جو میں نے پوچھا ہے،

نہی کہیں سے امی جان کی جھلک نظر آئی تھی۔  
تھوڑی دیر کے بعد امی جان کھانے کی ٹرے لیے  
ہوئے آئیں، ان کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا، وہ ٹرے  
میز پر رکھ کر سامنے کھڑی رہیں، حالانکہ عموماً وہ میرے  
پاس بیٹھ جاتی تھیں۔ ”تم اسکول کے لیے تیار کیوں نہیں  
ہوئے؟“ ان کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔

”آپ کچھ نہیں مٹھی.....“ میرا لہجہ بھی بے تاثر تھا،  
میں نے ان سے نظر بھی نہیں ملائی تھی۔ وہ میرے کمرے  
سے نکل گئیں حالانکہ معمول میں وہ میرے پاس بیٹھی  
رہتیں جب تک کہ میرا ناشتا ختم ہو جاتا، میرے بستے  
میں نقین باکس رکھتیں، میری کتابیں وائیں بائیں سے  
اٹھا کر بستے میں ڈالتیں۔ اپنے ہاتھوں سے دودھ کا گلاس  
میرے منہ سے لگاتیں اور کہتیں۔ ”جلدی کرو بیٹا، اسکول  
سے دیر نہ ہو جائے۔“

ایک ہی رات میں معمول کتاب بدل گیا تھا، سب کچھ  
بدل گیا تھا، میں، میری بیوی، امی جان، ہمارا صبح۔ امی  
جان نے مجھ سے کچھ کہا کیوں نہیں، رات کے واقعے کے  
حوالے سے کوئی صفائی کیوں نہیں پیش کیا۔ میں سوچ کر رہ  
گیا۔ جانے وہ کیا سوچ رہی ہوں گی۔ میرے لیے، مجھ  
سے بڑھ کر میری امی جان اہم تھیں، میرا ان کے سوا اور تھا  
بھی کون..... بہن اور نانی کے ساتھ اتنا سرسری اور واجبی  
سناٹا تھا کہ میں نانی سے خوفزدہ اور کھٹا کھٹا سا رہتا تھا  
اور نانی، میری بہن کو مجھ سے دور رکھنے کی کوشش کرتیں۔

اگلی صبح بھی ایسی ہی گزری اور اس سے اگلی بھی،  
دن بھر بھی میں اپنے کمرے میں مقید رہا تھا۔ امی جان فقط  
کھانے کی ٹرے میرے کمرے میں رکھنے کے لیے  
آتیں، بنا کچھ کہے کہ ٹرے رکھتیں اور چلی جاتیں۔ میرا  
دل جیسے کوئی ٹکھی میں قید کر لیتا تھا۔ رات کو امی جان کا  
میرے لیے دودھ لے کر آنا اور اس کا آخری گھونٹ پی  
لینے تک ان کا مجھے سے سر ہانے بیٹھ کر میرے بالوں میں  
اپنی انگلیوں سے کھی کرنا..... وہ منہ خواب و خیال ہوا  
تھا۔ میں رات موٹے جاگتے گزارتا۔ موٹی مٹی کی آوازوں  
سننے جو کہ شاید ہمارے ہی گھر کے کوٹھے سے آتی تھیں۔  
دروازے کے باہر سے اب بھی آوازیں آتیں۔ کہ جیسے کی

کے لہجے میں تشویش در آئی تھی۔ اس زمانے میں بیماریاں  
اتنی ہی سادہ ہوتی تھیں۔  
”بھئی، مجھے کوئی جسمانی تکلیف نہیں تھی، میرا  
دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔“ میں نے جواب دیا۔  
”مجھے تو ایسا پتہ نہیں لگ رہا۔“ وہ بے یقینی سے  
میرا منہ تیک رہا تھا۔

”میں اپنا نام تبدیل کرنا چاہتا ہوں، میٹرک کا  
دافعہ بھجوانے سے پہلے۔“ میں نے اس سے کہا۔ ”کیا تم  
اس میں میری مدد کر سکتے ہو؟“ میں نے سوال کیا۔ ”میرا  
مطلب ہے کہ تمہارے والد صاحب اس میں میری کوئی  
مدد کر سکیں گے؟“

”میں ان سے پوچھ کر بتاؤں گا، ویسے تم اپنا نام  
کیوں تبدیل کرنا چاہتے ہو؟“ اس نے حیرت سے  
پوچھا۔ حالانکہ پہلے بھی کئی بار میں ایسا کہہ چکا تھا مگر وہ  
مشاغل سے مذاق بھرتا رہا ہوگا۔

”مجھے اپنا نام بھی پسند نہیں تھا یا ر اور اب تو اور بھی  
برا لگنے لگے۔“ میں بول رہا تھا۔

”مگر کیوں؟“ میرے پاس اسے بتانے کے لیے  
کوئی ٹھوس وجہ نہیں تھی۔ سوچ رہا تھا کہ اسے کیا بتاؤں اور  
کیا نہیں، کیا میں اس پر اپنی زندگی کے اتنے ذاتی پہلو  
کے بارے میں انکشاف کر سکتا تھا؟

☆☆☆  
اس رات سے اگلے روز میں اسکول نہیں گیا تھا،  
سال ہا سال کے معمول سے ہٹ کر پہلی بار میں نے چھٹی  
کی گئی۔ میں صبح جاگا بلکہ رات جاگتے سوتے ہی گزری  
تھی۔ امی جان کا انتظار کرتا رہا کہ وہ ہر روز کی طرح مجھے  
جگانے کے لیے آئیں گی، میں نہیں دھوکہ دیتا رہا جو جاؤں گا  
اور وہ اتنی دیر میں میرا ناشتا اور نقین باکس تیار کر دیں گی مگر  
ایسا کچھ نہ ہوا، میرا انتظار دو پہر تک محیط ہو گیا تھا۔ کوئی  
مجھے جگانے آیا، نہ ناشتا ملا اور نہ ہی میں اٹھ کر کمرے  
سے باہر گیا۔ غسل خانے جانے کی حاجت ہوئی تو میں  
کمرے سے نکلا، اس طرح مجھے کوئی چوری کر رہا ہو  
جاتے ہوئے ناک کی سیدھ اور واپسی پر سر جھکا کر۔ نہ  
مجھے نظر آیا کہ نانی اپنے شاہی تخت پر بیٹھی ہیں کہ نہیں اور



### مصبت چار حرف

”خاص طور پر یاری کی اصطلاح تو انتہائی نامناسب ہے، عورت کا یار..... میرا مطلب ہے کہ یہ لفظ اس وقت بولا جاتا ہے، جب کسی مرد اور عورت کے بیچ غلط فہمیاں تعلق ہوں۔“ میں سن کر سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ”تم اس طرح کے سوال کیوں پوچھ رہے ہو؟“

”ہم... میں جیسے خندے جا رہا تھا۔

”ناجائز اولاد کیا ہوتی ہے؟“ میں نے اس کی

حیرت کو اور غمی سوا کر دیا۔

”اسی غلط فہمی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد، جسے مرد عموماً اپنا نام نہیں دیتے۔“ اس نے جواب دیا۔

”فلموں میں اکثر ایسا دکھایا جاتا ہے، طوائفوں کے ہاں ناجائز اولادیں پیدا ہو جاتی ہیں۔“ اس نے جواب دیا اور مجھے ڈانٹ کر کہا۔ ”اب تم اس فضول سوال جواب کو بند کرو اور اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔ تین دن تو تم نے اہم کلاسز سے چھٹی کی ہے مگر میں نے تمہارے لیے سارے نوٹس تیار کر دیے ہیں۔“ وہ میرا ایسا ہی مخلص اور پیارا دوست تھا۔

”تم بہت اچھے ہو محبت، میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی تمہارے جیسا ہوتا۔“ دل میں سوچ رہا تھا کہ میں بھی اسی جیسے کسی گھرانے میں پیدا ہوتا نہ کہ ہیرا منڈی میں ایک..... اپنی ماں کے لیے وہ لفظ سوچا بھی نہیں جا رہا تھا۔

”امتحان سے فارغ ہو کر مجھے بھی کوئی فلم دکھانا محبت!“

”اس وقت تو تم یہ سارے نوٹس پکڑو اور سر دھڑ سے امتحان کی تیاری میں لگ جاؤ۔“ اس نے میری بات سنی ان ہی کر دی تھی۔

☆☆☆

”تم نے دو دفعہ اپنے داخلہ فارم بھر کر دیے ہیں محبت اللہ!“ ماسٹر صاحب نے محبت اللہ کو بلا کر کہا تھا۔ اس روز ہمارے داخلہ فارم بھجوائے جانے سے پہلے ماسٹر صاحب کلاس میں ان کو چیک کر رہے تھے۔ جن بچوں نے داخلے کے امتحان میں کامیابی حاصل کی تھی، صرف ان کا داخلہ اسکول کی طرف سے بھجوا جاتا تھا، تا کام طالب علم پرائیویٹ طور پر امتحان دے سکتے تھے اور خود داخلہ بھجواتے تھے یا اس سے اگلے برس امتحان کے لیے بیٹھتے تھے۔ میں کلاس کے ان بچوں میں شامل تھا

دیکھے سے زیادہ، امی جان کے کہنے پر یقین تھا۔ ”بس کل سے تم اسکول جانا!“

”مگر کل تو اتوار ہے امی جان!“ میں نے کہا تو وہ ہنس دیں۔ ”ہلکی سی چپت میرے سر پر لگائی۔“ پھر سے تو جاؤ گے ناں۔“ میں ان سے لپٹ گیا۔ ان کے بارے میں جو بھی جان گیا تھا، اسے اس لیے بھول گیا تھا۔

☆☆☆

”میں اپنے گھر کے ماحول سے بھی فرار چاہتا ہوں محبت!“ میں نے اس کے سامنے دل کھولا۔ ”کہیں اور چلے جانا چاہتا ہوں۔“

”کہاں؟“ اس نے سوال کیا۔ ”اور کیوں؟“

”بس محبت، میں اس ماحول میں مطمئن نہیں ہوں۔“

”کسی نے ڈانٹ دیا ہے کیا؟“ اس نے پوچھا۔

”والدین کی ڈانٹ اولاد کے بھلے کے لیے ہی ہوتی ہے یار۔“

”یہ یار کیا ہوتا ہے محبت؟“ میں نے اچانک سوال کیا۔

”دوست کو یار کہتے ہیں اور کیا۔“

”کیا لڑکیوں کے بھی دوست ہوتے ہیں؟“

میں نے سوال داغا۔

”ہاں لڑکیوں کی بھی سہیلیاں ہوتی ہیں، انہیں دوست بھی کہہ سکتے ہو کیونکہ دوستوں اور سہیلیوں کے بیچ، دوستی کا رشتہ ہی ہوتا ہے۔“ اس نے وضاحت کی۔

”یاری اور دوستی کے لفظ میں کیا فرق ہے، کیا یاری برا لفظ ہے؟“

”نہیں تو، ایک ہی بات ہے۔ دوستی اور یاری کو ہم عموماً اکٹھا بھی بولتے ہیں حالانکہ ان کا مطلب ایک ہی ہے۔“ اس نے جواب دیا مگر وہ حیرت سے مجھے تنک بھی رہا تھا۔ ”کیا اردو کے ٹیٹ کی تیاری کر رہے ہو؟“

”لڑکیوں کے یار بھی ہوتے ہیں؟“ میں نے سوال کیا اور وہ میرا منہ تنکے لگا۔ ”بتاؤ ناں؟“ میں نے جواب نہ پا کر سوال دہرایا۔

”عورتوں کے مرد دوست ہو سکتے ہیں، مگر ایسا صرف مغرب میں ہوتا ہے، ہمارے ہاں اس کا کوئی تصور نہیں، میرا مطلب ہے کہ ہمارا مذہب عورت اور مرد کے بیچ، دوستی کو اچھا نہیں سمجھتا۔“ اس نے وضاحت کی۔

”کیونکہ ہالہ کو نانی نہیں جانے دیں گی، انہیں اس سے بہت پیار ہے۔“

”تو ہالہ کو چھوڑ دیں نانی کے پاس، ہم دونوں چلے ہیں۔“ میں نے صرختیں مچا دیں۔

”بس چند ماہ اسکول کے اور دو سال کالج کے۔“ یہ وقت پورا کر لو، اس کے بعد ہم چلے جائیں گے۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔“ انہوں نے مجھے یقین دلانا چاہا۔

”جوئے انگلستان میں پڑھتے ہیں وہ کیا پہلے بارہ سال کہیں اور پڑھ کر آتے ہیں امی جان، کیا وہاں پر اسکول نہیں ہیں؟“

”ہیں بیٹا..... مگر تمہارے ابا کہتے ہیں کہ وہاں اسکول کی پڑھائی بہت مہنگی ہے۔“ امی جان کا وہ جواز اس وقت مجھے برا لگا تھا مگر اب سوچ کر کہی آتی ہے۔ ابا نے امی جان کو وہ جواز دیا تھا جس پر وہ آنکھیں بند کر کے یقین کر بیٹھی تھیں۔ وہاں تو اسکول کی تعلیم بالکل مفت ہوتی ہے، یہ مجھے بہت بعد میں علم ہوا تھا۔

”میں یہاں نہیں رہنا چاہتا امی جان، نانی میرے ساتھ بہت سختی کرتی ہیں۔“ میں نے سسکت کر کہا تھا۔

”بڑی ہیں بیٹا، اگر کچھ بھی دیں تو نظر انداز کر دیا کرو۔“ انہوں نے میرا سر سہلایا، چار دن کے بعد۔

”وہ بہت غلط سلطہ باتیں کر رہی تھیں، آپ کے بارے میں، میرے بارے میں۔“

”دل بڑا کرو بیٹا، اب تم بہت بڑے ہو گئے ہو، دنیا کی باتوں کو بہادری سے سنتا کیونکہ میرے حوالے سے بھی اور اپنے بھی۔“

”کیا میں ناجائز اولاد ہوں امی جان.... کیا میں بے غیرت ہوں؟ کیا آپ اپنے..... میں یار، کہتے کہتے رک گیا۔ وہ دیوار سے بارہویں تو ہیں ان سے سوال کر سکتا تھا کہ اس دوپہر کو وہ کہاں اور کس کے ساتھ گئی تھیں مگر ان کے سامنے مجھ میں وہ الفاظ بولنے کی ہمت نہ تھی جو نانی نے بولے تھے۔

”نانی تو بس یونہی کہہ دیتی ہیں، کچھ بھی انہیں غصے میں کہاں یاد رہتا ہے کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں۔“ امی جان نے مجھے سمجھایا، یقیناً ایسا ہی ہوگا، مجھے اپنا آنکھ کے

کہا تھا کہ امی جان کو مجھے بتانے کی ضرورت نہ تھی۔

”اس نے آپ سے کیا کہہ دیا تھا کہ آپ نے اس پر چھڑی اٹھائی؟“ امی جان نے سوال کیا۔

”یہ بات تو جا کر اسی ناخوار سے پوچھ!“ نانی نے چبا، چبا کر کہا تھا۔

”کیوں ہالہ! کیا ہوا تھا؟“ انہوں نے ہالہ سے سوال کیا۔ جواب میں کوئی آواز نہ آئی، شاید اس نے سر ہلا کر یا کندھے اچکا کر لالچی کا اظہار کیا ہوگا۔ ”ٹھیک ہے اماں، میں اس کا کوئی بندوبست کرتی ہوں اور تب تک آپ اس پر ہاتھ اٹھائیں گی اور نہ ہی زبان سے اسے تنگ کریں گی۔“ امی جان نے تسمی لہجے میں کہا تھا۔

میں سوچ رہا تھا کہ امی جان میرے پاس آئیں گی، مجھ سے بات کریں گی، پوچھیں گی کہ میں نے کیوں گستاخی کی اور میں انہیں بتاؤں گا کہ نانی نے کیا کہا تھا۔ اس کے جواب میں وہ کہیں گی کہ نانی نے مذاق کیا تھا۔ مگر وہ نہیں آئیں، اس وقت تو نہیں آئیں۔ ہاں رات کا کھانا لے کر آئیں تو میرے پاس بیٹھ گئیں، اب یہ ایک خلاف معمول بات تھی، وہ معمول جو تین دن سے تبدیل ہو چکا تھا۔

”تم اسکول کیوں نہیں جا رہے؟“ انہوں نے وہ سوال کیا جو انہیں میری پہلی چھٹی کے بعد ہی کر لینا چاہیے تھا مگر انہوں نے میری تین چھٹیوں کا انتظار کیا تھا۔

”دل نہیں چاہ رہا تھا۔“ میں نے بولے سے کہا۔

”کیا تم پڑھ لکھ کر اپنے پیروں پر نہیں کھڑے ہوتا چاہتے؟ اچھے انسان نہیں بننا چاہتے؟“ انہوں نے مسکرا کر سوال کیا، وہی پیاری ہی مسکراہٹ جو ان کا خاصہ تھی۔

”تمہارے ابا کیا کہیں گے، میرے بچے کو پڑھایا نہیں۔“

”آپ مجھے میرے ابا کے پاس بھجوا دیں، میں ان کے پاس رہ کر ہی پڑھ لوں گا۔“ میں نے کہا۔

”پہلے اسکول کا امتحان پاس کر دو اور پھر کالج کے دو سال کالونی میں تمہارے ابا سے کہوں گی کہ وہ آکر تمہیں لے جائیں۔“

”صرف مجھے کیوں، آپ کو اور ہالہ کو کیوں نہیں؟“

میں نے حیرت سے سوال کیا۔

”کیونکہ.....“ کچھ کہتے، کہتے وہ رکی تھیں۔



## محبت چار حروف

”کب، کون سی رات، کون سا آدمی؟“  
انہوں نے چہرے پر حیرت سما کر کہا۔ ”لگتا ہے تم نے کوئی خواب دیکھا ہے۔“  
”نہیں امی جان، ایسی بات نہیں ہے، میں جاگ رہا تھا، میں نے خود دروازے کی جھری سے دیکھا تھا اور پھر دروازہ کھولا بھی تھا، آپ نے لال رنگ کے کپڑے پہن رکھے ڈانٹا بھی تھا، آپ نے لال رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے اور وہ آدمی آپ کے ساتھ..... میں رکا۔“ میں سمجھا کہ میرے ابا ہیں۔ ”میں نے جوش سے کہا۔  
”تم نے یقیناً کوئی خواب دیکھا ہے بیٹا۔“ انہوں نے حتیٰ لچھے میں کہا۔ ”اس گھر میں تمہارے اور غفور کے سوا کوئی مرد نہیں ہے۔“  
”مگر اس رات.....“

”اب بے مقصد بحث کر رہے ہو تم غبور۔“ انہوں نے رسان سے کہا۔ ”جب بتا رہی ہوں کہ ایسا کچھ نہیں ہے تو اس موضوع کو یہیں ختم کر دو۔“  
”آپ مجھے غور نہ کہا کریں، مجھے بہت برا لگتا ہے یہ نام۔ میں اسے تبدیل کرنا چاہتا ہوں، اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو۔“  
”تم بہت بڑے ہو گئے ہو بیٹا، جو چاہے فیصلہ کرو۔ میں نے تو تمہیں اپنا سب کچھ سمجھا، تمہارے باپ کو میں جواب دہ ہوں کہ وہ جب آئیں تو انہیں اندازہ ہو کہ میں نے تمہیں کتنا اچھا انسان بنایا ہے، نام سے کیا بفرق پڑتا ہے۔“

”آپ کا کیا نام ہے امی جان، آپ نے کبھی بتایا ہی نہیں، نانی آپ کو تو کہہ کر پکارتی ہیں اور کوئی آپ کو میرے سامنے نام سے بلاتا ہی نہیں، غفور چاہا آپ کو چھوٹی بانی کہتے ہیں۔“  
”میرا نام ترنم ہے.....“ ان کے کہنے پر مجھے ملکہ ترنم نور جہاں کا خیال آیا مگر میری امی جان کے حسن کا کون مقابلہ کر سکتا تھا۔  
”آپ پھر اس کاغذ پر دستخط کر دیں کہ آپ کو میرا نام تبدیل کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ میں نے کاغذ ان کے سامنے رکھا اور انہوں نے خاموشی سے دستخط

میرا کوئی اور ایسا رشتہ دار نہیں ہے جو میری اس سلسلے میں مدد کر سکے۔“ میں نے وضاحت کی۔  
”چلو میں دیکھتا ہوں، میں تمہارے نام کی تبدیلی کے لیے بھاگ دوڑ کے لیے کسی کو ڈھونڈ کر دیتے داری دیتا ہوں۔ اپنا کوئی پرانا شاگرد ڈھونڈتا ہوں جو مختلف جگہ میں ہو۔“ انہوں نے کہا۔ ”تم نے اسے گھر والوں سے اجازت لی ہے؟“ ماں باپ بچے کا نام لگنے پیار سے رکھتے ہیں اور تم سولہ سترہ سال کے بعد انہیں بتاؤ کہ تمہیں ان کا رکھا ہوا نام ہی پسند نہیں۔“  
”میں اپنی امی جان سے بات کروں گا سر۔“ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا، انہیں علم ہے کہ مجھے اپنا نام پسند نہیں ہے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ تمہارا نام تمہارے ابا جان نے رکھا ہوگا۔“ انہوں نے مسکرا کر کہا۔  
”چنانچہ سر..... شاید!“ میں نے جوابا کہا تھا۔

”امی جان، میرا نام کس نے رکھا تھا؟“ میں نے اسی شام ان سے سوال کیا تھا۔  
”تمہاری خالہ نے.....“ انہوں نے فوراً کہا مگر مجھے لگا کہ انہیں ایسا کہہ کر پچھتاوا ہوا ہو۔  
”میری خالہ؟“ میں نے فوراً کہا۔ ”کہاں ہیں اب وہ؟ ان کا نام کیا ہے؟“  
”اس کا نام بنتم تھا..... وہ فوت ہو گئی۔“  
”اوہ..... وہ آپ سے بڑی تھیں؟“  
”نہیں، وہ مجھ سے کافی چھوٹی تھیں۔ وہ اوپر کوٹھے کی چھت سے گر گئی تھی۔“ انہوں نے ہوا میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”اوپر کیا کتھر انہیں تھا؟“ میں نے سوال کیا۔  
”اب ہے، تب نہیں تھا۔“  
”نانی اوپر جانے سے کیوں منع کرتی ہیں امی جان؟“ میں نے تجسس سے سوال کیا۔  
”اسی لیے ڈرتی ہیں کہ کوئی اور بھی وہاں سے گر نہ جائے۔“  
”مگر اس رات آپ تو اس آدمی کے ساتھ.....“

انہوں نے کہا۔ ”تم مجھے تفریح کے وقت اسٹاف روم کے سامنے ملنا، اس وقت اس بحث میں وقت ضائع ہوگا۔“  
انہوں نے بحث میں ملی اور باقی بچوں کے ساتھ داخلہ فارم کی بابت چیک کرنے لگے۔

☆☆☆

تفریح کے گھنٹے میں میں کھیل کے میدان کے بجائے اسٹاف روم کی طرف چلا گیا۔ ماسٹر صاحب باہر ہی میرا انتظار کر رہے تھے۔  
”چند ایک باتیں میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں بیٹا، تم اگر نام تبدیل کرنا چاہتے ہو تو بے شک کرو۔ مجھے نہیں معلوم کہ تمہیں اپنا نام پسند کیوں نہیں۔ (اگر وہ میری نانی کے منہ سے سننے کو نہ لگتی دفعہ مجھے بے غیرت کہتی ہیں تو انہیں بھی میرے نام غفور سے نفرت ہو جاتی۔) اگر کسی بھی وجہ سے اور بہر صورت، تم اپنا نام تبدیل کرنا ہی چاہتے ہو تو کوئی اور اچھا نام سوچ لو۔ اگر تم ایک ہی جماعت میں یا سٹیبل میں ایک ہی ملازمت میں دونوں چلے جاؤ گے تو لوگ تمہارے مختلف نام بھی رکھ سکتے ہیں۔ مثلاً کون سا محبت اللہ، لہیا، مونہا، کالا، مسفید، کوئی ایسی نشانی جو تمہیں اپنے اس نام سے بھی بری لگے۔ اس لیے کوئی اور نام سوچ لو، اس سے بھی اچھے کی نام ہیں۔“

”جی!“ میں نے آنکھیں سے کہا تھا۔  
”نام تبدیل کرنا اتنا آسان نہیں، اس کے لیے اخبار میں اشتہار دینا پڑتا ہے، جہاں تمہارے نام کا اعلان ہوا ہے وہاں پر درخواست دے کر اس ریکارڈ میں بھی اپنا نام تبدیل کرنا پڑتا ہے۔ یہ سارے مشکل مراحل ہیں، اسے ابا جان سے کہو کہ وہ تمہارا نام تبدیل کروادیں، داخلہ جانے میں چند ہی دن ہیں اور اس سے پہلے اس کا تبدیل ہونا اہم ہے۔“

”میرے ابا جان میں ہوتے ہیں سر.....“ میں نے کہا۔  
”کوئی اور رشتہ دار بیٹا، کوئی چچا یا ماموں وغیرہ۔“ انہوں نے پھر کہا۔  
”کوئی بھی نہیں سر۔“ میں نے کہا۔ ”میں صرف اپنی نانی، چھوٹی بہن اور امی جان کے ساتھ رہتا ہوں۔“

جنہوں نے اسکول کا داخلہ میٹ ایچھے نمبروں سے پاس کیا تھا۔ اس میں زیادہ عمل دخل محبت کا تھا۔  
”نہیں سر، ایسا نہیں ہے۔ غفور علی نے اپنا نام تبدیل کر لیا ہے۔ دوسرا فارم اس کا ہے۔“ محبت نے وضاحت کی تو کلاس میں دبی، دبی ہنسی کی آواز سنائی دی۔  
”کیوں غفور علی، کیا ایسا ہی ہے؟“ ماسٹر صاحب نے سوال کیا۔

”جی سر.....“ میں کھڑا ہو گیا۔  
”محبت اللہ ہی کیوں، تم کوئی اور نام بھی تو منتخب کر سکتے تھے؟“ ماسٹر صاحب نے سوال کیا۔  
”سر مجھے یہ نام بہت اچھا لگتا ہے۔“  
”زندگی میں ہمیں ہر موڑ ہر اور پر مقام پر بہت سی چیزیں اچھی لگتی ہیں، وہ سب چیزیں ہماری ملکیت تو نہیں ہوتیں۔“ ماسٹر صاحب نے کہا۔ ”اچھی چیزوں کو سہرا ہونا اور بات ہے اور انہیں پالنے کی خواہش اور چیز۔ انسان اس میں بلکان ہو جاتا ہے۔ تم دونوں اچھے دوست ہو، زندگی میں جس مقام پر بھی ملو گے، ایک دوسرے کو ایک ہی نام سے پکارو گے، دوسروں کو تم دونوں میں تفریق کرنا مشکل لگے گا۔“

”ہم کون سا ایک ہی گھر میں رہتے ہیں سر.....“ میں نے کہا تو کلاس میں پھر دبی ہنسی کی آواز آئی۔  
”تم نے اپنا نام تبدیل کیوں کیا؟“  
”مجھے اپنا نام اچھا نہیں لگتا تھا سر!“ میں نے جواب دیا۔  
”کیا تمہارا نام تبدیل ہونے کی ساری کارروائی پوری ہو چکی ہے؟“ ماسٹر صاحب نے سوال کیا۔  
”نہیں سر، ابھی تو داخلہ فارم میں لکھا ہے، آپ..... کلاس کے حاضری کے رجسٹر میں بھی یہی نام لکھ دیں اب۔“ میں نے انہیں جواب دیا۔  
”یہ سب اتنا سادہ اور آسان نہیں ہے غفور۔“ انہوں نے کہا۔  
”محبت اللہ سر.....“ میں نے ان کی تصحیح کی۔  
”میں تمہیں غصہ نہ مشورہ دوں گا کہ اگر تمہیں اپنا نام تبدیل کرنا ہی ہے تو کوئی اور اچھا نام منتخب کر لو۔“



کر دیے۔ ”آپ کو کوئی اور نام پسند ہے امی جان، غیور کے علاوہ؟“

”یہ نام تمہاری خالہ نے بڑے پیار سے رکھا تھا، اب تم خود اسے تبدیل کرنا چاہتے ہو تو وہی نام رکھو جو تمہیں پسند ہے بیٹا! تمہیں نے کہا۔“

”شکریہ امی جان!“ میں نے دستخط کیا ہوا فارم ان سے لے کر اپنے بسترے میں رکھ لیا تھا، یہ فارم مجھے ماسٹر صاحب نے دیا تھا، انہوں نے میرے کام کے لیے بندہ ڈھونڈ لیا تھا اور امید تھی کہ میرا کام امتحان کا داخلہ بھجوانے سے پہلے ہو جائے گا۔ یونین کونسل میں نام تبدیل ہو جاتا تو اس کے بعد اخبار میں اشتہار دینا پانی رہ جاتا، اس اشتہار کی ایک کاپی مجھے اسکول میں جمع کروانا تھی، اس کے مطابق ہی میرا نام اسکول میں بھی تبدیل ہو جاتا۔ سب سے مشکل مرحلہ تھا کہ لوگوں کو نیا نام پکارنے کی عادت کیسے ہوگی۔

☆☆☆

”حبیب اللہ!“ میں نے اپنا نام سوالیہ پرچے پر لکھا، پہلی بار میں نے یہ نام لکھا تھا۔ جوابی پرچے پر صرف رول نمبر لکھے جاتے ہیں، ان پر نام لکھنے کی اجازت نہیں بلکہ ممانعت ہوتی ہے۔ مجھے یہ نام سن کر ایسا لگا تھا کہ جیسے محبت اللہ کا کوئی اور بھائی ہو۔ دونوں نام ملتے جلتے تھے اور بلانے میں تقریباً ایک جیسے بھی لگتے تھے۔ جب سے میں نے نام تبدیل کیا تھا، تب سے صرف محبت اللہ مجھے اس نام سے بلاتا تھا اور وہ بھی بڑے پیار سے ”حبیبی“ کہہ کر، اس سے زیادہ خوب صورتی سے مجھے کوئی نہیں پکار سکتا تھا۔ اس کے گھر والے اسے پیار سے صوبی کہہ کر بلاتے تھے۔ اسکول میں میرے اور اجمل کے علاوہ کسی کو اس کے اس نام کا علم نہ تھا۔ ہم بھی سے تک نیم سے بھی نہ بلاتے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ محبت اللہ سے تک نیم تو بھی زیادہ بہتر لگتا ہے تو اس نے مجھے بتایا تھا کہ اگر بڑے غور سے اسے شوہر کو بھی کہتی ہیں، husband کو مختصر کر کے ہی۔ ”تو کیا ہوا؟“ میں نے مسکرا کر کہا تھا۔ ”تم نے ایک نہ ایک دن بھی تو میں ہی جانا ہے۔“ اس پر وہ

کھلکھلا کر ہنسا تھا۔

”جانے کب کہاں اور کس کا بھی بننا ہے پارا“ اس نے یوں کہا تھا جیسے اس کی امید ہی نہ ہو۔

نام کے تبدیل ہو جانے سے مجھے یوں سکون محسوس ہوا تھا جیسے میں کوئی بار اٹھائے پھر جاتا تھا اور وہ میرے سر سے اتر گیا تھا۔ خود سے جڑے کسی بھی پوچھ کو لے کر چلنا مشقت ہوتی ہے، خواہ وہ کوئی ناپسندیدہ تعلق ہو یا بوجھ۔ سوائے پانی کے منہ سے اپنے نام کو ہنک آمیز انداز میں سننے کے، مجھے کوئی اور مسئلہ بھی نہ تھا مگر تانی... از خود ہی میری زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ تھی۔

☆☆☆

”تمہارے ابا آ رہے ہیں!“ امی جان نے مجھے ناشتے کی ٹرے پکڑاتے ہوئے اطلاع دی تھی۔ ”جب وہ آئیں گے تو ہم ان کے گھر جائیں گے، ان کے قیام کے دوران وہیں قیام کر لیں گے اور جاتے ہوئے ہم ان کے ساتھ جائیں گے۔ وہ ہمارے کاغذات وغیرہ تیار کروائیں گے اور جو بھی سب کارروائی مکمل ہو جائے گی تو ہم بھی لندن چلے جائیں گے۔“ میں نے پتیلی سے ان کا منہ دیکھ رہا تھا۔ ”تم خوش نہیں ہوئے غیور؟“

”حبیب...“ میں نے فوراً کہا۔ ”مجھے حبیب کہا کریں آپ۔ آپ کے منہ سے تو بہت اچھا لگے گا۔“ ”آہستہ، آہستہ عادت ہوگی، کوشش کروں گی کہ تمہارا نیا نام میرے منہ پر چڑھ جائے۔ تمہارے ابا کو بھی ابھی تک علم نہیں ہے کہ تم نے اپنا نام تبدیل کر لیا ہے۔“ ”آپ کو لگتا ہے کہ انہیں برا لگے گا؟ کوئی اعتراض ہوگا؟“ میں نے حیرت سے سوال کیا۔ ”ہر تو شاید نہ لگے، مگر ہو سکتا ہے کہ کاغذات بنوانے میں میں کوئی مسئلہ ہو جائے۔“

”میں نے اپنا نام تمام کاغذی کارروائی پوری کر کے تبدیل کیا ہے، یہی نام اب اسکول کے ریکارڈ میں بھی ہے اور یونین کونسل کے ریکارڈ میں بھی۔ آپ کو علم ہے، آپ نے ہی تو اس کاغذ پر دستخط کیے تھے۔“

”یونین کہہ رہی ہوں، اپنی سوچ سچی میری۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی مسئلہ نہ ہو۔“ انہوں نے کہا۔ ”اب ناشائستہ کرو

صحبت جاو حریف

جائیں گے، لندن۔ میں اپنی امی اور بہن کے ساتھ، لندن چلا جاؤں گا۔“ میں نے فخر سے بتایا۔ اجمل بھی حیران رہ گیا تھا۔

”تمہارے بغیر ہم بہت ادا ہو جائیں گے۔“ محبت نے کہا۔ ”تم واپس کب آؤ گے؟“ ”ہم ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے جا رہے ہیں۔“ میرے انداز میں جتنی خوشی تھی، اس کا انہیں اندازہ نہ تھا، اسی لیے وہ دونوں اپنے آنسو نہ روک سکے تھے۔ میں نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ ”تم دونوں رو رہے ہو؟“

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں گھر بیٹھے حاصل کریں

جاسوسی، ڈائجسٹ، سپنس ڈائجسٹ ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

ایک سالہ کے لیے 12 ماہ کارڈر لائسنسڈ ریٹیلر کا خرچ پاکستان کے کسی بھی شہر یا قصبے کے لیے 2000 روپے

بیرون ممالک کے لیے 25,000 روپے بیرون ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا مئی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں

رابطہ:

مرزا شہر عباس: 0301-2454188

سرولین مینیر سید حسنین: 0333-3285269

محمد شہزاد خان: 0333-2256789

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

63-C فیئر II، بکسٹیشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ۔ کراچی

اور اس کے بعد ہر آؤ، کام ہے تم سے کوئی۔“

”یہیں بتاؤ امی جان، باہر تانی ہوتی ہیں اس وقت اور وہ مجھے بہت بری لگتی ہیں۔“ میں نے منہ بسورا۔ ”ایسے نہیں کہتے بیٹا۔“ انہوں نے سرزنش کی۔

”کیا کام ہے؟“ ”باہر برآمدے میں بیٹھ کر ہالہ کو پڑھائی میں مدد کرو۔ اس کا استاد بیمار ہے اور کوئی دن سے نہیں آ رہا۔ اس کے امتحان نزدیک ہیں، اسے کچھ مدد چاہیے۔“

”انے نہیں بھیج دیں، میں اسے یہاں بیٹھ کر زیادہ سکون سے پڑھا سکوں گا۔“ میں نے کہا۔ ”اماں اسے یہاں نہیں بھیجیں گی، انہیں اس کو ہر وقت اپنی نظر کے سامنے رکھنے کی عادت ہے۔ اس کے استاد کے ساتھ بھی تمہاں نہیں بیٹھنے دیتیں۔“

”میں اس کا بھائی ہوں امی جان..... استاد نہیں۔“ میں نے بھائی پر زور دے کر کہا۔ ”استاد پر تو تانی کو نظر رکھنا بنتا ہے مگر میں یوں بھی تانی کے سامنے میں اسے نہیں پڑھا سکوں گا۔ تانی کی نظر.....“

”بری بات ہے بیٹا، وہ تمہاری ماں کی ماں ہیں۔ اگر تم اپنی ماں کا احترام کرتے ہو تو اس کی ماں کی عزت اس سے بھی بڑھ کر واجب ہے۔“ امی جان نے فوراً مجھے گھر کا۔ میں نے ان سے معذرت کی مگر ساتھ ہی انہیں یہ بھی کہا کہ وہ تانی کو بھی سمجھائیں، میں اب بچہ نہیں، ایک نوجوان لڑکا ہوں۔ ”چلو کچھ دن کی بات ہے، اس کے بعد تو ہمیں چلے ہی جانا ہے۔“ انہوں نے مجھے دلاسا دیا تھا۔ میں قید میں سڑتے ہوئے کسی قیدی کی طرح، اپنی رہائی کے دن گننے لگا تھا۔

☆☆☆

”تم کون سے کالج میں داخلہ لو گے حبیبی؟“ محبت نے مجھ سے پوچھا تھا۔

”میں نے تو ابھی تک اس کے بارے میں کچھ نہیں سوچا۔“ میں نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ میں کالج میں داخلے کے وقت پاکستان میں ہی نہ ہوں۔“

”اچھا؟ کہاں ہو گے تم؟“ اس نے حیرت سے سوال کیا۔

”میرے ابا آ رہے ہیں، وہ ہمیں ساتھ لے



”تمہاری خوشی کی وجہ سے آنسو نکل آئے۔“ محبت نے اپنے ہاتھ کی پشت سے مل کر آنسوؤں کو صاف کیا۔  
”میں آؤں گا تم لوگوں سے ملنے۔“ میں نے انہیں تسلی دی۔  
”پردیس جانے والے، کم ہی لوٹ کر آتے ہیں میرے دوست۔ میں بھی وہاں کی ہراساں کرکشی اپنے گھر سے ملنے لگی۔“ وہ بھاری لہجے میں بولا تھا۔  
”ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ یہ میرا تم دونوں سے عہد ہے، میں آؤں گا اور صرف تم دونوں کے لیے آؤں گا۔“ میرے محکم لہجے سے متاثر ہو کر وہ دونوں مجھ سے لپٹ گئے۔ ”اچھا تم دونوں بتاؤ کہ کس کس کالج میں داخلہ لے رہے ہو؟“ میں نے ان کا موڈ تبدیل کرنے کو ان سے سوال کیا۔ اہل کار ارادہ تو گورنمنٹ کالج میں داخلہ لینے کا تھا مگر اس کے لیے کڑی شرط یہ تھی کہ اس کے نمبر اتنے اچھے آجائے کہ اسے وہاں میرٹ پر داخلہ مل جاتا۔ محبت کا ارادہ ایک کیڈٹ کالج میں جانے کا تھا، بڑے نام والا وہ کالج، جہاں نوجوانوں کے خوابوں کی دنیا تھا۔ وہاں پینشن کے لیے میرٹ اور بھی زیادہ تھا اور اس کے علاوہ عام گھرانوں کے لڑکوں کے لیے وہاں داخلہ ہو جانا ناممکنات میں سے تھا۔ وہاں کا داخلہ کا ٹیسٹ اور معیار بہت بلند تھا۔  
”دعا کرو کہ میرے نمبر اتنے اچھے آجائیں کہ کیڈٹ کالج والے مجھے خود وہاں داخلے کی دعوت دیں۔“ اس نے کہا۔ ”تم بھی اگر لندن نہ جاتے تو میرے ساتھ ہی اسی کالج میں ہم دونوں کا داخلہ ہو جاتا۔“ اس نے میرا ہاتھ بے اختیار ہو کر پکڑ لیا۔  
”میرے پاس کون سی کوئی سفارش ہے یا میرا کوئی مضبوط خاندانی پس منظر۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔  
”کیوں نہیں ہے، بھائی نہیں ہو تم میرے؟“ میں اس کے کہنے پر اس کے گلے لگ گیا۔ مجھے دل سے دکھ ہو رہا تھا کہ میں ان پیارے، پیارے دوستوں کو ہمیشہ کے لیے کھودوں گا۔ میں ان سے وہ وعدہ کر رہا تھا، جس کے وفا کرنے کا مجھے خود بھی یقین نہ تھا۔ اٹھارہ سال کا اب ہونے کو تھا اور جب سے اس قابل ہوا تھا کہ یادیں ذہن میں محفوظ رکھیں، کم از کم پچھلے پندرہ برس سے میں

ماہنامہ پاکیزہ۔ دسمبر 2022ء

نے ابا کو نہیں دیکھا تھا، نہ ہی ان کی طرف سے مجھ سے کسی نوعیت کا رابطہ ہوا تھا۔ جانے وہ مجھے پاکستان آنے دیں کہ نہیں؟ پوچھیں گے کہ مجھے کس سے ملنے جانا ہے وہ خود اتنے برس تک خود سے ہلکے رشتوں سے منکسر رہے تھے تو ان کی نظر میں میرے دوستوں کی بھلائی اہمیت ہوتی۔  
”میری دعا ہے کہ صرف تمہارا ہی نہیں بلکہ اہل کار بھی داخلہ اپنی خواہش کے مطابق ہو جائے، جہاں اچھا تم لوگ چاہتے ہو۔“ دونوں نے بے آواز بلند آئین کہا۔  
☆ ☆ ☆  
نتیجہ آنے میں چند ہی دن باقی تھے، اس روز میں سویرے اٹھا تو امی جان نے کہا کہ ناشتے کے بعد میں ٹھیک سے تیار ہو جاؤں اور اپنا کچھ ضروری سامان بھی ہمراہ لے لوں۔ میرے سوال پر انہوں نے بتایا کہ ابا پاکستان پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے ہمیں بلایا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ ہم اس گھر کو مستقل چھوڑ رہے تھے۔  
”نانی بھی ساتھ جائیں گی؟“ میں نے سوال کیا۔  
”نہیں۔۔۔ مگر ہم نانی کو دیکھنے پہنچ آتے ہیں گے۔“ ہم کیوں نانی کو دیکھنے آئیں گے؟ میں نے حیرت سے پوچھا۔  
”کیونکہ نانی میری ماں ہیں اور وہ یہاں تنہا ہوں گی۔“ جب ہم لندن چلے جائیں گے، تب بھی تو نانی تنہا ہوں گی۔“ میں نے کہا۔  
”جانے سے پہلے مجھے ان کا کوئی انتظام کرنا ہو گا۔“ امی جان نے کہا۔ ”فی الحال وہ کروڑوں کا ہے۔ آج دوپہر کے کھانے پر تمہارے ابا آئیں گے، اس کے بعد ہم ان کے ساتھ ان کے گھر چلے جائیں گے۔“ سامان کیا تھا میرا، چند کپڑے، اسکول کے بیگ کی بھی ضرورت نہ تھی کہ اب اسکول ختم ہو گیا تھا۔ وہاں جب میں کالج جاؤں گا تو ابا مجھے نیا ٹیکہ لے دیں گے۔ اچھے کپڑے بھی لے کر دیں گے، انہی جیالوں میں اپنی تیاری کر کے ابا کا انتظار کرنے لگا۔ سب سے پہلے تو مجھے ابا سے یہ پوچھنا تھا کہ انہیں کبھی میری یاد نہیں آئی، انہوں نے کبھی مجھے خلو بھی نہیں لکھا۔ اس وقت فون تو نہیں تھے

مگر کوئی تو ذریعہ تھا، جس سے ان کا امی جان سے رابطہ تھا۔  
دوپہر کے کھانے کی خوشبو میں پونے بجے تک پھیل رہی تھیں، اس روز بہت ہی خاص کھانا پک رہا تھا۔ میں ان کا انتظار اتنی شدت سے کر رہا تھا کہ مجھے اپنے نتیجے کا انتظار بھی بھول گیا تھا جس کے لیے میں ایک دن انکلیوں پر کھنکھاتا تھا۔  
میانہ قد، سفیدی میں کھلی ہوئی گلابی رنگت، تھوڑا فریہ جسم، آنکھیں شفاف اور چمکیں۔ ان کے داخل ہوتے ہی مجھے اندازہ ہوا کہ یہ گھر ان کے شاہان شاہان نہیں تھا۔ وہ اس گھر میں یوں لگ رہے تھے جیسے کسی غریب کے جھوپڑے میں رکھا ہوا قیمتی چادنی گلدان۔ اس وقت مجھے اس سے بہتر کوئی اور ٹھکانہ نہیں سوجھی تھی۔ نانی نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا، امی جان نے فقط منہ سے سلام عرض کیا تھا۔ امی جان اس وقت ہلکے سے رنگ کے لباس میں تھیں، ان کی ناک کا میرا اہل روز زیادہ چمک رہا تھا، ایک شرمیلی سی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر تھی۔  
”یہ بالہ ہے۔“ امی جان نے کہا تو انہوں نے مسکرا کر اس کے سر پر اپنا دست شفقت رکھا۔  
”یہ غیور ہے، میرا مطلب ہے، حبیب اللہ! امی جان نے میرا تعارف کروایا۔“ اس نے اپنا نام تبدیل کر لیا ہے۔  
”اوہ، اوکے۔۔۔ کیسے ہو یک بوائے؟“ انہوں نے اپنا خوب صورت ہاتھ میری طرف بڑھایا، میں نے عقیدت سے اس ہاتھ کو تھما، سوچا کہ وہ مجھے گلے لگا لیں گے، پہنچ کر کہیں گے کہ انہوں نے اتنے سال تک مجھے بہت مس کیا۔ بالہ سے بھی وہ اسی سرسری انداز میں ملے تھے مگر وہ تو جوانی کی سرحد پر کھڑی ایک لڑکی تھی، بیٹی ہونے کے باعث، اسے گلے لگانے میں۔۔۔ فطری جھجک مانع تھی مگر میں تو لڑکا تھا، ان کے قد سے کہیں اونچا، نو جوان۔ کیا انہیں نہیں لگا کہ انہیں مجھ سے گلے ملنا چاہیے تھا۔ میں خود ہی آگے بڑھا کہ ان سے گلے ملوں مگر ان کی طرف سے پیش رفت نہ ہوئی اور میں ان کے ایک کندھے سے جڑ کر بیٹھ گیا۔ ان کے انداز

## محبت چار حرف

میں ذرا بھی وارنٹی نہ تھی۔  
یہ ابا تھے میرے؟ کھانا کھاتے ہوئے بھی میں کھانا کم کھا رہا تھا اور انہیں زیادہ دیکھ رہا تھا، میری محدودی انہیں دیکھنے کے بعد اور بھی بڑھ گئی تھی۔ وہ کتنی نفاست سے کھانا کھا رہے تھے، مجھے وہ اپنے انداز سے ہی کوئی بہت بڑے آدمی لگ رہے تھے۔ میں ان کے ساتھ رہتا، ان کے ذریعے سناہ پرورش پاتا تو میری شخصیت کتنی مختلف ہوتی۔ میں اس طرح کا ایک دوسرا لڑکا نہ ہوتا بلکہ میں ایک پُر اعتماد نو جوان ہوتا۔  
”سامان تیار ہے تمہارا؟“ ابا کی آواز آئی۔  
”جی ہاں!“ میں نے فوراً کہا۔ ”جی ابا سامان تیار ہے۔“  
”میں نے تم سے نہیں پوچھا۔“ انہوں نے فوراً کہا۔ ”میں تمہاری امی سے پوچھ رہا ہوں۔“  
”جی، ہم تینوں کا سامان تیار ہے۔“ امی جان نے کہا۔  
”فی الحال تو تم اور بالہ چلوکی میرے ساتھ، ان لڑکے کو میں چند دنوں میں بلا لوں گا۔“ انہوں نے انکشاف کیا تو میرا جسم سن ہونے لگا۔ وہاں کے حالات تم لوگوں کے لیے کچھ زیادہ موافق نہیں ہوں گے۔ وہ میرے بیٹے۔۔۔ تم سمجھ رہی ہوں؟“ انہوں نے نامکمل ہی بات کی۔  
”تو ان کے۔۔۔ میرے علاوہ بھی بیٹے تھے، بیٹیاں بھی ہوں گی شاید، اس کا مطلب ہے کہ اور بیوی بھی ہوگی اس گھر میں جہاں جانے کے لیے ہم سامان باندھے بیٹھے تھے۔“  
”ہم کون سا ان کے ساتھ ایک ہی چار دیواری میں رہیں گے؟“ امی جان نے کہا۔  
”بچ کی دیوار تو ایک ہی ہے ناں، چار دیواری سے چار دیواری جڑی ہے، وہ ہمیں تنگ کرنے کو اسے کوئی نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔“ ابا نے امی جان کو سمجھانے کی کوشش کی۔  
”مگر یہ یہاں تنہا کیسے رہے گا؟“ امی جان نے کہا۔  
”اسے تو آپ کا سب سے زیادہ انتظار تھا۔“  
”تمہا کیوں ہوگا، امی نانی کے پاس ہوگا اور پھر کہا ہے کہ ابھی فوری طور پر بالخصوص اس کے لیے حالات موافق نہیں ہوں گے۔ چند دن میں میں اسے بھی لے ماہنامہ پاکیزہ۔ دسمبر 2022ء



جاؤں گا۔“ انہوں نے ذرا ترش لہجے میں کہا۔  
”تو پھر میں ان دونوں کو نہیں چھوڑ دیتی ہوں،  
جب آپ کو لگے کہ حالات موافق ہیں اس وقت ہم ان  
دونوں کو ساتھ لے جائیں گے۔“ امی جان نے کہا۔  
”خدمت کرو۔۔۔۔۔“

”تم اپنے اپنے کمرے میں جاؤ۔“ امی جان نے  
ہم دونوں سے کہا۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ کھڑا ہوا،  
میں سننا چاہتا تھا کہ ان دونوں کے بیچ کیا بات چیت ہوئی  
ہے اور اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ ہالہ اور میں ایک ساتھ اس  
کمرے سے نکلے تھے۔

”تمہاری وجہ سے مجھے بھی ابا کے ساتھ رہنا نصیب  
نہیں ہو گا، تم ہمیشہ کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا کر دیتے ہو۔“  
اس کے لہجے میں میرے لیے نفرت تھی۔ میں حیرت سے  
سوچ رہا تھا کہ کب میں نے اپنی اس پیاری سی بہن کے  
لیے کوئی مسئلہ کھڑا کیا تھا۔

”اس سے کہیں بہتر تھا کہ میں بیس سال پہلے ہی  
عقل سے کام لیتا، تم سے شادی کرنا کون سا اتنا ضروری  
تھا، جو چیز پیسے سے میرا ہوجائے، اس کے لیے..... وہ  
بولتے، بولتے چپ ہو گئے جیسے انہیں کوئی بھوت نظر آ  
گیا ہو۔ انہیں روانہ ہوتے دیکھ کر میں اپنے کمرے سے  
انہیں خدا حافظ کہنے کے لیے نکل آیا تھا۔ امی جان کو بھی تو  
خدا حافظ کہنا تھا۔ جانے ہالہ کے بارے میں کیا فیصلہ ہوا  
تھا۔ امی جان ان کے پیچھے، پیچھے کمرے سے نکلیں مگر  
انہیں کوئی جواب نہ دیا کیونکہ انہوں نے مجھے دیکھ لیا تھا۔  
”خدا حافظ ابا جان، خدا حافظ امی جان!“ میں نے  
کہا۔

”میں یہیں ہوں، چند دن میں ہم تینوں اکٹھے  
جائیں گے تمہارے ابا جان کے پاس۔“ امی جان نے  
کہا۔ میرے دل میں کبھی سی خوشی اتری کہ اگر میں نہیں  
جارا ہوتا تو کوئی بھی نہیں جا رہا تھا۔ ان دونوں کے نہ  
جانے کی خوشی، اپنے نہ جانے کے غم برہادی ہو گئی تھی۔  
”کب جائیں گے ہم امی جان؟“ میں نے  
اشتیاق سے سوال کیا۔

”میں اگلے ہفتے آؤں گا تم لوگوں کو ساتھ لے کر

جانے کے لیے۔“ خدا حافظ کہہ کر وہ تو نکل گئے مگر اس  
صحن میں ان کی خوشبو رہ گئی۔ ان کے وجود سے کتنی پیاری  
اور تھنی، تھنی خوشبو اٹھتی تھی۔

”میری وجہ سے آپ بھی ساتھ نہیں جاسکیں امی  
جان۔“ میں ان سے لپٹ گیا۔

”میرے لیے تم سب سے بڑھ کر اہم ہو حبیب۔“  
ان کے منہ سے تو حبیب اور بھی سوہنا لگا تھا۔ میں ان  
سے لپٹ گیا۔

”وہ کچھ عجیب سی باتیں کر رہے تھے امی جان، ان  
کے اور بھی بچے ہیں؟“ میں نے سوال کیا۔

”ہاں، ان کے سات بچے اور بھی ہیں۔“ امی  
جان نے کہا۔

”ارے امی جان، اتنے زیادہ بہن بھائی ہیں  
ہمارے اور ہم ہمیشہ ایسے رہے ہیں جیسے ہمارا کوئی رشتے  
دار ہی نہ ہو۔ کہاں ہیں ہمارے بانی بہن بھائی؟“

”اس کے بارے میں مجھ سے کچھ بھی سوال مت  
کرنا، میں جب مناسب سمجھوں گی تو تمہیں سب کچھ بتا  
دوں گی۔“ انہوں نے جتنی لہجے میں کہا۔ ”مئی الحال جو بتایا  
ہے، اتنا کافی ہے۔“

”دیکھا، میں نے کہا تھا ناں کہ تمہاری وجہ سے ہی  
سارے مسئلے پیدا ہوتے ہیں۔“ ہالہ اپنے کمرے سے  
نکل آئی تھی۔

”ہالہ..... تمیز سے بات کرتے ہیں بڑے بھائی  
سے!“ امی جان نے اسے سرزنس کی۔

”اس سے بہتر تھا کہ آپ مجھے ابا کے ساتھ بھیج  
دیتیں۔“ وہ پیر سختی واپس اپنے کمرے میں چلی گئی۔

”اس کے بعد میں بھی پڑھائی میں اس کی مدد نہیں  
کروں گا۔“ میں بڑبڑایا۔

”یوں ہر بات پر فوری رد عمل دینا ٹھیک نہیں ہوتا  
بیٹا۔“ امی جان نے کہا۔ ”زندگی بڑی، بڑی چٹھنیاں دیتی  
ہے، ہر بات کا یوں جواب دینے لگیں تو مسائل بڑھ  
جاتے ہیں۔“

”تو آپ کو لگتا ہے کہ سارے مسائل میری وجہ  
سے ہی ہیں، جو میں اس کو جواب بھی نہیں دے سکتا؟“

میں نے بندہ بسور۔  
”ہالہ ایک کمرے میں اور جذباتی لڑکی ہے، تم ایک  
بھدرارو جوان ہو۔“ کمرے کی بات کا بہترین جواب،  
خاموشی ہوتی ہے۔

☆☆☆  
چند دن کے بعد، ہم تینوں ابا کے ساتھ ان کے گھر  
چلے گئے۔ ان کا گھر تھا محل، میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی  
رہ گئیں۔ باپ کا اتنا بڑا گھر ہوتے ہوئے بھی ہم کتنی  
خستہ حالت والی حویلی میں رہ رہے تھے۔ اس گھر کے  
ڈرائیوے میں ابا کی گاڑی کے علاوہ تین اور گاڑیاں بھی  
کھڑی تھیں۔ اتنی گاڑیاں تو محبت اللہ کے گھر میں بھی  
نہیں تھیں۔ میں اب محبت اللہ کو بتا سکتا تھا کہ میرے ابا  
کے پاس اس کے ابا سے زیادہ گاڑیاں ہیں اور وہ سرکاری  
بھی نہیں۔ جس گاڑی میں ہم ابا کے ساتھ سوار تھے،  
اسے ڈرائیور چلا رہا تھا، اس کے ساتھ کی نشست پر میں  
بیٹھا تھا اور عقبی نشست پر ابا کے ساتھ امی جان اور ہالہ  
تھیں۔ گیت سے اندر داخل ہو کر سامنے والے ڈرائیو  
سے نکل کر گاڑی اس عقبی حصے کی طرف چلی جس  
طرف اس گھر کی اینکسی تھی۔ اس کے سامنے جا کر گاڑی  
رکی اور ڈرائیور نے باہر نکل کر ابا کی طرف کا دروازہ  
کھولا۔ ابا باہر نکلے تو ان کے بعد درمیان میں بیٹھی ہوئی  
امی جان نے ان کی تھلید کی۔

ہالہ بھی اتنی طرف کا دروازہ کھول کر نکلے اور اسی اثنا  
میں ڈرائیور گھوم کر آ کر میری طرف کا دروازہ کھول کر  
کھڑا تھا۔ میں کسی معمول کی طرح باہر نکلا، اس اعزاز پر  
ڈرائیور کا شکریہ بھی ادا کرنا بھول گیا تھا۔ آگے ابا، ان کی  
تھلید میں امی جان اور ان کے پیچھے، پیچھے ہالہ اس اینکسی  
کی طرف جا رہے تھے اور میری نظر پلٹ، پلٹ کر اس محل  
کو دیکھ رہی تھی جس پر پہلی نظر پڑتے ہی میں خود کو دنیا کا  
خوش قسمت ترین انسان سمجھنا شروع ہو گیا تھا۔ ایک ہی  
لمحے میں میری سوچ میں تباہی مچا کر آ گیا تھا۔ سب لوگ  
خاموشی سے چل رہے تھے..... جیسے خاموشی ٹوٹی تو یہ منظر  
لوٹ جائے گا۔

”اس گھر میں رہیں گے ہم، اس بڑے والے میں

## محبت چار حرف

کیوں نہیں؟“ اندر داخل ہوتے اور ڈرائیور کے باہر ہی  
رک جانے پر میں نے اس غلیم کو توڑا۔

”وہاں میری دوسری فیملی رہتی ہے۔“ ابا نے مختصر  
ساجواب دیا۔

”دوسری فیملی؟ آپ کے بہن بھائی اور  
والدین؟“ میں نے اگلا سوال کیا۔

”نہیں.....“ وہ رک گئے، ڈرائیور ہم سب کا  
سامان لے کر آ گیا تھا۔ ”اسے ادھر دونوں کمرے میں  
رکھ دو۔“ ابا کے کہنے پر اس نے ہمارے تینوں بیک  
اٹھائے اور چلا گیا۔ ”میری تیسری بیوی اور اس کے بچے  
اور پہلے بیوی سے بچے۔“ ابا کے کہنے پر میرے اور ہالہ  
کے چہرے دیکھنے والے تھے۔ اگر کوئی حیران نہیں ہوا تھا  
تو وہ امی جان تھیں، انہیں یقیناً پہلے سے علم تھا۔

”آپ نے اتنی شادیاں کیوں کیں ابا؟“ میری  
حیرت کو زبان ملی۔

”مجبوریاں، خاندانی مجبوریاں۔ ہمارے ہاں بے  
جوڑ شادیاں کر دی جاتی ہیں کہ خاندان کی زمین اور  
دولت خاندان میں ہی رہے۔“ ابا نے وضاحت کی۔  
”تو پھر امی جان سے کیوں شادی کی آپ نے؟“  
کیا آپ کے خاندان والے اس شادی کے بارے میں  
جانتے ہیں؟“ مجھ میں جانے اتنی ہمت، جرأت کہاں  
سے آگئی تھی۔

”ترنم سے میں نے اپنی مرضی سے شادی کی،  
خاندان والوں نے مخالفت کی مگر مجھے اس کا پہلے سے علم  
تھا۔ ان کی طرف سے شرط عائد کر دی گئی کہ میں ترنم کو بھی  
اس خاندان میں نہیں لے کر آؤں گا اور نہ میری وراثت  
میں اس کا اور اس کی اولاد کا کوئی حصہ ہو گا۔ میری پہلی  
بیوی، میرے تایا کی بیٹی تھی، مجھ سے بہت..... سال  
بڑی، لکھی پڑھی بھی نہ تھی۔ اس کا ایک مختصر عیالات کے  
بعد انتقال ہو گیا، اسی دوران میں ترنم سے شادی کا  
خواہش مند ہوا اور خاندانی مخالفت کے باوجود اس سے  
شادی کر لی۔ پھر خاندان والوں نے دباؤ ڈال کر میری  
شادی میری پہلی بیوی کی سب سے چھوٹی بہن سے کر دی  
تاکہ اس کی وراثت اسی گھر میں رہے۔ ترنم کی مخالفت ہی



کی وجہ سے میں اس خاندان سے کٹ گیا اور ایک وقت ایسا آ گیا کہ میں ہر طرف کے دباؤ سے گھبرا کر لندن چلا گیا اور ایسا کیا کہ پھر لوٹا نہیں، اب یہی بار آیا ہوں اور وہ بھی اس شرط پر کہ خاندان والے میری اور ترم کی شادی کو بھی نہ صرف قبول کریں گے بلکہ اسے میرے ساتھ رہنے کی اجازت بھی دیں گے۔" اہانے ساری بات کی وضاحت کی۔

"آپ کے کتنے بچے ہیں اب اور کہاں رہتے ہیں؟" میں نے سوال کیا، اہی جان نے بتایا تھا کہ ان کے سات بچے اور ترم کے انہوں نے مجھے کوئی تفصیل نہیں بتائی تھی۔ "میرے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں اور ہیں۔ ایک بیٹا اور بیٹی دوسری۔ میرا مطلب ہے کہ تیسری شادی سے اور چار بیٹے اور ایک بیٹی پہلی شادی سے۔ پہلی شادی والے سب عمر میں تم سے کافی بڑے ہیں، شادی شدہ بھی ہیں اور اپنے، اپنے گھروں کے ہیں۔ تیسری شادی والے چھوٹے دونوں بچے ہالہ سے بھی چھوٹے ہیں اور پڑھ رہے ہیں۔"

"آپ کو اہی جان سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی، اگر آپ کا سارا خاندان بھی مخالف تھا اور ان کی طرف سے کوئی شرطیں بھی تھیں۔" میں نے کسی سمجھدار نوجوان کی طرح کہا۔

"ترم کے علاوہ کسی بھی شادی میں میری مرضی شامل تھی۔" اہانے کہا۔

"آپ کی وجہ سے آپ کتنے بچوں اور آپ کی بیویوں نے اتنے سارے برس، تنہائی اور مشکلات کا عذاب سہا ہے اب۔ بچیوں کا تو مجھے علم نہیں مگر میں نے آپ کو ملنے کی چاہ میں کتنے سالوں کا ایک، ایک دن کن کر گزارا۔ سوچ تو یہ ہے کہ محرمیوں نے میری شخصیت کو میری عمر کے باقی نوجوانوں سے کافی کمزور کر دیا۔ یقیناً آپ کے باقی بچے بھی اسی طرح سوچے ہوں گے۔" مجھ میں معلوم نہیں اتنی سمجھ بوجھ کہاں سے آئی تھی۔

"وہ سب خوش ہیں، انہیں میری اتنی ضرورت نہیں۔ رہی بات تم لوگوں کی تو میں اب تم لوگوں کو ساتھ لے جاؤں گا۔" اہانے کہا۔ "میں پوری کوشش کروں گا کہ تمہارا محرمیوں کا ازراہ کر سکوں۔" اہا، کالہ جانا

ہو گیا تھا۔ کیسے ہو سکتا تھا کہ ان کے باقی بچوں کو ان کی محسوس نہ ہوتی ہو، آخر وہ بھی ان کی اولاد تھے۔

"ہر بچے کو مان اور باپ دونوں کی ضرورت ہوتی ہے، اب آپ سوچتے ہوں گے کہ کہیں آپ کی ضرورت نہیں، آپ نے بھی ان سے پوچھا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"حیب۔۔۔۔۔۔ اب اسے یوں بحث نہیں کرتے۔" اہی جان نے اب کے مداخلت کی۔ "چلو اٹھو تم اور ہالہ اٹھ کر ہاتھ منہ دھو، اس کے بعد کھانا کھاتے ہیں۔" لاؤنج میں کھانے کی خوشبو پھیل گئی تھی۔ یقیناً کسی نے کھانا پکایا تھا اور اب اس دم کیے ہوئے کھانے کے دھکن کھلنے سے خوشبو پھیل گئی تھی۔ اہی جان کی حکم عدوی نہیں کی جاسکتی تھی۔

ہم دونوں اٹھے اور اس کارڈ بورڈ کی طرف چلے جہاں سے ٹھوڑی دیر پہلے، ڈائریور سامان رکھ کر نکلا تھا۔ اس کارڈ بورڈ میں، ساتھ، ساتھ دو کدروں کے دروازے تھے۔ ایک ابا اور اہی جان کا ہوگا اور ایک میرا اور ہالہ کا۔ سوچ کر ہی مجھے کوفت ہوئی کہ مجھے اس کے ساتھ ایک ہی کمرے میں رہنا ہوگا۔ خستہ حال اور چھوٹا سا ہی کمرے مگر بانی کے گھر میں میرا اپنا ایک کمرہ تھا۔ ایک کمرے کا دروازہ کھولا تو اس میں ہالہ کا لال رنگ کا بیگ دکھا نظر آیا۔ اس کے بالکل ساتھ، دوسرا دروازہ تھا اور اس میں میرا سیاہ چرمی بیگ تھا۔ اہی جان کا سامان کہاں گیا؟ دل میں اس بات کی خوشی تھی کہ میرا اور ہالہ کا سامان الگ، الگ کدروں میں تھا۔

کھانا کھانے کے دوران علم ہوا کہ اہی جان کے لیے لاؤنج کے دوسرے کمرے پر ایک اور کمرہ تھا جو ان کدروں سے ذرا قاصط تھا۔ کھانا کھا کر ہم اپنے اپنے کدروں میں آ گئے، ابا ہمیں رات کے کھانے پر آنے کا کہہ کر اس بڑے محل میں چلے گئے۔

☆☆☆

ہمارے کدروں کی کھڑکیاں، گھر کی عقبی طرف کو کھلی تھیں نہ کہ سامنے کی طرف۔ اس طرف چند فٹ کے فاصلے پر اس محل نما گھر کی دیوار تھی، اس کے پانچ کچھ بڑے درخت تھے اس لیے کچھ اور نظر نہیں آتا تھا، ٹریک کشتہ فیت ترم، نہ اٹھا تھا کہ ابا، براہ راست

پہلا ہی دن تھا مگر میرے اندر ایک عجیب سی طرف۔ پہلا ہی دن تھا مگر میرے اندر ایک عجیب سی طرف۔ پہلا ہی دن تھا مگر میرے اندر ایک عجیب سی طرف۔ پہلا ہی دن تھا مگر میرے اندر ایک عجیب سی طرف۔

سوال کیا۔ "تم خوش ہو تو میں بھی خوش ہوں۔" انہوں نے ہم سا جواب دیا۔ "میں نے ہالہ سے سوال کیا۔" "تم خوش ہو ہالہ؟" میں نے ہالہ سے سوال کیا۔ "ابھی مجھے علم نہیں۔" اس نے ہمیشہ جانتا نہیں۔۔۔۔۔۔

کی طرح روکھا سا جواب دیا۔ "میں اسی لیے تو آتا نہیں جا رہی تھی یہاں، میں سب حالات کو جانتی ہوں اور سمجھتی تھی کہ یہاں آ کر اپنی ناندی اور بے وقفی کو محسوس نہ کیا جائے۔ تمہارے ابا کے علاوہ، کوئی بھی ہمارے لیے خوش ہے اور نہ ہی کسی کو شوق ہے ہم سے ملنے کا۔"

"یہ بات اگر آپ یہاں آنے سے پہلے بتا دیتیں تو میں کبھی بھی یہاں آنے پر اصرار نہ کرتا۔" میں نے دکھ سے کہا۔

"انسان اپنی آنکھ سے جب تک دیکھ نہ لے، وہ کسی کے کہنے پر یقین نہیں کرتا۔" اہی جان نے حقیقت بتائی۔ "آپ کہیں تو ہیں سو فیصد یقین کر لیتا اہی جان۔" "نہیں بیٹا، تم بھی یقین نہ کرتے۔ میں تمہاری ماں ہوں، تمہیں مجھ سے بہتر شاید کوئی بھی نہ جانتا ہو۔" انہوں نے کہا۔ "اس خطرناک عمر میں یہ یقین کرنے کے لیے کہ آگ جلاتی ہے، آگ میں کودنا ہی پڑتا ہے۔" وہ غلامیوں دیکھ رہی تھیں۔ "اسی عمر میں، اماں کے یہ کہنے کے باوجود کہ اس خاندان میں مجھے بھی قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی میری یعنی اماں کی حیثیت اور مرتبہ مانا جائے گا، میں نے ان کی مخالفت مول لی اور شادی کر لی۔"

سوال اور بھی گزر جائیں تو اس انگلی سے اٹھ کر اس گھر میں رہنے کے لیے تو دور کی بات، چند گھنٹوں کے لیے بھی نہیں جاسکتے۔ تمہارے ابا جان نے اس بات کی قسم دی ہوئی ہے، میرا دل دکھ سے بھر گیا کہ اہی جان نے کتنے کھانے کا سودا کیا تھا۔

## مصبت جاوہر

اہی جان نے چار دن کے بعد پروگرام بنایا کہ ہم دو ایک دن کے لیے نانی کے ہاں سے ہو کر واپس آ جائیں گے۔ میں نے اپنا سارا سامان سیٹ لیا اور جب ڈرائیور ہمیں وہاں چھوڑنے کے لیے لے کر نکلا تو میں نے اس محل کے پورے سے گزرتے ہوئے، الوداعی نظر اس محل اور ان گاڑیوں پر ڈالی۔ کوئی اور بے شک آئے مگر مجھے اس گھر میں لوٹ کر نہیں آتا تھا، نانی کی گھوریاں اور چڑکیاں برداشت کر سکتا تھا، ان کا سامنا نہ کرتا تو ان سے بچ بھی سکتا تھا مگر یہ جو میرے سینوں کا محل مسما ہوا تھا، اس کا سامنا میں خود آئینے میں ہی نہیں کر پا رہا تھا۔ نانی تو ہم تینوں کو دیکھ کر محل اٹھیں۔ زندگی میں پہلی بار انہوں نے مجھے کسی گالی تمنا نام سے نہیں پکارا تھا۔۔۔۔۔۔ شاید وہ اب مجھے اپنے گھر میں چند دن کا مہمان سمجھتی تھیں یا پھر میرے نہ ہونے سے انہیں میری قدر معلوم ہوئی تھی۔

اہی جان سے تو گلے ملیں اور ہالہ کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ پھر مجھے اپنے پاس بلایا، میں ڈرتے ڈرتے پاس گیا اور ان کے تخت پر بیٹھ گیا۔ "کیا بات ہے نانی؟"

"مجھے گالی دیے بغیر میری زبان کو ڈنگ ہی لگ گیا تھا، بد معاش کہیں کے۔" اس کے ساتھ ہی انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لپٹا لیا اور لگیں آنسوؤں سے رونے لگی۔ "بس کریں نانی، رلائیں گی کیا مجھے بھی۔" میں نے خود کو ان سے علیحدہ کیا اور ان کی آنکھوں کو ان کے دوپٹے سے صاف کیا۔

"اللہ ہی حیاتی دے تجھے، پھر چلا جائے گا، مجھے اداس کر کے۔"

"میں کہیں نہیں جا رہا نانی، یہیں رہوں گا۔" کہہ کر میں اٹھا اور اپنے کمرے میں اپنا بیگ رکھنے کو گیا۔ مڑ کر نانی کا چہرہ دیکھا جو میری اس بات پر مکرر ہاتھ

☆☆☆

"تم لوگ یہاں کیسے؟" حیرت سے زیادہ میرے سر پر اس بات کی شرم سوار تھی کہ انہیں علم ہو جائے گا کہ میں ایک طوائف کا بیٹا ہوں۔ "میرے گھر کا پتا کہاں سے ملا تم دونوں کو؟" اجمل اور محبت اللہ کو دیکھ کر خوشی کے بجائے مجھ پر اپنا راز عیاں ہو جانے کا خوف سوار تھا۔

دسمبر 2022ء



نہلتا، باتال میں ہوتا تو بھی ہم ڈھونڈ لیتے۔“ محبت اللہ نے کہہ کر ایک لٹو میرے منہ میں ٹھونسا، یہ اسی ڈبے سے نکلا تھا جو وہ اپنے ہمراہ لائے تھے۔ ”لٹو کھا میرے یا، میرا دل تو خوشی سے تاج رہا ہے۔“ وہ دروازے سے مجھے دھکیل کر اندر داخل ہوئے تو سامنے نانی کا تخت تھا اور اپنے کمرے سے اسی جان اور ہالہ بھی نکل آئی تھیں۔ وہ سب حیرت سے کبھی مجھے اور کبھی ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔

”کون ہیں یہ بیٹا؟“ نانی نے اس طلسم کو توڑا۔

”نانی جان.....“ محبت اللہ نے کہا، وہ طرز خطاب جو ہالہ کا تھا، میں نانی کو اپنی عزت سے کبھی نہیں بھلا سکا تھا، اس کی وجہ ان کا میرے ساتھ ناروا سلوک ہی تھا۔ ”آئی!“ ان نے اسی جان کو دیکھا اور ان کے ساتھ کھڑی ہالہ کو بھی۔ ”آپ کے نواسے، آپ کے بیٹے اور آپ کے بھائی نے.....“ اس نے ان تینوں کی طرف باری، باری دیکھ کر انہیں مخاطب کیا۔ ”پورے بورڈ میں، میٹرک میں پہلی پوزیشن لی ہے۔ کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیے ہیں، اسکول کو اور ہمیں اس پر فخر ہے، آپ لوگ منہ بیٹھا کریں۔“ اس نے آگے بڑھ کر مٹھائی کا ڈبا پہلے نانی پھر امی کے سامنے کیا اور اس کے بعد پورا ڈبا ہالہ کو پکڑا دیا۔

”آپ لوگ خود بھی تو مٹھائی کھائیں اپنے دوست کی عظیم الشان کامیابی پر۔“ ہالہ نے محبت کے ہاتھ سے ڈبا پکڑ کر اسی کے سامنے کر دیا۔ دونوں نے ایک، ایک لٹو اٹھا کر ہالہ کا شکریہ ادا کیا۔ اسی جان نے فرط مسرت سے مجھے گلے لگا لیا، میں نانی کی طرف بڑھا کیونکہ وہ اپنے تخت سے اٹھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ انہوں نے میری بلائیں لیں، اپنے دوپٹے کے پلوں سے گرہ کھولی ایک نوٹ نکالا، اسے میرے سر پر سے وارا اور غفور چاچا کو آواز دے کر اسے کہا کہ کسی مانتے دانے کو دے، دے۔

”آپ دونوں بیٹھو بیٹا۔“ اسی جان نے کہا۔ ”میں چائے بناتی ہوں اور ساتھ پکڑے بھی۔“

”واہ آئی، بن کر ہی منہ میں پانی آ گیا۔“ محبت نے کہا اور اچھلنے سے اس کی تائید کی۔

”سے ہمارے ماسٹر صاحبان اور ہیڈ ماسٹر بھی آئیں گے، ان کا چھٹی والے دن آنے کا ارادہ ہے اور ہماری تو آج کل ہر روز چھٹی ہے اور اخبار والے بھی آئیں گے اس کا انٹرویو کرنے کے لیے۔“ محبت بتا رہا تھا اور میرا جسم مزید سُن ہو رہا تھا۔ کیا منہ دکھاتا میں ان سب کو کیا، یہ جگہ اس قابل ہے کہ لوگوں کو اس کے ساتھ میرے تعلق کا علم ہو۔

☆☆☆

”مجھے تو اتنے سال تک علم ہی نہیں تھا کہ میرا تعلق اس دنیا سے ہے، انتہائی شکر ہے کہ میں ایک جائز اولاد ہوں مگر اس کو ٹھٹھے پر رہنا اور اپنی ماں کا پیشہ..... میرے لیے باعثِ ندامت ہیں، میں کم دونوں سے تو اپنے دل کی بات کر سکتا ہوں مگر کسی اور کو کیسے سمجھاؤں، ماسٹر صاحب کو، ہیڈ ماسٹر کو اور اخبار والوں کو۔ اخبار والوں کے لیے میری کامیابی سے بڑی خبر یہ ہوگی کہ ایک طوائف کا بیٹا.....“ میں ان دونوں کے ساتھ بات کرتے کرتے بچوں کی طرح رونے لگا۔

”تم فکرنہ کرو، تمہیں اس شرمندگی سے بچنا میری ذمہ داری ہے۔“ محبت نے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا اور میری دلجوئی کرنے لگا۔

”کیسے؟ کس طرح تم یہ سب کچھ مشہور ہونے سے روکو گے، اس سے نہیں بہتر ہے کہ تم دونوں میرا اتنا ہنس کی کوڑ دو۔“

”تمہارا چاچا تو اسکول کے ریکارڈ میں ہے، ہم نے بھی وہیں سے لیا ہے۔ اچھل کو اس کا کچھ اندازہ تھا مگر اتنے بڑے علاقے میں، اندازے کی بنیاد پر تمہیں نہیں ڈھونڈا جاسکتا تھا۔“ میں یہ سوچ کر اور بھی پریشان ہو گیا کہ میرے گھر کا پتا کوئی بھی اسکول سے لے سکتا ہے۔ محبت نے کہا تھا کہ میں فکرنہ کروں مگر میں کیسے فکرنہ کرتا۔ اسکول کی طرف سے دعوت نامہ لے کر محبت ہی آیا تھا۔ اسکول میں میرے اعزاز میں ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا، یہ تقریب اسکول کی طرف سے تھی، محبت کے والد مہمان خصوصی تھے اور تقریب میں مجھے اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ مدعو کیا گیا تھا۔ محبت نے کتنی خوب صورتی

”اخاری نمائندے وہیں تمہارا انٹرویو کر لیں گے۔“ اس نے مزید بتایا۔ ”اس نے تمہارا شکر ادا کرنے کے لیے الفاظ ”میرے پاس تمہارا شکر“ لکھ دیے تھے۔“ اب میں نے اس سے انگریزی میں کہا تھا۔ اب نہیں ہیں۔“ میں نے پریش کر رہا تھا، محبت تو اکثر اوقات میں انگلیٹ جانے کی پریکٹس کر رہا تھا، اس کے گھر میں اردو کی صحت، دینے بھی انگریزی بولتا تھا، اس کے گھر میں اردو کی صحت، انگریزی زیادہ بولی جاتی تھی۔ وہ فرخزادہ بڑی بولتا تھا اور

”اب بتاؤ تم اس میں اس کی نقل کرتا۔“ میں اپنی پریکٹس میں، اسی کے لب و لہجے کی نقل کرتا۔ ”یو آر ویلکم، مائی ڈیر۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”اب بتاؤ تم اس میں اس کی نقل کرتا۔“ میں اپنی پریکٹس میں، اسی کے لب و لہجے کی نقل کرتا۔ ”یو آر ویلکم، مائی ڈیر۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔

”میں اپنے اسکول کا یونیفارم پہننے میں فخر محسوس کرتا گا۔“ میں نے خود ہی اپنے مسئلے کا حل ڈھونڈ لیا تھا۔ ”کیونکہ میرے پاس اس تقریب کے شایان شان..... اور کوئی لباس نہ تھا۔ محبت نے اس سے اتفاق کیا۔

”میں نے اس سے اتفاق کیا۔“

”میں نے اس سے اتفاق کیا۔“

”میں نے اس سے اتفاق کیا۔“

”میں نے اس سے اتفاق کیا۔“

”میں نے اس سے اتفاق کیا۔“

”میں نے اس سے اتفاق کیا۔“

”میں نے اس سے اتفاق کیا۔“

”میں نے اس سے اتفاق کیا۔“

”میں نے اس سے اتفاق کیا۔“

”میں نے اس سے اتفاق کیا۔“

”میں نے اس سے اتفاق کیا۔“

”میں نے اس سے اتفاق کیا۔“

”میں نے اس سے اتفاق کیا۔“

”میں نے اس سے اتفاق کیا۔“

”میں نے اس سے اتفاق کیا۔“

”میں نے اس سے اتفاق کیا۔“

”میں نے اس سے اتفاق کیا۔“

”میں نے اس سے اتفاق کیا۔“

”میں نے اس سے اتفاق کیا۔“

## کنہار کے پار

ملن کی آس میں دو ٹوٹے ہوئے دلوں کی  
دلگداز داستان..... آخری صفحات پر  
یعقوب بھٹی کے قلم کا جادو

## داستان دلستان

ماضی کا آئینہ، با اختیار اور بے اختیار انسانوں کے سبق آموز  
اور بہتر آئینہ واقعات اے آراجپوت کا شاہکار  
شہ زور

عشق و محبت کے سحر انگیز جذبوں کی جنوں خیزی، لطیف رشتوں اور  
کیف سازشوں کے جال اسما قادری کے قلم کا کمال

## جنگ باز

محاشرتی ناسوروں اور درندوں کی خون ریز سازشوں  
اور زخم خیز ہونے والے ایک جنگ بازی دلگداز داستان  
ڈاکٹر عبدالرب بھٹی کے قلم کی جادوگری

دسمبر 2022ء کا شمار ایک نظر میں

فلسفہ کا انہیں کا مجموعہ

سینسٹ

لکھنؤ

مزید

ظہور کی تحفہ

اور

میرزا علی بیگ کی لیلیٰ اور کاکر

اور

میرزا علی بیگ کی لیلیٰ اور کاکر

اور

میرزا علی بیگ کی لیلیٰ اور کاکر



ای جان کو ایک نہیں بلکہ کئی مردوں کے ساتھ دیکھا تھا، مختلف اوقات میں، حد سے تجاوز کرتے ہوئے بس، نازیبا انداز لیا تھا وہ سب، کیا اب اس کا علم تھا؟

کئی تقریب میں مرکزی اہمیت حاصل کرنے کا یہ میرا پہلا تجربہ تھا، اسکول میں کئی بار کھیلوں یا تقریری مقابلوں میں مجھے ایسی توجہ ملی لیکن اسکول کی سطح پر مشہور ہونے اور پورے شہر میں مشہوری میں بہت فرق تھا۔

اسکول کی طرف سے حوصلہ افزائی اور گھر والوں کا مان۔ کئی اخباروں کے نمائندے موجود تھے، اہم بات یہ تھی کہ پورڈ میں پہلی پوزیشن میں نے اور تیسری پوزیشن محبت نے لی تھی مگر ساری توجہ میری طرف تھی۔ اسکول والے بار محبت کو بھی لائم لائن میں لانے کی کوشش کر رہے تھے کیونکہ نہ صرف اس کے والد مہمان خصوصی تھے بلکہ انہوں نے اس تقریب کا سارا اہتمام بھی کیا تھا۔ محبت نے جانے کیا کہہ کر انہیں مائل اور قائل کیا ہوگا، وہ مہمان خصوصی تھے مگر اصل میں ساری توجہ کا مستحق اس روز میں تھا۔ میرے اپنے پاؤں بھی زمین پر ٹپک رہے تھے، امی جان، ثانی اور بالہ بھی میرے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بڑا مان محسوس کر رہی تھیں۔

ابا کا ہاتھ پکڑے، میں انہیں سب سے ملو رہا تھا، ماسٹر صاحبان، ہیڈ ماسٹر، اپنے ہم جماعتوں، ان کے والدین، محبت کے ابا سے اور سب سے بڑھ کر خود سے۔ میں اپنے بے بسی کی احساس کسری کی تسکین کر رہا تھا۔

☆☆☆

دس ہزار روپیہ بڑی رقم تھی، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ابا مجھے دس ہزار روپیہ دے کر گئے تھے۔ اسکول کی طرف سے مجھے پانچ ہزار کا انعام ملا تھا جو کہ ہیڈ ماسٹر صاحب اور باقی اساتذہ نے اپنی اپنی جیبوں سے رقم جمع کر کے دیا تھا۔ محبت کے والد صاحب نے مجھے دو ہزار روپیہ دیے تھے اور میرے ہم جماعتوں نے مل کر مجھے کچھ کتابیں تھپتھپ دی تھیں۔ پورڈ کی طرف سے وظیفہ مقرر کیا گیا تھا اور شہر کے سب بڑے کاجوں کے پرپل وہاں موجود تھے جنہوں نے مجھے اپنے اداروں میں مفت تعلیم حاصل کرنے کی پیشکش کی تھی۔ اچھل کے نمبر بھی اچھے آئے تھے اور اسے یہ آسانی گورنمنٹ کالج میں داخلہ مل

جاتا۔ محبت کی منزل ایک دور دراز کے شہر کا کینڈس کالج تھا، اس نتیجے کی بنیاد پر اس کا داخلہ بھی ہو جاتا۔

”حبیب تو اب لندن جا کر پڑھے گا ان شاء اللہ“ ابا محبت کے ابا کو بتا رہے تھے، انہیں حبیب نام کہنے میں ذرا سی بھی دشواری نہ ہوئی تھی، وہ کون سا مجھے سترہ سال سے غیور کہہ رہے تھے۔ امی جان بھی پوری کوشش کر رہے تھیں، مائی البتہ مجھے ابھی تک غیور ہی کہتیں اور کئی کبھار درگئی کر کے، غیور کہنے کے بعد حبیب اللہ کہتیں۔

”آپ تو میرے بیٹے کے بہترین دوست کو اس سے جدا کر رہے ہیں۔“ انہوں نے جواباً کہا۔

”نہ صرف آپ کے بیٹے کے دوست کو سسر۔ بلکہ ہمارے سب سے بڑے ٹیلیفٹ کو بھی۔“ حبیب یہاں ہوتا تو کالج میں بھی اپنی کامیابیوں کے جھنڈے گاڑتا۔

ماسٹر صاحب نے کہا۔

”وہاں پر بھی وہ ایسا ہی کرے گا، اپنے ملک کا نام روشن کرے گا۔“ ابا نے جواباً کہا۔

”ان شاء اللہ۔۔۔۔۔ سب نے کہا۔“

”نئی زبان سیکھنا اور اس پر عبور حاصل کرنا ایک ایسا عمل ہو گا جو کہ حبیب کو اس کے لیے کئی سال لگوا سکتا ہے۔“ ماسٹر صاحب نے کہا۔ ”پروٹیس میں تو بچے ایسے بچوں کو تنگ کرنے، انہیں نیچا دکھانے اور انہیں احساس کمتری میں مبتلا کرنے میں ہرگز تامل نہیں کرتے۔“

”میرا بیٹا بہت ذہین ہے ماشاء اللہ، وہ جلد ہی اس زبان پر بھی عبور حاصل کر لے گا اور یوں بھی میں اس کے لیے اضافی کوچنگ کا بندوبست کر دوں گا۔“ اسے گھر پر انگریزی زبان کی ٹیوشن دلاؤں گا تا کہ وہ کسی بھی قسم کے احساس کمتری میں مبتلا ہو اور نہ ہی اسے کوئی نیچا دکھا سکے۔“ ابا کا جواب دے چور تھا، میرا بیٹا کہتے ہوئے ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ شاید ان کے کہیں اندر یہ بچھتاوا ہو گا کہ انہوں نے مجھ سے اب تک دور رہ کر نہ صرف میرے ساتھ بلکہ اپنے ساتھ بھی زیادتی کی تھی۔

☆☆☆

دن رات کوششیں کر کے ابا ہم بیٹوں کے کاغذات تیار کروا رہے تھے، شامی، آٹا، ذرا صاب، اسپریش۔

688 مہاشہ کیا کیوہ۔ دسمبر 2022ء

یہ سب تھکا دینے والے عمل ثابت ہوئے تھے۔

بہن کسی چیز کے لیے بھاگ دوڑ کرتے اور کبھی کسی چیز کے لیے میرے سب ہم جماعت کاجوں میں داخلہ دے دیتے۔ میرے سب ہم جماعت کا آغاز کر چکے تھے، میرا دل بھر گیا تھا کہ جب تک میرے جانے کی کارروائی چل رہی ہے، جب تک کسی بھی کالج میں داخلہ تو لے لوں کم از کم ابا سے بات کی تو انہوں نے کہا کہ کسی بھی وقت ویزے کی اطلاع آ سکتی تھی اس لیے کالج میں داخلہ لینا فضول تھا۔ نہ صرف داخلے پر رقم خرچ ہوئی بلکہ کتابیں اور بونڈام وغیرہ پر بھی خرچ آتا۔

”میرے پاس کافی رقم ہے ابا، میں اپنے پیسے خرچ کر لوں گا۔“

”ایسی کوئی بات نہیں، بات پیسوں کی نہیں، یہ تمہاری کوئی بات نہ ہو جائے گا۔ اگر کسی کام آ سکتا ہو تو ٹھیک سب کچھ ضائع جانے گا۔“ ان کے اس جواز پر وہ نہ بول سکا۔

”اے اے آپ کہیں داخلہ دلوا دیں، اس کے ہم جماعت سب کالج جا رہے ہیں۔“

”وہ چار کلاس میں انٹرنڈ کر لے گا۔ کتابیں نہ خریدے، بونڈام بنوا دیتی ہوں میں اس کو۔“ امی جان کی آواز اگرچہ دھمکی مگر میرے کانوں تک پہنچ گئی۔

”تمہیں شاید احساس نہیں ترنم کہ میں کس طرح کام کرتا اور کتنا ہوں۔ تم سے شادی کے عوض، میرے بچوں نے مجھ سے ساری جائیداد ماں کے ساتھ مل کر اپنے ہاتھ بھری ہے۔ میرے پاس یہاں اب کچھ بھی نہیں ہے، وہاں پر پیسے کتنا بہت مشکل ہے، یہاں لوگ سمجھتے ہیں کہ پیر درختوں پر اگتا ہے۔“ ابا کی آواز سنا بلندی تھی۔ ”اکیلا تو میں اپنا گزارہ کر لیتا ہوں مگر تم لوگوں کو ساتھ لے کر جاؤں گا تو بہت تنگی سے گزارہ کرنا ہوگا۔ یہ بھی اللہ کا شکر ہے کہ تم نے اچھے وقتوں میں چھوٹا سا گھر لے لیا تھا۔“

”میں نے تو ساری زندگی، نہ آپ سے کچھ مانگا اور نہ آپ نے خود سے بچھا۔“ امی، ابا نے کہا۔ ”وہ

کام کرنے سے آپ نے منع کر دیا تھا، سوائے گانا گانے کے اور کچھ نہیں کیا، اپنی ماں کو بھی ناراض ہی رکھا، ختم کے بعد ان کے پاس بھی میرے سوا کچھ نہ تھا کہ میں نے انہیں مایوس کر دیا، آپ ہی کے آسرے پر ادا آپ ہی سے کیے گئے وعدے پر۔“ امی جان کہہ رہی تھیں۔ اگرچہ وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ یہ نہیں کرتی تھیں مگر میں نے دیکھا تھا کہ وہ انہیں لے آتے اگر وہ انہیں اس سے بھی منع کر دیتیں تو۔

”بس تمہیں یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ وہاں جا کر مایوس نہ ہونا۔ مجھے معلوم ہے کہ لندن کا سوچ کر عورتوں کے ذہن میں جانے کیا، کیا سنہری خواب تخلیق ہوتے ہیں، تمہیں شاید اپنے ان خوابوں کی تعبیر نہ ملے۔“ وہ امی جان کو سمجھا رہے تھے۔

”آپ کا ساتھ تو میرا ہو گا نا؟“ امی جان نے سوال کیا۔

”سارے کا سارا۔۔۔۔۔“ ابا کی آواز میں خارا تھا۔

میں ان کی آوازوں کو نظر انداز کر کے محبت کو خط لکھنے لگا۔ اس کا خط آتا تھا، اس نے اپنے کالج کے بارے میں ایسی... مزید باتیں لکھی تھیں کہ میرا دل چلنے لگا کہ میں اڑ کر اس کے پاس چلا جاؤں۔ ”امی جان سے پوچھ کر میں جانے سے پہلے، ایک بار اس سے ملنے کے لیے ضرور جاؤں گا۔“ میں نے خود سے عہد کیا۔

امی جان سے بات کی تو انہوں نے مخالفت کی کہ ایسا نہ ہو کہ میں اتنی دور گیا ہوں اور میری غیر موجودگی میں ویزا آ جائے اور فوری جانا پڑے۔ میرا من بن گیا۔ وہ میرے بالوں کو سہلانے لگیں۔ ”جانے کب سے ہم اس وقت کا انتظار کر رہے تھے حبیب، اب یہ وقت نزدیک ہے، ایسا نہ ہو کہ ہم اسے اس لیے کھودیں کہ تم اپنے دوست سے ملنے کے لیے گئے ہو گے۔ دوستوں کا کیا ہے، جہاں بھی ہو گے، نئے مل جائیں گے۔ ابا کے ساتھ جانے کا موقع کھو گیا تو کبھی واپس نہیں آئے گا۔ وہ چودہ، پندرہ سال کے بعد لوٹے ہیں، اب جائیں تو جانے کب لوٹیں۔ میں بھی اپنی اس زندگی سے تنگ آ گئی ہوں اور یہاں سے فرار چاہتی ہوں۔ ہالہ کو بھی یہاں

ماہنامہ کیا کیوہ۔ دسمبر 2022ء

688 مہاشہ کیا کیوہ۔ دسمبر 2022ء



میں آپ کے ساتھ محبت کو ملنے کے لیے گیا ہوں اور کل لوٹ آؤں گا۔“ جانتا تھا کہ امی جان جانے کی اجازت نہیں دیں گی مگر خود کو بہلا رہا تھا۔

”اس کے لیے تمہارے جانے آنے میں اتنا وقت لگ جائے گا۔ ایک رقعہ لکھ دو، میرا کوئی قاصد جا کر پہنچا آتا ہے۔“ انہوں نے حل بتایا۔

”میری پیاری امی جان۔ سلام عرض ہے۔ میں آپ سے اس گستاخی پر معافی مانگتا ہوں جو مجھ سے سرزد ہوئی ہے، محبت کے والد صاحب اسے ملنے کے لیے جا رہے تھے تو مجھ سے رہا نہیں گیا۔ آپ کی اجازت کے بغیر ان کے ساتھ جا رہا ہوں۔ جلد لوٹوں گا امید ہے کہ آپ ابابو بھی سمجھا دیں گی۔

آپ کا تابعدار بیٹا۔ حبیب اللہ“ خط لکھ کر میں نے محبت کے والد کو دیا اور انہوں نے اپنے ایک قاصد سے کہا کہ وہ خط وہ اگلے روز صبح میرے گھر پہنچا دے۔ جانے خط پہنچے گا تو امی جان کیا کہیں گی ناراض ہوں گی، ابابا ناراض ہوں گے، ثانی کیا کہیں گی ”بے غیرت کہیں گا، ماں سے جھوٹ بول کر چلا گیا“ یہ خود ہی قیافے لگا رہا تھا۔

پچھلی سیٹ پر میں انکل کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اسیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ گاڑی تھا۔ اسلام آباد پہنچنے تک رات کے کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ وہاں رک کر کھانا کھایا اس کے بعد انکل نے ڈرائیور اور گاڑی سے کہا کہ وہ چاہی بی بی لیں کہ اس سے آگے رات کا سفر تھا، کہیں ڈرائیور نیند نہ آجائے۔ ایک گھنٹا گزرا تھا، دو گھنٹے مزید گزرتے تو اپنی منزل مقصود پر پہنچ جاتے۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی سو رہا تھا، ڈرائیور کو غالباً اوجھ آ گئی تھی کہ گاڑی ایک دھماکے کے ساتھ سڑک کے کنارے سے ٹکرانی۔ زور کے دھماکے آواز آئی اور میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

”مجھے امی جان کے منع کرنے کے باوجود اس طرح نہیں آنا چاہیے تھا.....“ بے ہوش ہونے سے پہلے میرے ذہن میں آخری سوچ یہی آئی تھی۔

تیسری قسط آئندہ ماہ، ان شاء اللہ

سے نکالنا چاہتی ہوں تاکہ حالات کہیں اسے بھی مجبور نہ کر دیں اور جس زندگی سے میں مشکل سے چھٹکارا پانے والی ہوں، وہ اس میں یہاں رہ کر پھنس جائے۔“

محبت کو خط لکھ کر میں نے امی جان سے اجازت طلب کی کہ میں نہ صرف اس کے والد کو الوداع کہہ آؤں بلکہ خط بھی انہی کو دے آؤں کیونکہ وہ خود چند دن کے بعد اسے ملنے کے لیے جاتے تھے، وہ خود یا کوئی اسے ملنے کے لیے جائے تو میرا خط ہاتھ کے ہاتھ اسے دے دے۔ محبت کے گھر جانے کی اجازت امی جان نے آسانی سے دے دی تھی۔ مجھے بھی اس وقت علم نہیں تھا کہ اس کے گھر میں، میرے لیے کیا رکھا تھا، کچھ ایسا جو میری زندگی کا رخ بدلنے والا تھا۔

”کیسے ہو جیٹلمین؟“ میرے سلام کا جواب دے کر محبت کے والد نے سوال کیا۔

”بالکل ٹھیک ہوں انکل، محبت کو خط لکھا تھا تو وہ دینے کے لیے آ گیا، ساتھ ہی سوچا کہ آپ کو خدا حافظ کہہ دوں لندن جانے سے پہلے۔“

”کب جا رہے ہو تم لندن؟“ انہوں نے سوال کیا۔

”بس انکل، ویزے کا انتظار ہے، جونہی ویزا آئے گا تو چلے جائیں گے۔“ میں نے کہا۔ ”وقت نہ ہونے کے باعث، محبت سے ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ اس کا بہت دکھ رہے گا۔“

”میں چند گھنٹوں میں جا رہا ہوں، میرے ساتھ چلو..... کل ہی ہم واپس آ جائیں گے۔“ انہوں نے پیشکش کی۔

”لیکن وہ میرا ویزا..... میں نے بہانہ تراشا۔“

”کل اتوار ہے، اتوار کو تو تمہارا ویزا آنے سے رہا، یوں بھی کون سا ویزے کے ساتھ ٹکٹ بھی آ جائے گی۔ وہ بھی تو بک کر وانا ہو گا ناں اور کتنی جلدی کی ٹکٹ ملے گا، اس کا کسے علم۔“

”امی جان سے پوچھا بھی نہیں..... یا تو جا کر انہیں بتا آتا ہوں۔“ میں نے کہا۔

”پوچھنا ہے یا بتانا ہے؟“ انہوں نے سوال کیا۔

”کم از کم بتانا تو بنتا ہے انکل، انہیں یہ تو علم ہو کہ

میں آپ کے ساتھ محبت کو ملنے کے لیے گیا ہوں اور کل لوٹ آؤں گا۔“ جانتا تھا کہ امی جان جانے کی اجازت نہیں دیں گی مگر خود کو بہلا رہا تھا۔

”اس کے لیے تمہارے جانے آنے میں اتنا وقت لگ جائے گا۔ ایک رقعہ لکھ دو، میرا کوئی قاصد جا کر پہنچا آتا ہے۔“ انہوں نے حل بتایا۔

”میری پیاری امی جان۔ سلام عرض ہے۔ میں آپ سے اس گستاخی پر معافی مانگتا ہوں جو مجھ سے سرزد ہوئی ہے، محبت کے والد صاحب اسے ملنے کے لیے جا رہے تھے تو مجھ سے رہا نہیں گیا۔ آپ کی اجازت کے بغیر ان کے ساتھ جا رہا ہوں۔ جلد لوٹوں گا امید ہے کہ آپ ابابو بھی سمجھا دیں گی۔

آپ کا تابعدار بیٹا۔ حبیب اللہ“ خط لکھ کر میں نے محبت کے والد کو دیا اور انہوں نے اپنے ایک قاصد سے کہا کہ وہ خط وہ اگلے روز صبح میرے گھر پہنچا دے۔ جانے خط پہنچے گا تو امی جان کیا کہیں گی ناراض ہوں گی، ابابا ناراض ہوں گے، ثانی کیا کہیں گی ”بے غیرت کہیں گا، ماں سے جھوٹ بول کر چلا گیا“ یہ خود ہی قیافے لگا رہا تھا۔

پچھلی سیٹ پر میں انکل کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اسیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ گاڑی تھا۔ اسلام آباد پہنچنے تک رات کے کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ وہاں رک کر کھانا کھایا اس کے بعد انکل نے ڈرائیور اور گاڑی سے کہا کہ وہ چاہی بی بی لیں کہ اس سے آگے رات کا سفر تھا، کہیں ڈرائیور نیند نہ آجائے۔ ایک گھنٹا گزرا تھا، دو گھنٹے مزید گزرتے تو اپنی منزل مقصود پر پہنچ جاتے۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی سو رہا تھا، ڈرائیور کو غالباً اوجھ آ گئی تھی کہ گاڑی ایک دھماکے کے ساتھ سڑک کے کنارے سے ٹکرانی۔ زور کے دھماکے آواز آئی اور میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

”مجھے امی جان کے منع کرنے کے باوجود اس طرح نہیں آنا چاہیے تھا.....“ بے ہوش ہونے سے پہلے میرے ذہن میں آخری سوچ یہی آئی تھی۔

تیسری قسط آئندہ ماہ، ان شاء اللہ

سے نکالنا چاہتی ہوں تاکہ حالات کہیں اسے بھی مجبور نہ کر دیں اور جس زندگی سے میں مشکل سے چھٹکارا پانے والی ہوں، وہ اس میں یہاں رہ کر پھنس جائے۔“

محبت کو خط لکھ کر میں نے امی جان سے اجازت طلب کی کہ میں نہ صرف اس کے والد کو الوداع کہہ آؤں بلکہ خط بھی انہی کو دے آؤں کیونکہ وہ خود چند دن کے بعد اسے ملنے کے لیے جاتے تھے، وہ خود یا کوئی اسے ملنے کے لیے جائے تو میرا خط ہاتھ کے ہاتھ اسے دے دے۔ محبت کے گھر جانے کی اجازت امی جان نے آسانی سے دے دی تھی۔ مجھے بھی اس وقت علم نہیں تھا کہ اس کے گھر میں، میرے لیے کیا رکھا تھا، کچھ ایسا جو میری زندگی کا رخ بدلنے والا تھا۔

”کیسے ہو جیٹلمین؟“ میرے سلام کا جواب دے کر محبت کے والد نے سوال کیا۔

”بالکل ٹھیک ہوں انکل، محبت کو خط لکھا تھا تو وہ دینے کے لیے آ گیا، ساتھ ہی سوچا کہ آپ کو خدا حافظ کہہ دوں لندن جانے سے پہلے۔“

”کب جا رہے ہو تم لندن؟“ انہوں نے سوال کیا۔

”بس انکل، ویزے کا انتظار ہے، جونہی ویزا آئے گا تو چلے جائیں گے۔“ میں نے کہا۔ ”وقت نہ ہونے کے باعث، محبت سے ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ اس کا بہت دکھ رہے گا۔“

”میں چند گھنٹوں میں جا رہا ہوں، میرے ساتھ چلو..... کل ہی ہم واپس آ جائیں گے۔“ انہوں نے پیشکش کی۔

”لیکن وہ میرا ویزا..... میں نے بہانہ تراشا۔“

”کل اتوار ہے، اتوار کو تو تمہارا ویزا آنے سے رہا، یوں بھی کون سا ویزے کے ساتھ ٹکٹ بھی آ جائے گی۔ وہ بھی تو بک کر وانا ہو گا ناں اور کتنی جلدی کی ٹکٹ ملے گا، اس کا کسے علم۔“

”امی جان سے پوچھا بھی نہیں..... یا تو جا کر انہیں بتا آتا ہوں۔“ میں نے کہا۔

”پوچھنا ہے یا بتانا ہے؟“ انہوں نے سوال کیا۔

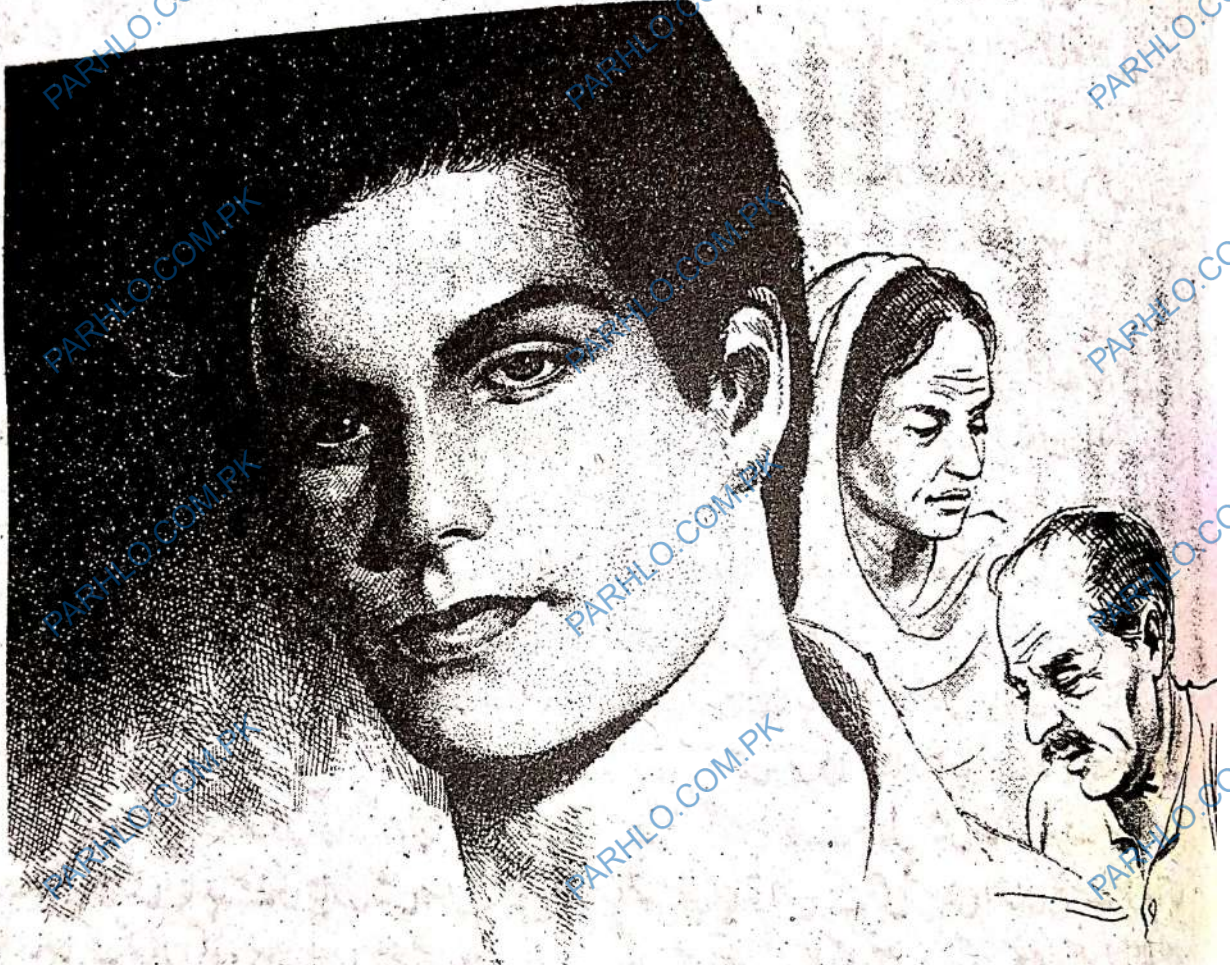
”کم از کم بتانا تو بنتا ہے انکل، انہیں یہ تو علم ہو کہ

70 ماہنامہ پاکیزہ دسمبر 2022

Protected with free version of Watermark - Full version doesn't put this mark.



## پیشانی نصرتِ جبین



”منیٰ تو خیموں کا شہر ہے، ہم دونوں تو وہاں کھو ہی جاتے جو یچی نہ ہوتا تو۔“ عطا صاحب بتا رہے تھے۔  
”رمی کرنے کے لیے تو مجھ بڑھی کی جانے کی ہمت نہ تھی، یچی نہ ہوتا تو میرا حج نہ ہو سکتا۔“ زیتون بانو بیٹے کا نام لیتے ہی آبدیدہ ہو گئیں۔  
”مجھ جیسی بھاری بھر کم عورت کی وہیل چیر چلاتا تھا اتنے رش میں۔ اللہ پل صراط پر سے ایسے ہی اس کی

گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا اور فرج مٹھائی کے ڈبوں سے۔ عطا صاحب اور ان کی بیوی زیتون بالوچ کر کے کل ہی تو لوٹے تھے۔ یہ مہمانوں کا تانتا انہی کی واپسی پر بندھا ہوا تھا۔ سب مبارک باد دیتے، پڑھے میاں بیوی سے حج کی روداد سنتے سر دھن رہے تھے۔ بڑی ہی روح پرورد استانیں ہوتی ہیں بیت اللہ سے لوٹنے والوں کی۔

ماہنامہ پاکیزہ — دسمبر 2022ء 71



سواری گزارے جیسے اس نے مجھے جگ کرایا۔“ دعا ان کی زبان سے، آنسو ان کی آنکھوں سے اور تشکر ان کے دل سے نکلتا تھا بیٹے کے لیے۔ سب ہی ملنے والے رشک بھری نظروں سے اس توجہ کو دیکھتے جو ایک کونے میں عاجزی کا بت بنا بیٹھا تھا گویا وہ خود جگ کرنے نہیں ان دنوں کوچ کرائے لے گیا تھا۔

”بڑے ہی خوش نصیب ہیں آپ دونوں جو کچی جیسا بیٹا ملا۔“ سننے والے کہتے اور دونوں میاں، بیوی بیٹے کے ساتھ ساتھ بیٹا دینے والے کے بھی شکر گزار دکھائی دیتے۔

”یہ اسی مقصد کے لیے پیدا ہوا تھا کہ بوڑھے ماں باپ کوچ کرائے۔ ورنہ باقی اولادوں کو خیال نہ آیا ماں باپ کا۔“ کسی نے یاد دلایا تو عطا صاحب اور زیتون بانو کو بہت کچھ یاد آگیا۔

☆☆☆

جب سے ڈاکٹرنی کے بڑے کلینک سے ہو کر آئی تھی وہ اسی طرح چارپائی پر بڑی رو رہی تھی۔ عطا صاحب بھلا سلی تشفی کے سوا کیا کر سکتے تھے۔

”اب بس بھی کر دے کلیم کی ماں۔“ عطا صاحب اکتا گئے تھے اتنی دیر سے اس کا رونا دھونا سن، سن کر پانی پلوں کے نیچے سے گزر چکنے کے بعد رونا دھونا کیا؟

”لوگوں کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ کلیم اپنا بچہ کھلا رہا ہے اور یہاں میں اپنا بچہ جتنی تیاری میں ہوں۔ بیٹے کا سامنا کیسے کروں گی، بہو کے سامنے کس منہ سے جاؤں گی؟ میرے پوتے سے چھوٹا میرا بچہ ہوگا۔ یا اللہ میں کہاں جاؤں کیا کروں۔ تو نے زندگی دی، موت بھی تو ہی دینے والا ہے۔“ شرم سے ڈہری ہوئی وہ بد دعا دینے لگی تھی۔

”پاکل مت بن زیتون۔ جس ذی روح نے دنیا میں آنا ہوتا ہے وہ آکر رہتی ہے اللہ کے کام ہیں سارے۔ ماں ہو کر تو کیسے بد دعا دے سکتی ہے۔“ عطا صاحب سر دوش کھڑے ہو کر بیٹے کو گلے ملنے لگے۔

کران کا ہاتھ تھامے نرمی سے سمجھانے لگے۔

”ہماری شادی جلدی ہوئی اور اولاد بھی۔ پھر اولاد کو ابھی ہم نے جلدی گھریا والا کر دیا کہ ان کی اولاد بھی گودوں میں فوراً ہی آگئی۔ ورنہ ناستے بوڑھے تو ہم نہیں۔“ بات تو جتنی بھی لیکن دنیا نے ان کی عمروں کو کہاں دیکھنا تھا۔ اس نے تو بس یہی دیکھنا تھا کہ اس عمر میں جب ان کے بچے بھی بچوں والے ہو چکے تھے ان کے ہاں ایک نئے مہمان کی آمد تھی۔ حالانکہ پرانے زمانے میں تو یہ عام بات تھی۔

کلیم نے سنا تو ہنسنے سے ہی اکھڑ گیا۔ کہرام تو خیر جلیل نے بھی کم نہیں چلایا تھا۔ وہ دونوں تو اس بات پر مصر تھے کہ ابھی اس بچے کو ضائع کر دیا جائے۔

”کچھ شرم کرو۔ اولاد کا نقل کر دوں میں۔ اپنے بچے کو مار دوں۔ ایسا گناہ کیسے کر سکتا ہوں میں بھلا!“ عطا صاحب کو بھی غصہ آگیا۔

”یہ سب پہلے کیوں نہ سوچا۔ لوگ کیا کہیں گے کہ اس عمر میں بچہ کھلایا ہے۔“ زیتون بانو کمرے میں لیٹی سب سن رہی تھیں۔ اتنی بھی ہمت نہ ہوئی کہ باہر نکل کر سب کے درمیان بیٹھ سکیں، کچھ صفائی میں کہہ سکے کسی کو سمجھا سکیں۔

”کوئی نا جائز کام تو نہیں کیا ناں۔“

”اس عمر کی اولاد نا جائز کے برابر ہی ہوتی ہے۔“ جلیل بڑے جلال میں تھا۔ اشرف صاحب کا ہاتھ اٹھ گیا تو اس نے بھی قسم ہی اٹھائی کہ اب مڑ کر اس گھر میں تھو کے گا بھی نہیں۔ بیک کا نہ دھسے پڑا لا اور گھر سے نکل گیا۔ عطا صاحب نے بھی جانے دیا کہ وقتی غبار ہے لیکن وہ اپنی بات کا ایسا لگا لگا تھا کہ پھر واقعی گھر نہیں لوٹا اور اپنی پسند سے شادی کر کے سرال کا ہی ہو کر رہ گیا تھا۔

”میں اپنی بیوی اور سرال کو کیا منہ دکھاؤں گا؟“ کلیم کو اپنی بڑی تھی۔ اس وقت اس کی بیوی کے گئی ہوئی تھی جب یہ بات کھلی تھی۔ پھر وہ بھی اپنا امانہ باندھ کر چلا۔ سارا سر اس کے روتے تھے۔

ان کے ساتھ کسی کو تو رہنا تھا۔ اپنے ماں باپ کو اکیلا کر کے وہ عزت بچانے کے لیے سراسر کی تنہائی باٹنے سرال جا کر بس گیا۔

”ہم اپنی سرال میں کس منہ سے جائیں۔ سب کی باتوں کے کیا جواب دیں۔ اپنے بچوں کو کیا بتائیں کہ ان سے چھوٹا ان کا ماموں آنے والا ہے، حالہ ہونے والی ہے۔ تو یہ، تو یہ۔“ کلیم سے چھوٹی رضوانہ نے کانوں کو ہاتھ لگایا جو دو بیٹوں کی ماں تھی۔

”میری تو ہمت نہیں ہو رہی یہ بات علی کو بتانے کی۔ کچھ ہمارا بھی خیال کیا ہوتا آپ دونوں نے۔ اپنی عمر دیکھیں اور کام دیکھیں۔ اس بڑھاپے میں اولاد کی کیا سوچھی۔“ اس سے چھوٹی خالدہ جس کی حالت میں شادی ہوئی تھی منہ بسورے بیٹھی تھی۔ باپ چپ تھا، ماں بت تھی۔ خوب باتیں سا کر چلی گئیں۔ اس قسم کی باتوں طوطوں کا تو اب انہیں سامنا کرنا ہی تھا۔

”اللہ نے تو انبیاء پر ایم اور کیا کو بھی بڑھاپے میں اولاد دی، انہیں تو کسی نے ایسی باتیں نہیں سنائی تھیں، کسی نے ایسے شرمسار نہ کیا پھر یہ رسوائی ہمارے لیے کیوں؟ زیتون بانو لوگوں کی باتیں سن کر رو دیتیں۔“

”اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ اس نے کچھ سوچا ہی ہوگا بھی اس عمر میں اولاد دے رہا ہے۔“ وہ اور کیا کہتے۔ لوگوں کی باتوں نے تو ان کا سر شرم سے اپنی نظروں میں ہی گرا دیا تھا۔ زیتون بانو ہو کر بھی ہونے والی اولاد کو کوئی رہتیں کہ ان کا سر شرم سے اس کی وجہ سے جھکا ہے۔ محلے دار الگ چپکے لینے آ جاتے۔ پوتے، دہی، دہی دی سی ہنستے اور پھر بیٹھے، بیٹھے طنز کر کے چلے بنے۔ اکتا تو عطا صاحب بھی گئے تھے لیکن زیتون بانو تو اپنی گری، گری طبیعت کے باعث زیادہ اکتائی رہی تھیں۔

”جس نے کھوکھ میں ہوتے اتنا رسوا کیا، دنیا میں آکر کیا کرے گا۔“ وہ اٹھتے بیٹھتے ہائیاں دیتیں۔ عطا صاحب انہیں صراحتاً تلقین کرتے۔

بھئی

نعت

دنیا نہ ہوئی وہ جنت نہ ہوئی  
اگر شاہ بھٹا کی بھٹ نہ ہوئی  
اگر رشک بگشت نہ تشریف لاتے  
یہ خوشبو نہ ہوئی یہ رنگ نہ ہوئی  
بکھرتا مسلسل جو نور تمہ  
تو خورشید کی بھی ضرورت نہ ہوئی  
دکھاتے اگر وہ خواب ہی میں جلوہ  
کوئی اور عاشق کی حاجت نہ ہوئی  
نہ فرماتے اگر آپ ذرہ نوازی  
ہمیں نعت کہنے کی جرأت نہ ہوئی  
فضائل درودوں کے گر جان لیتے  
عبادات دیگر کی فرصت نہ ہوئی  
اثر ہم غریبوں کو پھر پوچھتا کون  
جو شاہ دو عالم سے نسبت نہ ہوئی  
شاعر: شاہین اقبال اثر  
پسند: زریں خانم لغاری، مظفر گڑھ

وہ دنیا میں آیا تو عطا صاحب نے اس کا نام بھی رکھا۔ ”زکریا کے بڑھاپے کی اولاد ہو گئی تھی۔ یہ بھی ہمارے بڑھاپے کی اولاد ہے۔“ زیتون بانو نے اپنی ہی اولاد سے سوتیلیوں سا سلوک رکھا ساری زندگی۔ وہ روتا تو اسے بھلانے کو بھی آگے نہ بڑھیں، بھوکا ہوتا تو کھلانے میں تامل کر جاتیں، کبھی اسے سینے سے نہ لگایا، نہ ہلانے دھلانے میں سستی دکھا جاتیں۔

”ایسا مت کر زیتون۔ کیا خبر بھی ہمیں سینے سے لگائے اور باقی تو پوچھیں بھی نہیں۔“ عطا صاحب روتے بکھلتے بکھلتے کو سینے سے لگالیتے۔

”اسی کی وجہ سے ہمارے سارے بچے ہم سے روٹھ گئے۔ یہی فساد کی جڑ ہے۔“

”آج نہیں تو کل ان سب نے ہمارے ساتھ یہی



آہستہ، آہستہ اس کے قریب ہونے لگیں۔

”میں تجھے دھتکارنی ہوں تو پھر بھی میری طرف لپکتا ہے۔ باقی سب کے چچھے جاتی ہوں تو وہ مجھے دیکھتا بھی نہیں چاہتے۔ تو کیوں ایسا ہے یحییٰ؟“ چودہ سالہ یحییٰ کو دیکھتے زیتون بانو پوچھ بیٹھیں۔

”اور کہاں جاؤں ماں جی۔ آپ تو میری ماں ہیں اور ماں تو بچوں کو سب سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔“

”پیاری تو ماں کو بھی سب سے زیادہ اولاد ہوتی ہے لیکن تو کیوں ماں کو پیارا نہیں لگا۔“ عطا صاحب نے زیتون بانو پر چوٹ کی تو وہ تڑپ اٹھیں۔ یحییٰ کو خود سے بچھن کر ڈھیروں آنسو بہا دیے۔ پچھلے دس سال کی ساری محبت آئندہ کی زندگی میں دے ڈالی۔ عطا صاحب بھی خوش تھے کہ زیتون بانو کو دیر سے سہی مگر یحییٰ کا خیال تو آیا۔

باقی ساری اولادوں کے مقابلے میں وہ سب سے زیادہ لائق تھا، سب سے زیادہ حساس، محبت کرنے والا، خیال رکھنے والا۔

سولہ جماعتیں پاس کر کے اسے ایک اچھی نوکری ملنے کی دیر تھی کہ اس نے سب سے پہلے اپنی کمائی سے والدین کے آرام کے لیے ملازم رکھے۔ ان کے منہ سے نکلنے والی ہر فرمائش پر کمائی لگا دی۔ دونوں کو اللہ کے گھر کی زیارت کا بہت شوق تھا۔ پائی، پائی جمع کر کے وہ انہیں حج کرانے لے گیا۔

ساری زندگی نگاہوں میں گھوم گئی تھی دونوں کے اور آج انہیں بڑھاپے کی اس اولاد کی ایسی قدر ہوئی تھی کہ ان کے آنسو نہ رکتے تھے۔

”جسے ہم نے پرے ہٹایا اسی نے ہمیں ہتھیلی کا چھالا بناتے سینے سے لگا لیا۔ تو کہتی تھی کہ اس نے کوکھ میں ہوتے ہمارا سر جھکا دیا یہ دنیا میں آکر کیا کرے گا، دیکھ دنیا میں اس نے کیسے ہمارا سر اٹھا دیا ہے۔“ عطا الحق مہمانوں کو رخصت کرتے بیٹے کی طرف دیکھتے، برابر کھڑی زیتون بانو سے کہہ رہے تھے جو اسی بیٹے کو دیکھتے شکر سے اپنی آنکھوں کا پانی صاف کر رہی تھیں۔

کرنا تھا۔ فساد تو وہ سب ڈال ہی دیتے، چاہے یہ دنیا میں آتا یا نہ آتا۔ اس میں اس بیچارے کا کیا قصور بھلا۔“

عطا صاحب بہتیرا سمجھاتے لیکن زیتون بانو کے دل میں جو بال اپنی ہی اولاد کے لیے آیا تھا جانے کونہ تھا اب۔

اور وہ سب سہہ کر بھی فرمانبراد بیٹا بنا رہا۔ دھتکارنے کے باوجود بھی سارا دن ماں جی، ماں جی کرتا ان کے پیچھے پھرتا رہتا۔ ان کے چھوٹے، چھوٹے کام اپنے ہاتھوں سے کر دیتا۔ اسے بچپن سے ہی احساس تھا کہ اس کی ماں بوڑھی ہے اس لیے وہ ان کے اکثر کام خود اپنے ہاتھوں سے کر دیا کرتا تھا۔ رات میں وہ ابا اور اماں دونوں کے باری، باری پیر دباتا۔ باہر سے ہزار باتیں، طعنے بھی سن آتا تو کبھی ماں، باپ کے سامنے روتے بسورتے شکوہ نہیں کیا۔ وہ بچپن سے ہی سمجھ چکا تھا کہ وہ عام بچوں سا نہیں ہے کہ اس کی ایک اُف پر ابا لوگوں کی کھال ادھیڑ دے گا اور ماں سینے سے لگا لے گی۔ اسے یہ سب خود ہی.... سہنا ہے، گھر کی دھتکار بھی اور باہر کی مار بھی۔ اسی لیے وہ ہمیشہ سے کم گو اور سنجیدہ مزاج رہا تھا۔

”میرے سب بچے اسی کی وجہ سے روٹھ کر جو گئے تو کبھی نہیں لوٹے۔“ وہ اکثر آہیں بھرتیں۔

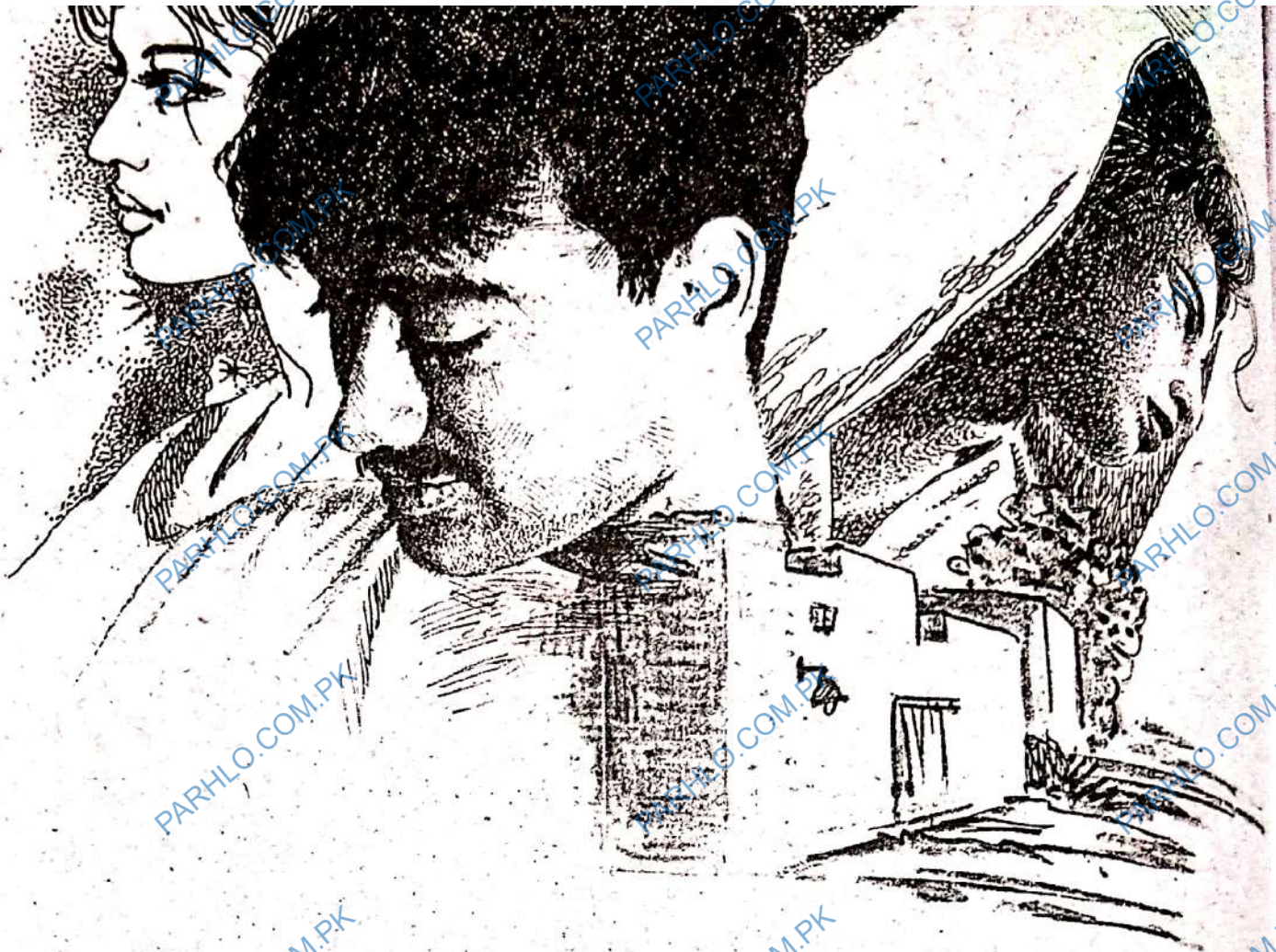
”میں انہیں منالاؤں گا ماں جی۔ میں ان کے پاس جاؤں گا۔“ اور وہ سچ میں بھائیوں کے گھرنیک پہنچ گیا تھا کہ کسی طرح ماں کی آنکھوں کی ٹھنڈک انہیں لوٹا دے لیکن بھائیوں اور بہنوں کے ہاں سے بھی ویسی دھتکار ملی جیسی زمانے سے ملتی تھی۔ وہ اسے اپنے ماں باپ کی غلطی سمجھتے تھے، اپنا بھائی نہیں۔

”میں گیا تھا ماں جی، انہیں منانے کی کوشش بھی کی لیکن مجھے باہر نکال دیا۔ کہتے ہیں ہمارا کوئی بھائی نہیں ہے۔“ ہاتھ جوڑے وہ ماں کے قدموں میں یوں بیٹھا معافی مانگ رہا تھا کہ اس کی پیدائش میں سراسر اس کی اپنی غلطی رہی ہو۔ وہ جان کر اس دنیا اور ان کے گھر میں آیا ہو۔

اس کی ایسی پیاری فطرت سے زیتون بانو

74 ماہنامہ پاکیزہ دسمبر 2022





## مہر مند

### نوزیہ احسان رانا

پتلی گلی کا سب سے خوش پوش گھرانہ تھا۔ رزق کی دیوی اس گھر پر دل سے مہربان تھی، راشد خوش شکل بااخلاق مرد تھا۔ محلے والوں سے اس کی اچھی بنتی تھی ہمیشہ مسجد میں سب سے پہلے پہنچا ہوتا۔ مسجد کی صفائی کرتا، صفیں سیدھی کرتا باجماعت نماز ادا کرتا، قرآن کی تلاوت کرتا پھر گھر آ کر ناشتا کر کے تیار ہو کر اپنے دفتر چلا جاتا۔ سب ہی اس کے اخلاق سے خوش تھے۔

راشد نے اپنے گھر کے سامنے دودھیا روشنی والا بلب اس نیت سے لگا رکھا تھا کہ نمازیوں کو صبح گلی سے

پتلی گلی کا موڑ مڑ کر وہ مسجد کی جانب جا رہے تھے، ان کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ یہ چھڑی ہی اب ان کا واحد ہمارا رہ گئی تھی۔ وہ چھڑی کو اپنے پیروں کے آگے والی جگہ پر اچھی طرح ادھر ادھر گھسیٹ کر کے جان لیتے کہ راستے میں کوئی چیز تو نہیں ہے۔ چوڑائی میں ظاہر ہے پتلی گلی بہت چھوٹی تھی مگر مجبوری یہ تھی کہ یہی ایک گلی تھی جس سے گزر کر وہ جلدی مسجد پہنچ جاتے تھے۔

راشد علی سرکاری ملازم تھا کچھ اپنی زمینیں بھی تھیں خوشگالی نے ہمیشہ آگے بڑھ کر اس کے قدم چومے تھے یہ



گزرنے میں آسانی ہو خاص طور پر چاچا کریم بخش کا  
اے خصوصی خیال رہتا تھا کہ چاچا کریم بخش کی نظر کافی  
کنزور ہو گئی تھی اور ضعیف العمری الگ ایک مسئلہ تھی۔  
اس پر ان کی خواہش کہ وہ فجر کی نماز باجماعت ہی پڑھنا  
چاہتے تھے۔

بھی کھڑی جا رہی تھی کیا پرسوز حسرت تھا جو سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا۔ حنا کے چار قدم پر پر کن کا گھر تھا۔ پتی کٹی ہوئی کے وجہ سے چند قدموں کا... فاصلہ ہی دو درمیان میں تھا جو ایک دوسرے کے گھر تک لے جاتے تھے۔

آئے، اس لیے آدمی تنہ شادی نہیں ہو سکی تھی یہ بھی واضح ہے کہ سرکاری ملازم تھے۔ وہ پورے محلے کے پسندیدہ بھائی تھے اس کی کافی ساری وجوہات تھیں ایک تو وہ شریف تھے، نظریں ہمہ وقت چھٹی، ججکی ریشٹیں کسی پر انش آدمی تھے۔ بڑا نکادور کنارہ وہ تو کسی پر ابھی نظر بھی نہیں ڈالتے بڑی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ سارے محلے کے بچوں کو اکٹھا کر کے دانش بھائی ان کو پڑھایا کرتے تھے اور ان ہی بچوں کے ساتھ کھلا کو پڑھایا کرتے۔ بچے بھی ان کو اپنے گھر سے آتے، اچھے کرتے تھے۔ یونہی وقت اچھا، اچھا شبک روی کھانے لا کر دیا کرتے۔ یونہی وقت اچھا، اچھا شبک روی گزرتا جا رہا تھا۔

چڑھے ہی واپس آنا تھا۔ وہیں وہ مسجد کی صفائی کرتا۔  
 سیدھی کرتا۔ فجر کی نماز کے بعد واک کے لیے جانا جاتا۔  
 وہ کس سے اپنے دل کا حال بیان کرتی۔ حنا بی بی سے۔  
 میں جیسا کہ لکھی ہی۔ نہ جانے کب اس کی آنکھ کی سی۔  
 چاچا کریم بخش پتلی گلی میں داخل ہوئے تو آج پھر  
 اندھیرا چھپلا ہوا تھا وہ حیران تھے ایسا تو کبھی بھی نہیں ہوا  
 تھا۔ اب ایسا کیوں ہونے لگا تھا۔



”ارے دانش بھائی آپ اور مسجد میں۔ یہ ماجرا کیا ہے؟“ راشد علی نے اتنے سارے لوگوں میں دانش کا منہ لگا دیا تھا۔ وہ دانش خفیف سا ہو گیا۔

”وہ راشد بھائی دراصل.....“ مگر راشد نے اسے بات مکمل بھی نہیں کرنے دی۔

”چلو جیسے بھی آپ نے مسجد میں آنے کی غلطی تو کر لی لی۔ راشد علی اسی ٹون میں بات کر رہا تھا۔ لہجہ تو ہن آئیز تھا۔ دانش کو کسی کا شدت سے احساس ہوا۔ کسی نے بھی راشد علی کو ٹوکا نہیں تھا۔

”یہ زندگی تو عارضی ہے دانش بھائی نماز پڑھا کریں قبر میں سب سے پہلا سوال نماز کا ہی ہوگا۔“ وہ اس کو ذلیل کرنے کا پورا ارادہ کر چکا تھا۔ وہ تلخ بھی ایسے ہی کیا کرتا تھا کہ اس کے بندے کا ڈوب کر مر جانے کو جی چاہے۔

”نئی راشد بھائی کوشش..... راشد علی نے ایک بار پھر دانش کی بات اچک لی تھی راشد کا گھنٹہ انتہا کو چھو رہا تھا اپنی عبادتوں اور باتوں پر مان کرنا اور کسی دوسرے کو گناہ گار اور ٹھیک سمجھ کر ہی بناتی ہو کر کرتا ہے۔

”شادی کرنا اور اس کو نبھانا ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے مگر آپ ذمہ داریاں نبھانے سے کتراتے ہیں اسی لیے تو ابھی تک چھڑے ہیں۔“ راشد علی نے ایک بے ہنگم قہقہہ لگایا دانش کہتا تو بہت کچھ چاہ رہا تھا مگر خاموش ہی رہا مگر اس کا دل درد سے لبا لب بھر کر پھٹنے کو بے تاب تھا۔ بہت بچپن میں ہی ماں باپ گزر گئے تھے،

چھوٹے تھے مین، بھائیوں کو دانش نے ماں اور باپ بن کر بالا تھا ان کو بہت شفقت بہت دی کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی پڑھا لکھا یا ان کی شادیاں کیسے تب تک دانش کی اپنی شادی کی عمر نکل چکی تھی اب وہ اکیلے رہنے کا عادی ہو چکا تھا مگر پتا نہیں راشد علی کو دانش سے کیا خدا واسطے کا میرا ہر جگہ وہ اس کی توہین کرنے کا موقع ڈھونڈ ہی لیا کرتا تھا..... دانش مارے مروت کے بس چپ ہی سا دھ لیتا تھا۔

یہ نہیں تھا کہ ان کی کوئی دشمنی تھی بلکہ وہ دونوں تو بچپن کے دوست تھے ایک دوسرے کے ہر راز سے واقف..... سینکڑا ایریک دانش نے راشد علی کو تعلیمی میدان میں جس طرح بات دی تھی اس سے راشد علی دل ہی دل میں اس سے خار کھانے لگا تھا اور اس بیزاری میں

یہ نہیں تھا کہ ان کی کوئی دشمنی تھی بلکہ وہ دونوں تو بچپن کے دوست تھے ایک دوسرے کے ہر راز سے واقف..... سینکڑا ایریک دانش نے راشد علی کو تعلیمی میدان میں جس طرح بات دی تھی اس سے راشد علی دل ہی دل میں اس سے خار کھانے لگا تھا اور اس بیزاری میں

یہ نہیں تھا کہ ان کی کوئی دشمنی تھی بلکہ وہ دونوں تو بچپن کے دوست تھے ایک دوسرے کے ہر راز سے واقف..... سینکڑا ایریک دانش نے راشد علی کو تعلیمی میدان میں جس طرح بات دی تھی اس سے راشد علی دل ہی دل میں اس سے خار کھانے لگا تھا اور اس بیزاری میں

کئی گنا اضافہ اس وقت ہو گیا جب کالج میں کبڑی کا بیچ ہوا تو وہاں بھی دانش نے راشد علی کو پچھا ڈالا۔ جب سے اب تک دانش، راشد علی کے ناپسندیدہ لوگوں میں سرپرست تھا۔ وہ اسے دلچ کرنے اور اذیت دینے کا کوئی نہ کوئی موقع ڈھونڈ ہی لیا کرتا۔ اپنے اندر کی ہیز اس نکالنے کے لیے راشد علی، دانش کے بارے میں لوگوں میں خواہ مخواہ کی افواہیں بھی پھیلاتا رہتا تھا۔

چونکہ راشد علی کا نمازی تھا اور سوائے دانش کے اسے محلے میں کسی سے کوئی مسئلہ بھی نہیں تھا وہ کسی کو کوئی تکلیف بھی نہیں دیتا تھا۔ اسی لیے وہ لوگوں کی نظروں میں بہت نیک آدمی تھا۔ یہ تو اس کا ظاہر تھا جس سے محلے والے واقف تھے اور اس کا باطن کیا تھا یہ صرف دو لوگ ہی جانتے تھے۔ دانش اور حنا..... اور وہ خود.....

☆☆☆  
راشد علی اپنے فون پر لگا ہوا تھا۔ حنا کچن سمیٹ رہی تھی، کچن سمیٹ کر حنا نے بچوں کے یونیفارم پر لیس کیے اور وضو کر کے لیٹ گئی۔

”آج کا دن کیسا گرا آپ کا؟“ حنا کی بات پر راشد علی نے ذرا کی ذرا نگاہ حنا پر ڈالی اور پھر سے اپنے فون میں لگ گیا۔

”دو دن ہو گئے جی والا بلب ٹوٹ رہا ہے مجھے سمجھ نہیں آتی۔“ راشد علی چونکا تھا۔

”بچے بہت شرارتی ہیں کوئی تو ڈیگیا ہوگا گیند مار کے باہر پھرتے۔“ راشد نے دلی سے کہا۔

”مگر آدمی رات کو بچوں کا جلی میں آکر بلب توڑنا ممکن نہیں ہے۔ بات کچھ جچی نہیں۔“ حنا ہنوز اسی نکتے پر لگی ہوئی تھی۔

”مجھے پتا ہے یہ حرکت کون کر سکتا ہے۔“ راشد علی نے تجسس پھیلا دیا۔

”کون؟“ وہ چونکی۔

”دانش، یہ کام دانش ہی کر سکتا ہے ایسی گری ہوئی حرکت اور بھلا کون کرے گا۔“ راشد نے ایسے کہا جیسے اسے پکا یقین ہو۔

”مگر وہ ایسا کیوں کریں گے، ان کو بلب توڑ کر بھلا کیا ملے گا۔“ حنا کا دل مان ہی نہیں سکتا تھا۔

”ہے کوئی وجہ..... ہر بات غور تو کرنا ہوتی۔“

”دیں مان ہی نہیں سکتی۔ پوری بات بتائیں ہو سکتا ہے بات میرے دل کو لگ جائے۔“ حنا نے جان بوجھ کر راشد علی کو اسیا۔

”دانش رات میں کسی عورت سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے اس لیے جاتے ہوئے بلب توڑ جاتا ہے تاکہ اسے کوئی اس کے گھر جانا نہ دیکھ سکے۔“ راشد علی کی بات ساری من گھڑت تھی حنا یہ اچھی طرح جانتی تھی۔

”کون سی عورت؟“ حنا نے پوچھا۔

”دیں چھوڑو۔ اللہ کسی کارزار رکھنے کی تلقین کرتا ہے دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالنے کا حکم ہے تو میں کیوں غیبت کروں۔“ اب بات کر کے اسے اللہ یاد آ رہا تھا۔ حنا نے ٹانف سے راشد علی کو دیکھا کوئی کسی کی نفرت میں اتنا بھی گر سکتا ہے کہ بیتان بازی پر ہی اتر آئے۔

”اچھا بھئی..... میں تو اب سوئی ہوں۔“ وہ جان بوجھ کر سوئی بن گئی، اسے راشد علی کی بات پر بہت دکھ ہوا تھا۔ دانش کتنے مضبوط کردار کا مالک تھا وہ اچھی طرح جانتی تھی۔

راشد علی فون چار جگہ پر لگا کے سو گیا تھا..... حنا جاگ رہی تھی اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس نے راشد علی کے فون سے اپنی ان کی کانبر لیا تھا اور کچھ دیر ان سے باتیں کرتی رہی۔ وہ بھی جاگ رہی تھیں۔

حنا کچھ اپنی اور ٹوٹنے کے بارے میں جانتی تھی وہ ان کی مدد سے راشد علی کے سوا بائل سے وہ سارا ڈیٹا ریکارڈ کر کے دیکھ لیتی تھی جو راشد علی سوتے ہوئے ڈیلیٹ کر کے سوتا تھا..... گو کہ اس کو حنا کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا وہ بہت بے ضروری بندی تھی مگر پھر بھی حفظ ماقدم کے طور پر وہ ڈیٹا ڈیلیٹ کرنا نہیں بھولتا تھا۔

حنا جوں، جوں راشد کا ڈیٹا دیکھ اور پڑھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ زہر لب استغفر اللہ پڑھے جا رہی تھی۔ نہ جانے کسی، کیسی اخلاق سوزیڈ پڑے۔ کیسے، کیسے اخلاق سے گرے ہوئے میجر۔

نہ جانے کتنی عورتوں سے اس کے مراسم تھے۔ حنا نے دوبارہ سارا ڈیٹا ڈیلیٹ کیا اور فون چار جگہ پر لگا دیا۔ کچھ میسر نہ ہوا حنا کی کافی الجھنیں سلجھ دی تھیں۔ وہ پڑھ کر سو گئی تھی۔

تجدید کی نماز کے لیے جیسے ہی راشد علی اٹھا، حنا بھی جاگ گئی راشد علی کمر..... سے نکلا کر کمرے والے والے، اثر،

ماہنامہ پ کیڑہ۔

روم میں کھس گیا۔ حنا نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھ گئی۔

وہ کی چوکس فوجی کی طرح حجت پر ایسی جگہ پر کھڑی ہو گئی جہاں سے اسے کوئی نہ دیکھ سکے مگر وہ جلی میں آنے والے ہر بندے کو دیکھ سکتی تھی جلی میں چاروں اور دو سیاروشی پھیلی ہوئی تھی۔ دور، دور تک کی ذی روح کا نام و نشان نہیں تھا بھی سامنے والے گھر سے کوئی عورت لیا سا ڈنڈا ہاتھ میں پکڑے جلی میں نکلی تھی اس نے پتلی جلی میں کھس گیا۔

پھر زور سے بلب پر ڈنڈا مارا تھا بلب اچک چٹا کے سے ٹوٹ کر زمین یوں ہو گیا۔ ایک ساعت گزری جیسا چھتا چھن ہو کر شور مچ گیا، راشد علی گھر سے نکلا اور اسی سامنے والے گھر میں کھس گیا جہاں سے عورت نکلی تھی۔ پتلی جلی میں اب گھب اندھیرا تھا۔ رات بیچ پر طے پانے والا پروگرام مکمل ہو گیا تھا۔

حنا کو اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہوئی تھی وہ نکھرے حواسوں کو بحال کرنی سیڑھیاں اترنے لگی۔ سانس ساکن تھی۔ فضا میں ٹھنسی رچ بس گئی تھی۔

اس رات نیند حنا کی آنکھوں پر مہربان ہو ہی نہیں سکی تھی اس نے وضو کیا تجدد بڑی پھر بیچ کرتے ہوئے چاچا کریم بخش کا انتظار کرنے لگی، اسے رات کے لیے بہت انوس تھا کہ وہ چاچا کو سب چھوڑنے نہیں جا سکی تھی۔

☆ ☆ ☆  
اگلی رات کا واقعہ ہے جیسے ہی راشد علی تجدد کے بہانے اٹھا حنا نے اس کی طرف کر دت بدلی۔

”بات سنیں راشد علی اس طرح اپنی حق حلال کی کمانی کو چار ہاتھوں سے لٹانا بند کر دیں۔“ حنا کا لہجہ ساٹ تھا۔

”کیا مطلب چار ہاتھ؟“ راشد علی کو جانے کی جلدی تھی۔

”چار قدم کا ہی تو فاصلہ ہے پتلی کی جلی ہے۔ بلب بہت مہنگے ہو گئے ہیں۔ کرن سے کیسے گا کہ بلب توڑنا اب بند کر دے۔“ حنا نے کر دت بدلی دوا آنسو پلوں کی بات تو کر کر سیکے میں بیوسٹ ہو گئے۔ اس نے یہ دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا کہ اس ”ہنرمند“ کے چہرے پر کیا، کیا رنگ آ کے گزر رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

ماہنامہ پ کیڑہ۔





منفی ناول

قصہ دل

شبینگل



یاںچوان حصہ

دھول اڑتی رہی  
دیوتا کے پجاری کنارے کھڑے ہاتھ ملتے رہے  
اور اندھی پجاریں  
کسی پڑ کو دیوتا جان کر  
اس کی شاخوں سے پیلی نہری جاگتی  
ڈوریاں باندھتی رہ گئی

☆☆☆

”کل اگر تم میرے گھر نہ آئیں تو والدین پرانی

جا کے اندھی پجاریں کو پیغام دے  
اس کا مندر گیا، دیوتا مر گیا  
اس کے مندر میں کل شام ہوتے ہی  
بدست پر یوں کا میل لگا گیا  
خوب جھوٹا گیا، خوب گایا گیا  
دیوتا اور خواتین شریوں کے نقشے میں ڈھت  
ساری پر یوں کی بانہوں میں آیا گیا  
عشر ہوئے رہے، رقص چلتے رہے

© 2022



## قصہ دل

میں یہیں سے تمہیں لے لوں گا۔“ وہ جناح سپر میں گھومتی رہی، اسے زیادہ تر جوتوں اور بیگز کا شوق تھا اس لیے اس نے وہی خریدے اور حسب وعدہ ہمایوں ایک گھنٹے بعد اس کے پاس تھا۔ پیزا اٹھ سے پیزا کھلا کر وہ اسے لیے دامن کوہ چلا گیا۔ نومبر کے مہینے کی خوشگواریت، اسلام آباد کا حسین موسم اور دامن کوہ کے نظارے، من پسند ہم سفر کے ہمراہ..... وہ تو بن چھے مدہوش تھی۔ وہاں آئس کریم کھاتے ہوئے اسے بادشاہ کے دربار کے جیسی محی ہوئی پان کی دکان نظر آئی تو وہ ہل گئی۔

”ہمایوں میں نے پان کھاتا ہے۔“ اسے پان دلا کر وہ دونوں آگے بڑھے تو ایک شخص رباب پر جی بی شیرینے کی دھن بجاتا نظر آیا۔

”انکل پلیز! میرے لیے رورورازا کی دھن بجا دیں۔“ وہ شخص مسکرا دیا لیکن ہمایوں نے اسے ٹوکا۔

”ایک منٹ، میں بتاتا ہوں کون سی دھن بجانا ہے۔ ظالم نظروں سے تم نہ مجھ کو دیکھو مڑ جاؤں گا..... او جان جاناں مڑ جاؤں گا۔“ ہمایوں نے اتنی عمر کی سے گانا گایا کہ آس پاس کے لوگ بھی مڑ کر دیکھنے لگے۔

پھر ہمایوں نے گایا اور اس شخص نے رباب بجایا، سیر کے لیے آئے سارے لوگ ان دونوں کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے۔ ہمایوں سو جان سے فدا ہو گئی..... ماحول مزید سحر انگیز نکلنے لگا۔ ہمایوں کو لگا کہ دنیا میں اس سے زیادہ خوش قسمت کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔

اس کے بعد اس نے جوم کی فرمائش پر کچھ اور خوب صورت گانے گائے اور رباب والے شخص نے ساتھ ساتھ دھن بجائی۔ دوپٹو گیت اور ایک اردو گیت گا کر بالآخر اس نے سب سے معذرت کر کے آگے قدم بڑھائے تو ایک سوئڈ بوئڈ شخص نے ہمایوں کا راستہ روکا۔ ہمایوں کو وہ شخص کچھ جانا پہچانا سا لگا۔

”ہے، یک مین! کیا تم مجھے اپنا رابطہ نمبر دو گے؟“ ہمایوں نے بھوس سیکڑ کر اسے دیکھا پھر جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اعتماد سے پوچھا۔

”وہ کس لیے؟“

کوہر نے پرتوجہ دینے لگیں۔ ”ماہین لب بھیج کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔“

”میں بے بس ہوں زارا! سمجھنے کی کوشش کرو، پلیز مجھ سے ناراض مت ہونا ہم پرسوں ملیں گے.....“ زارا نے دکھ سے دامنیں بائیں سر ہلایا۔

”کیا واقعی تمہیں میری خطگی کی پروا ہے؟“ ماہین زور سے جھیر ہلانے لگی۔

”ہے زارا! اگر میں ہمایوں کو بھی ناراض نہیں کر سکتی۔“ ماہی! محبت بے بس نہیں کرتی، محبت تو طاقت دیتی ہے۔ جبکہ تم اس کی محبت کے آگے بے بس ہو کر مٹی جاری ہو۔ تم ہم نہیں رہیں، یہ کسی محبت ہے جس نے تمہارا وجود ہی فنا کر دیا تمہاری ذات کی اس کے آگے کوئی اہمیت ہی نہیں..... تم اس کی محبت ہو یا جاگیر؟“

”پلیز..... اسے اس طرح جج مت کرو.....“ ماہین نے انگلی اٹھا کر اسے تنبیہ کی تو وہ جھمد ہو گئی پھر ایک جھٹکے سے نکل گئی۔

”اسے میں بعد میں منالوں کی.....“ ماہین نے سوچا اور پھر سے ہمایوں کو کال ملانے لگی۔

☆ ☆ ☆

اگلی صبح وہ ہمایوں کے ہمراہ تھی، بلیو جینز پر بائیں کرین کرتی پہنے، بڑی بڑی آنکھوں کو مسکارا اور لائٹ سے جگمگاتی ہوئی، ہمایوں کے پہلو میں پراعتاد سی.....

”خوب صورت لگ رہی ہو.....“

”شکریہ..... اور تم بھی.....“ وہ اسے نظروں میں

بسا کر بولی، ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھالتے ہوئے ہمایوں نے دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھام لیا تو وہ بالوں کے رنگ اڑنے لگی۔ ذومعنی باتیں، معنی خیز حرکتیں، ماہین اندر ہی اندر شرم سے سمٹ رہی تھی۔ ماضی قریب میں اس نے ماہین کے دل پر اپنے اعتبار کی جھجکائی تھی، اسی کو تھامے اس نے چند قدم بڑھائے اور ماہین کو بالکل برا نہیں لگا۔ اسلام آباد پہنچ کر اس نے ماہین کو اپنا کر کیڑا لارڈز کے رجنل سپر مارکیٹ میں اتار دیا۔

”مجھے بس ایک گھنٹا لگے گا، تم تب تک شاپنگ کرو

الفاظ کے ساتھ ہی اس نے کال بند کر دی، وہ ایسا ہی تھا۔ خود پسند، انا پرست اور آمر۔ ماہین کی جان پر بن آئی، اس نے واپس کال کی تو موبائل بند ملا، اس کے بعد وہ ایک گھنٹے تک فون کرتی رہی لیکن موبائل بند ملا رہا۔ بالآخر تھک ہار کر اس نے میسج بھیجا۔

”ہمایوں اب معاف کر دو، میں تمہارے ساتھ ہی جاؤں گی، پلیز ناراض مت ہو، میں نے زارا کو منع کر دیا ہے۔“ ساتھ ہی اس نے زارا کو بھی میسج کر دیا۔

”سوری زارا..... کل ایک بہت ضروری کام آ پڑا ہے، ہم پرسوں ملیں گے۔“

”خیریت..... کیا ہوا.....؟“ زارا نے فوراً پوچھا۔

”ہمایوں کے ساتھ کہیں جانا ہے، بہت ضروری کام سے۔ پرسوں بتاؤں گی۔“ اس کے بعد زارا کا کوئی جواب نہ آیا، چندرہ منٹ بعد وہ خود آ گئی۔

”یہ کیا ہو اس بے ماہی؟“ ماہین جو موبائل ہاتھ میں لیے مستل ہمایوں کو فون کرنے کی کوشش کر رہی تھی، بری طرح چوگی۔

”کیا ہوا یار..... ذرا ہی دیا۔“ وہ چند لمبے کڑی نظروں سے ماہین کو گھورتی رہی، اس نے خائف ہو کر سر جھکا لیا۔

”تمہیں کیا ہو گیا ہے ماہی، تم کیوں اس شخص کے ہاتھوں کھپتلی بنی ہوئی ہو؟“ ماہین نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔

”زارا پلیز! اس کے بارے میں اس انداز میں بات مت کیا کرو، میں بالکل برداشت نہیں کر سکتی۔“

زارا نے دکھ سے اسے دیکھا پھر اس کی شرٹ کو۔ ماہین نے کالی جینز کے ساتھ گلابی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی جس پر انگریزی میں ”ہم..... ماہی کے الفاظ اس نے خود پیٹت کیے ہوئے تھے۔ محبت کا کھلم کھلا اظہار اور اعتراف۔

”کیا اب ہماری دوستی کی کوئی اہمیت نہیں رہی؟“ کیا ہماری اتنے سالوں پرانی دوستی اتنی ہلکی پڑ گئی ہے کہ اگر ہر ہمایوں کا محبت ساوی ہوگا اور تم اس کی محبت

دوستی ختم سمجھو۔“ اسائنمنٹ بناتے بناتے موبائل پر میسج سیپ سے چونک کر اس نے ان پاکس کھولا تو زارا کا میسج تھا، وہ مسکرائی پھر چند لمبے سوچ کر جواب دیا۔

”او کے سوئیٹنگل کی شام تمہارے نام..... بلکہ میں کالج سے واپس آتے ہی کپڑے بدل کر تمہارے گھر آ جاؤں گی۔ آئی سے کہہ کر مزید ارسا کھانا بنواؤ، دوپہر کا کھانا تمہارے ساتھ ہی ہوگا اور شام میں کہیں باہر چلیں گے کھانے کے لیے۔“ ماہین نے میسج بھیجا ہی تھا کہ ہمایوں کی کالی آنے لگی۔ اب اسائنمنٹ میں دل لگانا نامکن تھا، اس نے مسکراتے ہوئے کال اٹھائی تو دوسری طرف ہمایوں نے چھوٹے ہی کہا۔

”میرے ساتھ اسلام آباد چلو گی؟“ ماہین نے موبائل کان سے ہٹا کر اچنبھے سے گھورا پھر بولی۔

”اسلام آباد..... خیریت.....؟“

”ایک چھوٹا سا کام ہے، اکیلے سفر کرنا مجھے ہمیشہ بہت مشکل لگتا ہے۔ تم ساتھ ہو گی تو سفر خوشگوار ہو جائے گا، کام کے بعد اسلام آباد میں تھوڑی سی آؤٹنگ بھی کر لیں گے پھر شام تک واپس ہو جائے گی۔“ اور ماہین کریم جھوم گئی۔

”او کے جانا کب ہے؟“

”کل صبح آٹھ بجے نکلیں گے، دفتری اوقات میں کام نہ ٹھاتا ہے۔“ اور ماہین انک گئی۔

”کل..... صبح..... سے شام..... کل ہی ضروری ہے کیا.....؟“

”کیوں..... کل کیا مسئلہ ہے.....؟“ ماہین ہونٹ کاٹنے لگی۔

”ہمایوں کل میرا زارا کے ساتھ دن گزارنے کا وعدہ ہوا ہے۔“ وہ چند لمبے بالکل خاموش ہو گیا۔

”تمہارا زندگی گزارنے کا وعدہ کس کے ساتھ ہے؟“ اس کا لہجہ اجنبیت سے پرتھا۔ ماہین کا رنگ پیکا پڑ گیا۔

”ظاہر ہے تمہارے ساتھ ہمایوں۔“

”تو پھر تم فیصلہ کر لو کس کے ساتھ جانا ہے۔“ ان



”میں تنہا عادل ہوں۔ ڈریم ورلڈ پر وڈ کسٹرز کا چیف ایگزیکٹو۔“ ہمایوں اور مایین دونوں بری طرح چونکے۔  
”مجھے تم میں صلاحیت نظر آتی ہے، تم خوب صورت ہو، بلڈ ہو اور تم میں کافی ساری صلاحیتیں ایسی ہیں جن سے تم خود بھی واقف نہیں لیکن میری نگاہ نے ہیرا پرکھ لیا ہے۔ تم شہر کا چمکا ستارہ بن سکتے ہو اگر تم چاہو تو۔۔۔۔۔“  
ساتھ ہی اس نے جب سے کارڈ نکال کر آگے بڑھایا۔  
”دیکھ لو، اچھی طرح سوچنا اور پھر سوچ کر جواب دینا۔ ویسے تمہارا نام کیا ہے بیک مین؟“ ہمایوں نے مسکراتے ہوئے کارڈ لیا اور بڑے میں رکھتے ہوئے اپنا نام بتایا۔ تنہا عادل اس کا کندھا تھپتھپاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ چند لمحے دونوں ساکت کھڑے رہے پھر مایین اس کی طرف مڑی اور سحر زدہ انداز میں بولی۔  
”واؤ یار۔۔۔ کیا قسمت ہے۔۔۔۔۔“ ہمایوں تہقہ لگا کر نہیں دیا۔

”تم ضرور کوشش کرو ہمایوں۔۔۔۔۔“ مایین کی بات پر وہ ایک بار پھر ہنسا۔  
”دیکھتے ہیں فی الحال تو ہم میرے چار رہے ہیں۔“ اس نے واپسی کے لیے قدم بڑھائے تو مایین بھی ہم قدم ہو گئی۔  
”وہ کس لیے؟“

”پہلے تو کھانا کھاؤ گے پھر اس کے بعد ایک کمرہ لے کر تھوڑا سا آرام کریں گے۔ صبح سے مسلسل حرکت میں ہوں اتنا لمبا سفر کر کے آئے ہیں اور اب اتنا ہی واپسی کا بھی سفر ہے اس لیے کچھ آرام تو ضروری ہے۔“  
”کمرہ۔۔۔۔۔ اور میں کیا کروں گی اتنی دیر؟“  
”تم بھی آرام کرنا پھر تازہ دم ہو کر شام کو نکلیں گے۔“  
وہ بارگاہ میں کھڑے تھے۔ مایین کا رنگ اڑ گیا۔ ہمایوں نے گہری سانس کے تاثرات کو جانچا۔

”بیوقوف مت بنو مایین! میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تمہیں کوئی بے انتہائی ہے تو میں تمہارے لیے الگ کمرہ ایک کروالین ہوں لیکن یوں ہوتی بن کر مجھے میری نظروں میں مت گراؤ۔“ وہ خراب موڈ میں

تیز، تیز بولا تو مایین کے ہوش اڑ گئے۔ فائبر اشار ہوئی کا کمر اکٹھا ہونگا ہوگا اسے بخوبی اندازہ تھا۔ وہ استطاعت رکھتا تھا، یہ بھی وہ جانتی تھی لیکن وہ اس کی ناراضی کی استطاعت نہیں رکھتی تھی۔  
”آ۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے ہمایوں۔۔۔۔۔ میں تو بس یہ سوچ رہی تھی کہ کہیں ہم واپسی کے لیے لیٹ نہ ہو جائیں۔“ ہمایوں نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ کنسٹریٹس سے رات باہر ایک بچے گھر واپس جانے والی لڑکی کو مغرب یا عشا ہو جانے سے کیا خوف۔۔۔۔۔

ہمایوں کے ماتھے کے بل اسے اپنی زندگی پر سلوٹ کی طرح لگتے تھے وہ بالکل خاموش ہو گئی اور ہول بچنے تک وہ بھی تارل ہو چکا تھا۔ انہوں نے خوشگوار ماحول میں دوپہر کا کھانا کھایا اور پھر کمرے میں آ گئے۔ تہائی کے ان لمحات سے شری رشتے میں بندھی لڑکی بھی گھبراتی ہے پھر اس کا تو ہمایوں سے کوئی رشتہ بھی نہیں تھا، وہ کیوں نہ گھبراتی۔ ہمایوں بستر پر لیٹ گیا تو وہ بڑی سی کھڑکی کے آگے جا کر کھڑی ہو گئی۔ پانچویں منزل پر واقع اس کمرے کی کھڑکی سے مارگلہ کی پہاڑیوں کا نظارہ اس قدر خوب صورت تھا کہ وہ مبہوت ہو گئی۔ وہ پہلی بار اسلام آباد آئی تھی اور پہلی ہی بار ایسے حسین نظارے دیکھ کر مرعوب ہو رہی تھی۔ اس نے غل اس نے صرف زبانی تعریفیں ہی نہیں، اس کی کلاں فلیوینش کا انھیال اسلام آباد میں تھا، وہی یہاں کی خوب صورتی کے سن گاتی تھی۔ اسے بیش پر رشک آیا جو ہر دوسرے منجھے اسلام آباد آتی تھی اور گرمیوں کی تمام چٹیاں بھی یہیں گزارتی تھی۔ ان سوچوں میں گم وہ ہمایوں کی موجودگی کو یکسر فراموش کر گئی۔ جب ہی اسے اپنے کندھے پر ایک مضبوط لمس کا احساس ہوا، وہ چونک کر مڑی۔

☆☆☆  
”علینہ یار! آج تم بھی اپنے دل کا قصہ سننا چاہو؟“ وہ لاٹھری میں اپنے کپڑے دھونے لگی تو پہلے سے کپڑے دھوتی شیریں اس سے اسے اصرار کیا۔

کرنے لگی اور اس کے بعد براہ راست یہ سوال کر دیا۔  
علینہ تہقہ لگا کر ہنس دی۔ اس کا تعلق ایسٹ آباد کے ایک لبرل اور ماڈرن خاندان سے تھا جس میں سب شادیاں لبرل اور لڑکی کی پسند پر طے کی جاتی تھیں۔ علینہ نے بچپن میں پانی بھر کر واشنگ پاؤڈر ڈالا اور بولی۔  
”کچھ خاص نہیں یار، بس کرن اور صائمہ زیادہ بڑھادی ہیں ہر بات کو۔“ شیریں کپڑے رگڑ رہی تھی۔  
”رائی ہوتی ہے تو پہاڑ بنتا ہے ناں پیاری۔۔۔۔۔“  
علینہ اس کی مثال پر ہنس دی حالانکہ یہ بالکل غلط مثال ہوتی ہے۔ رائی کے دانے اٹنے چھوٹے اور گول ہوتے ہیں کہ ایک جگہ ٹھہرتے ہی نہیں سو پہاڑ تو کیا سخی پہاڑی بھی نہیں بن پانی پھر کپڑے نب میں بھگو کر اس کی طرف مڑی۔

”بات صرف اتنی سی ہے کہ حسن اور انظہر دونوں میرے فرسٹ کزنز ہیں اور دونوں ہی مجھے پسند کرتے ہیں لیکن میں صرف حسن کو پسند کرتی ہوں۔“  
”یعنی تم حسن سے شادی کرو گی؟“ شیریں کپڑے کھگالتے ہوئے بولی تو جھاگ سے عینک علینہ کے چہرے پر پراسرار سی مسکراہٹ ٹھہر گئی۔  
”نہیں، میں اس سے شادی کروں گی جس سے میرے می پاپا کہیں گے۔“ شیریں ٹھٹک گئی، اسے صاف محسوس ہوا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔

”تمہارے خاندان میں تو شادیاں اولاد کی پسند سے طے کی جاتی ہیں اور تم والدین کی پسند پر سر جھکا دو گی؟“ وہ اس کے طنز پر ہنس دی مگر جواب نہیں دیا۔  
”اور اگر تمہارے والدین نے انظہر کو چن لیا، تب حسن شکوہ نہیں کرے گا؟ یہ بے وفائی نہیں ہو گی؟“  
پندہ کی کا پتا ہے لیکن میں نے خود اپنے منہ سے اس کے پاس کے بھی سامنے کسی اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا۔“ شیریں نے الجھ کر اسے دیکھا۔ لڑکی اس کی کچھ سے باہر تھی، بظاہر سادہ اور شوخ نظر آنے والی

جیسے وہ دل کی ہر بات کہہ دیتی ہے لیکن درحقیقت وہ دل کے اندر کی کو جھانکنے بھی نہیں دیتی۔

☆☆☆  
زئیرا کی سرہنس سے منگنی کی خبر کانچ لگ اور اکیڑی دونوں جگہ تیزی سے پھیلی اور لڑکیوں کو بات کرنے کے لیے ایک چٹ پٹا موضوع مل گیا۔ چند دن سب نے اس موضوع کو اچھالا، زئیرا پریشان ہو گئی لیکن فارحہ نے اسے سمجھایا۔

”تم جتنی وضاحتیں دو گی اتنی بات بڑھتی اور یقین کوئی بھی نہیں کرے گا، اس لیے بہتر ہے کہ تم اس معاملے میں خاموشی اختیار کر لو۔ یہ سب لڑکیاں وہی ہیں جو خود سرہنس کے پیچھے پاگل تھیں اور کئی کئی سو کجبت ناسے تک دے چکی تھیں اس لیے اب ظاہر ہے کہ ان سے کیوں برداشت ہو گا یہ سب۔ اس لیے تم ہی برداشت کر لو، کب تک بولیں گی آخر خود ہی خاموش ہو جائیں گی۔“ اور فارحہ کی بات سچ ثابت ہوئی، کچھ عرصہ بول کر سبھی بھول بھال لگیں اور سب کچھ پہلے جیسا ہو گیا۔

☆☆☆  
وقت تیزی سے گزر رہا تھا، دسمبر شروع ہو چکا تھا۔ ماویٰ کری ایئرٹ سوسائٹی میں اپنی صلاحیتوں کے جھنڈے گاڑ رہی تھی، ہر فنکشن کے لیے اپنا راج کو اس کے بنائے ڈیزائن ہی پسند آتے اور وہ اس کی گرویدہ اور باقی ممبرز حاسد ہونے لگیں۔ پرنس نے وعدہ کیا تھا کہ اگلے سال جب سب ممبرز کو سوسائٹی ممبر شپ کے شیفٹ دیے جائیں گے تب ماویٰ کو اس کی صلاحیتوں کے اعتراف میں ایک اضافی شیفٹ دیا جائے گا۔ فردری میں کانچ کا سب سے عظیم الشان فنکشن یعنی مینا بازار متوقع تھا جس میں سب کے لیے مخصوص داخلہ ٹکٹ رکھ کر دعوت نامہ دیا جاتا تھا۔ مینا کنال پر محیط لان عورتوں سے کھجکھج بھر جایا کرتا، مینا بازار کا خاص پروگرام درائی شو جس کے لیے کانچ ہال



ہی خاص ہوتا۔ انچارج میم انجمن نے تمام سوسائٹی ممبرز کو دسبر کی چٹھوں کے بعد اپنے ڈیزائن بنا کر لانے کا کہا تھا۔ پہلے سال میں ان سب نے بہت کم لطف اٹھایا تھا لیکن اب دوسرے سال میں لڑکیاں مینا بازار کے لیے بہت پرجوش تھیں۔

☆☆☆

مسز سعیدہ نظام نے اسے اپنے دفتر میں بلایا، میگزین کا کام چل رہا تھا اور تمام ڈسٹے واری فارحہ پر تھی اسی لیے وہ بھی کہ میگزین کے حوالے سے ہی میم کوئی بات کرنا چاہ رہی ہوں گی۔ لیکن ان کی بات سن کر اس کا دماغ جھک سے اڑ گیا۔

”آپ نے آنے والے تقریری مقابلے میں کپیرنگ کرنی ہے، میں نے ثمرانہ کو آپ کا نام لکھوا دیا ہے، آپ تیاری شروع کر دیں۔“

”میم کپیرنگ، اور میں؟ میں کیسے کروں گی، مجھے تو اس خوف آتا ہے میں نے بھی نہیں کی کپیرنگ، میم سارا فنکشن خراب ہو جائے گا۔“ مسز سعیدہ نے عینک اتار کر گہری نظروں سے اسے دیکھا پھر اپنے ازلی نرم انداز میں بولیں۔

”اتار کر پھینک دو اپنی شرم اور جھجک اور خود کو آگے لاؤ بیٹا، اب نہیں تو پھر کب؟ یہ کوئی انوکھا کام نہیں سب کرتے ہیں تم بھی کر لو گی۔ اپنی صلاحیتوں کو باہر نکالو دنیا کے سامنے لاؤ، میں جانتی ہوں تم بہت اچھی کپیرنگ کرو گی، بلاوجہ ڈرتی ہو۔“ فارحہ انگلیاں رگڑنے لگی۔

”میم! آپ نے نازش یا سطوت کو کیوں نہیں کہا، وہ ماہر ہیں کپیرنگ میں۔“

”میں جانتی ہوں۔ مگر نازش وراثی شوز کے لیے بہترین انتخاب ہے اور سطوت ظفر و حواج والے پروگرامز کے لیے۔ وہ دونوں ہی سنجیدہ فنکشنز کے لیے موزوں نہیں۔“ وہ جانتی تھی کہ مسز سعیدہ نظام اسے آگے لانا چاہتی ہیں، وہ جانتی تھی کہ انہیں اس پر اپنی بیٹیوں جیسا مان ہے اور بس وہ ان کا مان نہیں توڑ سکتی تھیں، لہذا وہ تو مجھ کے لیے اسے آگے لے چکی تھیں۔

ذہن میں بٹھا کر اس نے تیاری کی اور اسٹیج پر پہنچ گئی، ابتدائی کلمات ادا کرتے ہوئے وہ پسینے میں شرابور ہو گئی اور رنگت سرخ پڑ گئی۔ لیکن وہ تمہیدی کلمات کے بعد قرأت کا اعلان کر کے اتر گئی۔ اسٹیج کے پیچھے جا کر اس نے منہ دھویا، پانی پیا اور فیس بک لگا کر قرأت مکمل ہونے تک بالکل نارمل ہو گئی اور اس کے بعد وہ بھی بار اسٹیج پر چڑھی، اس کا اعتماد بڑھتا چلا گیا۔ یوں اس نے کپیرنگ کا میدان بھی فتح کر لیا۔ مسز سعیدہ نظام نے سچ کہا تھا کہ انسان اپنے اندر کے خوف کو شکست دے، دے تو وہ ساری دنیا فتح کر سکتا ہے۔ ان کی بدولت فارحہ نے اپنے اندر کے خوف کو شکست دے دی تھی، اب صرف فتوحات کی طرف بڑھنا تھا۔

☆☆☆

”باہر ایسا کیا ہے جو تم مجھے بھی فراموش کر گئیں؟“ (مدہوشی)

”مم۔۔۔۔۔ موسم۔۔۔۔۔ کتنا پیارا ہے ناں۔۔۔۔۔“ (گھبراہٹ)

”تم سے زیادہ تو نہیں۔۔۔۔۔“ (سرگوشی)

”پلیز۔۔۔۔۔“ (الہجہ)

”انتا ڈرتی کیوں ہو۔۔۔۔۔؟“ (چیش قدی)

”نیچے چلے ہیں ناں۔۔۔۔۔“ (مزاحمت)

”مجھے اپنی حدود کا پورا احساس ہے۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں، تمہیں پامال نہیں کروں گا۔“ (سہلا دادی)

”مجھ پر اعتبار کرو، مجھے بار بار کہا کیوں پڑتا ہے۔“ (دوسرا دادی)

”تم صرف میری ہو۔۔۔۔۔“ (تیسرا دادی)

”تم ہو ہی اتنی دلکش کہ میں خود کو روکوں بھی تو کیسے؟“ (آخری دادی)

اور ماہین کریم پانی بن کر بہہ گئی۔ ایک اور حد ٹوٹ کر چکنا چور ہوئی اور وہ چپٹا ناظر ہو گئی۔ اسے واقعی حدود کا احساس تھا۔ وہ ایک، ایک قدم بڑھا کر ایک ایک حد توڑتا تھا۔ ٹھنڈا کر کے کھاتا تھا۔ اسے کہ وہ محض بھوکے پیاسے انسان کی مانند نہ رہے۔

## قصہ دل

بہنی لڑکے تھے لیکن وہ سرالیوں سے عناد پالنے والے رواجی مرد نہیں تھے۔ اس لیے یاسر کے رشتے پر خوش اور راضی تھے مگر جب ماہین کو بتایا تو وہ مجھے سے انگریزی۔

”امی آپ تو سب جانتی ہیں پھر۔۔۔۔۔“ وہ اسی کے کمرے میں پہنچی کڑے سمیٹ رہی تھیں، ہاتھ روک کر اسے دیکھیں لگیں پھر سنجیدگی سے بولیں۔

”میں جانتی ہوں مگر تمہارے پاپا نہیں جانتے، نہ ہی میں انہیں بتا سکتی ہوں۔ ہمایوں رشتہ جیسے تو میں تمہاری خواہش بتا سکتی ہوں لیکن پتا کی پوش روکت کے میں صرف تمہارا افسر تو باپ تک نہیں پہنچا سکتی۔ رشتہ آئے تو موازنہ بنے اور اس کی خوبیوں کو ابھارا جائے، ورنہ تو یاسر سب پر بھاری ہے۔“ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

امی کی باتیں درست تھیں، اس نے فوراً ہمایوں سے رابطہ کیا اور اسے ملنے بلایا۔ اسی شام وہ ریسٹورنٹ میں اس کے سامنے تھا۔ اس نے یاسر کے رشتے کا فکڑ کچھڑا تو ہمایوں کا چہرہ سپاٹ ہو گیا۔ وہ شیشے کے پار دیکھنے لگا۔ چند لمحے بے تابی سے اسے دیکھنے کے بعد ماہین نے اس کا ہاتھ بلایا۔

”ہمایوں۔۔۔۔۔“ اس نے آکٹا کر ماہین کو دیکھا اور بولا۔

”دیکھو ماہین! تم شروع سے ہی میری ہر بات اور منصوبے سے واقف ہو۔ تم جانتی ہو کہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے مجھے کم از کم دس سال کا عمر محدود کرنا ہے۔ ہماری اتنی انڈر اسٹینڈنگ کا کیا فائدہ ہو اب جب تم میرے مسائل جانتے بوجھتے بھی شادی کا مسئلہ کھول کر بیٹھ گئی ہو۔ مجھے بہت پیسہ کمانا ہے، یہ دولت، یہ آسائشیں۔۔۔۔۔ سب میرے باپ کی ہیں میری نہیں۔“

ماہین انگلیاں جھٹانے لگی۔ ویٹرمینو کارڈ رکھ گیا۔

”میں نہیں ہمایوں، میرے گھر والوں کا پریشاں ہے۔“ ہمایوں نے کارڈ سے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور سنجیدگی سے بولا۔

”ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے ماہین! حال ہی میں تو تمہارا شناختی کارڈ بنایا۔ پھر بھی اگر تمہارے گھر والے تمہاری نظر سے نہ ہوں تو ہمارا لہجہ اور لہجہ نہ ہو۔“

اور ایسے کہ وہ بخوشی راضی ہو جائے۔۔۔۔۔ آگ اور تیل کا ملاپ۔۔۔۔۔ بس پھر کائنات میں جیسے اور کچھ بھی باقی نہ رہا۔ صرف ایک ماہین تھی اور ایک ہمایوں۔۔۔۔۔ یا یوں کہنا بہتر ہو گا کہ ایک عورت تھی اور ایک مرد۔۔۔۔۔ ان دونوں کے سچ موجود تعلق کو سمجھنے کے لیے کسی لغت کی ضرورت تھی نہ غیر معمولی عقل و فہم کی۔ واپسی کا سفر دونوں نے سرخوشی کے عالم میں طے کیا۔ گھر واپس آ کر بھی وہ جیسے ہمایوں کے ساتھ ہی تھی۔ گھر ہو یا کالج، وہ ہمہ دم رہتی۔ اس کے گھر والے، دوستیں اور پھر زبھی اس کی غائب دماغی کو ٹوٹ کر رہے تھے۔ نہ وہ سوسائٹی کی ڈنٹے داریوں کو وقت دے رہی تھی نہ پڑھائی کر رہی تھی۔ ٹیٹ کے نمبر خراب، اسائنمنٹس لپٹ، کلاس میں کم صم، ہوم ورک ادھورا، پرائیٹلس مکمل۔۔۔۔۔ اسے چنداں فکر نہ تھی۔ ڈرامٹک سوسائٹی کی انچارج میم زبھی اور سوسائٹی صدر حریم شہزاد اسے تنبیہ کر کے تھک گئیں لیکن اسے فرق نہیں پڑا۔ وہ سراپا ہمایوں ہو چکی تھی، اس کا اعتماد خاک ہو چکا تھا، اپنی مرضی یا خواہش دم توڑ چکی تھی۔ سچی محبت اعتماد بخشتی ہے، چھٹی نہیں۔ یہ بات وہ نہیں سمجھ رہی تھی۔

☆☆☆

اس کا ماموں زاد یا سراسر انجینئرنگ مکمل کرنے کے بعد ایک بین الاقوامی فرم میں بہت اچھی پوسٹ پر منتخب ہو گیا، ماموں مامی مٹھانی کے ساتھ ماہین کے لیے یاسر کا رشتہ بھی لے آئے۔ نعیمہ بیگم حواس باختہ ہو گئیں۔

”آبا ہم سوچ رہے ہیں کہ اگر آپ رشتہ قبول کر لیں تو فی الحال معافی کر لیتے ہیں، شادی ماہین کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد ہو جائے گی۔ پھر چاہے وہ بی ایس سی کے بعد پڑھائی چھوڑ دے یا چاہے تو ماسٹر بھی کر لے، ہمیں کوئی مسئلہ نہیں۔“ ثروت مامی نے کہا تو کریم صاحب خوش دلی سے سر ہلانے لگے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ ماہین کا ہمایوں کے ساتھ افسر ہے، یہ پریشانی صرف نعیمہ بیگم کو تھی۔ کریم صاحب کو یاسر بذات خود۔۔۔۔۔





### غزل

محبت میں غم کے فسانے بہت ہیں  
مگر راز دل کے چھپانے بہت ہیں  
چھپی ہے دلوں میں وہ جن کے کدورت  
وہ احباب میرے پرانے بہت ہیں  
یہ نفرت عداوت تمہیں ہو مبارک  
مجھے ہنسنے کے تو بہانے بہت ہیں  
میں انجان بن کر ہی ملتی ہوں سب سے  
مری بے رخی کے فسانے بہت ہیں  
مجھے کوئی شکوہ نہیں اپنے رب سے  
عطا رب کے مجھ کو خزانے بہت ہیں  
یہ دل بھولا ہی نہیں دوستوں کو  
سنتی اس کو بھی اب سکھانے بہت ہیں  
جو کہتے ہیں خود کو ابھی طفل کتب  
گفتہ وی سب سیانے بہت ہیں

عیاں کئی، کئی دن اسے میسج تک نہ کرنا۔  
☆☆☆

افشاں خان کی شادی ہوئی۔  
یہ ایک ایسی دھماکے دار خبر تھی جس نے پورے  
کانچ کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ مسلسل دو ہفتوں سے غیر حاضر  
تھی، مگر کافون کوئی نہ اٹھاتا، ماہین کے پاس جو اس کا  
موبائل نمبر تھا وہ بھی بند ملا۔ جب ہمیں سے کوئی سراغ  
نہ ملا تو پریل نے شاز یہ انیس کی خدمات لیں۔ اس  
نے اپنی مائی کے ذریعے معلومات کروائیں تو ان  
افشانات نے اس کا دماغ ہلا کر رکھ دیا۔  
”فرحان کو شاید اس پر شک ہو گیا یا کسی نے  
اسے ہڑکایا، اس نے کسی کو کوئی وجہ نہیں بتائی اور  
اسے بڑے بڑے بہن بھائیوں کو چھوڑ کر اپنے نکاح کی  
ضد پکڑ لی۔ پورا خاندان اس کی اس حرکت سے ناخوش  
ہے لیکن نہ جانے ایسا کیا ہوا کہ اس نے یوں آٹا فانا  
افشاں سے نکاح کیا اور اسے لے کر گاؤں چلا گیا۔ اس  
کی ماں روتی رہ گئی لیکن وہ اسے اپنے گھر کھینچنے پر  
راضی نہیں ہوا۔ اب وہ دونوں کو ہاٹ سے آگے ایک  
پسماندہ گاؤں میں چکی چھتوں اور دیواروں والے گھر  
میں رہ رہے ہیں جہاں چوئیس میں سے بیس گھنٹے بجلی  
نہیں ہوتی اور کھانا مٹی کے تیل کے چولہے پر پکتا ہے۔  
شہر والی کوئی عیاشی تو کیا کوئی سہولت تک وہاں دستیاب  
نہیں۔ فرحان نے پورے خاندان سے میل جول بھی  
زک کر دیا ہے۔ کسی کو کچھ خبر نہیں کہ ہوا کیا ہے اور اب  
وہ دونوں کس حال میں ہیں۔ ایک آدھ بار کوئی اس  
کے گاؤں والے گھر گیا بھی تو اس نے دروازے پر ہی  
سلام دعا کر کے لوٹا دیا۔ افشاں کی چھو اور فرحان کی  
مال روز جھولی اٹھا، اٹھا کر افشاں کو بدھائیں دیتی  
ہے۔ یہ سب سن کر شاز یہ کی راتوں کی نیندیں اڑ  
گئیں، کانچ میں جب سب کو ہٹا چلا تو ماویٰ کو خصوصاً  
لے حد دکھ ہوا۔ کئی دن تک افشاں کا قصہ زبان زد عام  
رہا لیکن پھر قصہ بے باور ہو گیا۔ اب دنیا والوں کے لیے  
ایک دن میں ہی وقت کی گزرتی ہے دھب دھب جاتا ہے

”ایسا کی شادی کے فوراً بعد می ڈیڑی عمر سے پرچلے  
جائیں گے، اب تم خود بتاؤ ایسے موقع پر میں اپنی بات  
کیسے کروں بھلا؟“ ماہین کا سارا جوش جھاک کی طرح  
بیٹھ گیا۔ ”اس لیے تم مارچ تک، می ڈیڑی کی واپسی تک  
کسی طرح معاملے کو ٹالو۔ ابھی میں کچھ نہیں کر سکتا۔“  
”اوکے۔۔۔ میں کچھ کرتی ہوں۔“ وہ پھر سے  
دھیمی پڑ گئی۔ ہمایوں چند لمحے اسے غور سے دیکھتا رہا پھر  
ایک اور پتا پھینکا۔  
”تم جانتی ہو ایسا کھر کی پہلی اولاد ہیں اور پھر  
اکھوتی بیٹی ہیں۔ اس لیے می ڈیڑی ان کی شادی کے  
انتظامات بہت بہترین چاہتے ہیں۔ میں اکھوتی بھائی  
ہوں مجھ پر بھی ہزار ڈتے داریاں ہیں اس لیے اس تمام  
عرسے میں، میں خود بھی بے حد مصروف رہوں گا۔ مجھے  
امید ہے کہ تم سمجھو تا کرو گی اور مجھ سے شکوہ نہیں کرو  
گی۔“ بس خاندان سے اس کا تعلق تھا وہاں ہر کام کے  
لیے نوکروں کی فوج حاضر رہتی۔ افراد خانہ پر مصروفیت کا  
بار۔۔۔ چھ مہینے۔۔۔ لیکن مقابل ماہین جیسی اجنبی لڑکی تھی۔  
”چلو سب بھول کر پہلے تم سینڈوچز کھاؤ۔ پھر  
تمہارے ڈریسز کے بارے میں بھی بات کرنی ہے۔“  
وہ جو سوچ میں گئی اس بات پر چونکی۔  
”میرے ڈریسز؟“ اس کی حیرت پر وہ دلکشی  
سے مسکرایا۔  
”اپنی ہونے والی اکھوتی نند کی شادی میں تم پہلی بار  
اپنے ہونے والے ساس سر سے ملو گی تمہیں کچھ خاص  
لگنا چاہیے ناں۔ جنوری میں، میں تمہیں خود اپنی پسند سے  
شاہنگ کرواؤں گا۔ میسج سینڈر اور جیولری کے علاوہ  
تین دن کے فٹکنز کے لیے تمہاری پارلر کی بلنگ بھی  
کروانی ہے۔“ وہ ساری پریشانی بھلا کر کھل کر مسکرائی۔  
”کپڑے ڈیزائنر سے۔۔۔ جو تے فلاں جگہ  
سے۔۔۔ جیولری مٹی ٹاور سے۔۔۔ اور میک اپ  
ڈیپٹیکس۔۔۔ وہ اٹھائی۔  
”منظور۔۔۔“ وہ مسکرایا۔ سو باسٹا۔۔۔ اٹھا۔ اور  
اپنے بوائے سے راتوں کی اس نند مصروف ہو

لے۔ ہم ہمیشہ اچھے دوست رہیں گے۔“ ماہین کو زور  
دار جھٹکا لگا۔  
”تم۔۔۔ تم ایسا کیسے کہہ سکتے ہو۔۔۔ تم جانتے ہو  
کہ میں۔۔۔“ آنسوؤں کی یلغار نے اسے جملہ کھل  
کرنے نہیں دیا۔ ہمایوں نے وینر کو اشارہ کر کے  
سینڈوچز اور جوس آرڈر کیا تو اس نے سر جھکا لیا۔  
ہمایوں نے دونوں بازو میز پر رکھے اور آگے ہو کر لہجے  
میں ہر پور محبت سو کر بولا۔  
”میں کب دل سے کہہ رہا ہوں میری جان۔“  
جانے اس ایک لفظ کی تاثیر میں کسی پیش ہے جو مقابل  
کو کھٹکرا کر بہا دیتی ہے۔ وہ بھی پھل کر بہ گئی۔  
”شادی کی بات نہیں ہے ہمایوں، فی الحال  
صرف مہنگی کی بات کر رہی ہوں، وہ تو ممکن ہے ناں،  
رشتہ تو میسج سکتے ہوتاں۔ میرے پاس یا سر کے رشتے  
سے انکار کا کوئی ٹھوس جواز تو ہوتاں۔“ وینر ان کا  
آرڈر لے آیا تو اس نے خود اس کی پلیٹ سے ایک  
سینڈوچ اٹھا کر زبردستی اس کے ہاتھ میں تھمایا اور بولا۔  
”اوکے، اوکے میری جان۔ سوچتے ہیں اس  
بارے میں بھی، تم پریشان مت ہو، ابھی یہ سینڈوچ کھاؤ۔  
پھر میں تمہیں ایک اچھی خبر سناتا ہوں۔“ ماہین اپنا تھکا  
بھول بھال کر اس کی اچھی خبر کے لیے تجسس ہوئی۔  
”کسی اچھی خبر۔۔۔ ابھی بتاؤ پلیز۔۔۔“ اس نے  
سینڈوچ واپس پلیٹ میں رکھ دیا تو وہ کھل کر مسکرایا۔  
اس کی سوچ کا محور کا بدل جائے، بس وہ یہی چاہتا تھا۔  
”مہک ایسا کی شادی طے ہو گئی ہے۔ ٹھیک دو ماہ  
بعد فروری میں ان کی رخصتی ہے۔“ ہمایوں نے اپنی  
اکھوتی بہن کا ذکر کر دیا تو وہ جی پڑی۔  
”اوہ مائی گاڈ! ایسا کی شادی۔۔۔ اور تم مجھے اب  
بتا رہے ہو دوسرے باز۔۔۔“ وہ زور سے ہنسا۔  
”اے رے وہ دے دیرج۔۔۔ کل ہی تو تاریخ  
طے ہوئی ہے اور آج سب سے پہلے تمہیں بتایا۔“  
”اوہ مائے گاڈ۔۔۔ میں کس قدر پرجوش ہوں  
ہاں میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔“  
”مہک مہک سا کہنا۔۔۔ دسمبر ۲۰۲۲ء“



لیکن جن پر گزرتی ہے ان کے لیے وہ ایک قصہ پوری زندگی پر محیط ہو کر راز و ناخواب بن جاتا ہے۔

”محبت کی ہر داستان کا انجام الناک ہی کیوں ہوتا ہے منزہ؟ ہر محبت کرنے والا ٹھوکر کھا کر اوندھے منہ کیوں کرتا ہے؟ نشانِ عبرت کیوں بن جاتا ہے؟“

”ماویٰ دکھ سے کہتی تو منزہ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ جاتے۔ ان دونوں کو افشاں کا نہیں، فرحان کا دکھ بڑا لگتا۔ اور یہی حقیقت بھی تھی۔“

”تو ماویٰ رو پڑی۔“

☆☆☆☆

وہ رگڑ، رگڑ کر ہاتھ دھو رہی تھی لیکن مطمئن نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے وحشت بھری نگاہوں سے واش بین کے اوپر دیوار پر نصب آئینے میں خود کو دیکھا اور پھر ہڈیانی انداز میں دونوں ہاتھ پانی سے بھر بھر کے چھپکے مار کر منہ دھونے لگی۔ پھر بھی مطمئن نہ ہوئی تو اس نے وضو کرنا شروع کر دیا۔ ہر رکن دس، دس بار ادا کیا اور کمرے میں آ گئی۔ اس کے آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے، اس نے جائے نماز بچھائی اور نفل کی نیت باندھ لی۔ اس کے آنسو سکیوں سے بچٹیوں میں بدل گئے۔ دل کا بوجھ تھا کہ لپکا ہی نہیں ہو رہا تھا۔ اس سے نماز پڑھنا مشکل ہو گیا۔ گز رہے ہوئے صرف ایک دن نے اسے بچھتاؤں کے در پر لاکھڑا کیا۔ اس نے سلام پھیرا تو کل کا سارا مشہور نظروں میں گھوم گیا۔ بہت سارے دنوں کی مصروفیت کے بعد جب ہمایوں نے اسے کال کی تو وہ خوشی سے جھوم اٹھی اور جب اس نے گھر بلایا تو وہ آرام سے چلی گئی۔ اعتبار کی میزمری پر ہمایوں کو چھوٹ دیتے، دیتے وہ بہت سی میزمریاں آرام سے عبور کر گئی، تب اسے لگا کہ یہ سب جو ہو رہا ہے یہ بہت ہی غلط ہے۔

”باتی تیار کیا مایا؟“ اس نے خود کھائی کی۔

”ہاں ایک حد رہ گئی ہے، ایک آخری حد اور وہ میں پاریں کروں گی نہ ہی کرنے دوں گی۔“ اس کی

سائنس دھوکئی کی طرح چلنے لگی۔ اس نے کس قدر مشکل سے پایا کو قائل کیا تھا کہ وہ یاسر کے رشتے سے انکار کر دیں یا وقت لے لیں۔ اور اب اسے لگنے لگا تھا کہ جس آس پر اس نے یہ سب کیا وہ آس جھوٹی ہے۔ پہلی بار اسے لگا زار اٹھیک جی تھی۔ اس کی سکیاں تھیں تو اس نے موبائل اٹھا کر ہمایوں کو کال ملائی۔

”ہمایوں مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے کہیں باہر ملو۔“

”ہاں تو آ جاؤں میرے گھر پر جان۔“ پہلی بار مایا نے اس لفظ پر کھلی نہیں، مزید پتھر ہو گئی۔

”ہمایوں پلیز! میں بہت تنگید ہوں۔ میں نے کہا کہیں باہر ملو۔“ ہمایوں کا ہاتھ ٹکا۔

”ہوا کیا ہے۔۔۔ کوئی مسئلہ ہو گیا کیا۔۔۔؟“ وہ سسک اٹھی۔

”ہمایوں پلیز۔۔۔ یہ آنکھ چوٹی کا کھیل کب تک چلے گا۔۔۔ یہ سب بہت غلط ہے۔“ اس بات پر ہمایوں بری طرح بھڑکا۔

”میں نے تمہیں کہا تھا ناں مارچ تک اس موضوع پر بات نہیں ہو سکتی۔“ مایا نے گہری سانس خارج کی۔

”اوکے۔ تو پھر یہ گھر کی ملاقاتیں بھی ختم کرو۔ میں اپنے آپ سے بہت شرمندگی محسوس کر رہی ہوں۔“ ہمایوں نے لب بچھینچے۔

”تو صاف، صاف کہو ناں کہ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں رہا۔“ اس بات پر مایا نے چیخ پڑی۔

”اعتبار۔۔۔ اعتبار۔۔۔ بس کرو ہمایوں۔۔۔ اس اعتبار کے نام پر کیا کچھ ہو چکا ہے، کیا اب بھی کچھ باقی ہے۔“ اس کے کمرے کے سامنے سے گزر کر اپنے کمرے میں جاتی فریمن نے اس کی قابو سے باہر ہوتی ہوئی آواز میں یہ جملہ سنا تو منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ وہ کئی دن سے اس کے بدلے، بدلے اطوار دیکھ رہی تھی لیکن معاملہ اس رن پر جا پہنچے گا یہ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا۔

سائنس دھوکئی کی طرح چلنے لگی۔ اس نے کس قدر مشکل سے پایا کو قائل کیا تھا کہ وہ یاسر کے رشتے سے انکار کر دیں یا وقت لے لیں۔ اور اب اسے لگنے لگا تھا کہ جس آس پر اس نے یہ سب کیا وہ آس جھوٹی ہے۔ پہلی بار اسے لگا زار اٹھیک جی تھی۔ اس کی سکیاں تھیں تو اس نے موبائل اٹھا کر ہمایوں کو کال ملائی۔

”ہمایوں مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے کہیں باہر ملو۔“

”ہاں تو آ جاؤں میرے گھر پر جان۔“ پہلی بار مایا نے اس لفظ پر کھلی نہیں، مزید پتھر ہو گئی۔

”ہمایوں پلیز! میں بہت تنگید ہوں۔ میں نے کہا کہیں باہر ملو۔“ ہمایوں کا ہاتھ ٹکا۔

”ہوا کیا ہے۔۔۔ کوئی مسئلہ ہو گیا کیا۔۔۔؟“ وہ سسک اٹھی۔

”ہمایوں پلیز۔۔۔ یہ آنکھ چوٹی کا کھیل کب تک چلے گا۔۔۔ یہ سب بہت غلط ہے۔“ اس بات پر ہمایوں بری طرح بھڑکا۔

”میں نے تمہیں کہا تھا ناں مارچ تک اس موضوع پر بات نہیں ہو سکتی۔“ مایا نے گہری سانس خارج کی۔

”اوکے۔ تو پھر یہ گھر کی ملاقاتیں بھی ختم کرو۔ میں اپنے آپ سے بہت شرمندگی محسوس کر رہی ہوں۔“ ہمایوں نے لب بچھینچے۔

”تو صاف، صاف کہو ناں کہ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں رہا۔“ اس بات پر مایا نے چیخ پڑی۔

”اعتبار۔۔۔ اعتبار۔۔۔ بس کرو ہمایوں۔۔۔ اس اعتبار کے نام پر کیا کچھ ہو چکا ہے، کیا اب بھی کچھ باقی ہے۔“ اس کے کمرے کے سامنے سے گزر کر اپنے کمرے میں جاتی فریمن نے اس کی قابو سے باہر ہوتی ہوئی آواز میں یہ جملہ سنا تو منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ وہ کئی دن سے اس کے بدلے، بدلے اطوار دیکھ رہی تھی لیکن معاملہ اس رن پر جا پہنچے گا یہ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا۔

”ہاں اب بھی بہت کچھ باقی ہے، ملو تو بتا دوں گا۔“ ہمایوں کی بات پر اسے گھن آئی لیکن اب وہ اس کی محبت سے زیادہ مجبوری بن چکا تھا۔ وہ بہ حد ضبط سے بولی۔

”تم وعدہ کرو کہ ایسا کیا شادی کے بعد قائل بات کرو گے۔“

”اوکے۔۔۔ وعدہ۔۔۔“

”دھکیر۔۔۔“ اس کے بعد وہ پھر سے پہلے جیسا ہو گیا، دن رات سبھی کرنا، اس کا خیال رکھنا، حال چال پوچھا، رومانوی شاعری بھیجنا اور شادی پر پہننے والے اس کے کپڑوں پر بات کرنا۔ بہت حوا چھوڑا موم ہو گئی۔

”پھر سے پہل گئی۔ بہت سارے دن گزر گئے تب ایک بار پھر اس نے کال کر کے اسے بلایا۔

”میں کل مارکیٹ گیا تھا تو مجھے کچھ کپڑے بہت پسند آئے، میں نے بے اختیار وہ لے لیے۔ اب تم ایسا کر دو کہ آ کر وہ کپڑے دیکھ لو، کچھ میں نے اپنی طرف سے مہک اپنا کے لیے خریدے تھے اگر تمہیں ان میں سے کوئی پسند آ گیا تو وہ بھی لے لینا۔“ فنگ کا بھی کوئی مسئلہ ہو تو بونیک والوں نے کہا ہے کہ وہ سیٹ کر دیں گے۔ پھر تم میرے ساتھ چل کر آج ہی سینڈلز اور جوتی بھی لے لو۔“ وہ راضی ہو گئی اور تیار ہونے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆☆

ہوا صرف یہ تھا کہ فرحان نے نکاح خواہ اور گواہوں کا انتظام کیا، افشاں کے بھائیوں اور باپ کو مطلع کیا اور ان کے گھر پہنچے ہی نکاح پڑھوا لیا۔ بااخذ خان اور افشاں کے بھائی اسے روکے رہ گئے، سوال کرتے رہ گئے لیکن اس نے صرف سرخ انگارے آنکھیں اٹھا کر انہیں ہاتھ کے اشارے سے روکا اور کہا۔

”اس وقت آپ سب کے لیے یہی بہتر ہے کہ مجھ سے کوئی بھی سوال کرنے کے بجائے اس نکاح کو ہو جانے دیں ورنہ بہت بڑی تباہی آ جائے گی جسے آپ نہیں پائیں گے نہ میں۔ چونکہ اس تباہی کا ذمہ دار کسی حد تک میں بھی ہوں تو اس کا ختمیہ ابھی میں ہی بھگتنا

☆☆☆☆

ہوا صرف یہ تھا کہ فرحان نے نکاح خواہ اور گواہوں کا انتظام کیا، افشاں کے بھائیوں اور باپ کو مطلع کیا اور ان کے گھر پہنچے ہی نکاح پڑھوا لیا۔ بااخذ خان اور افشاں کے بھائی اسے روکے رہ گئے، سوال کرتے رہ گئے لیکن اس نے صرف سرخ انگارے آنکھیں اٹھا کر انہیں ہاتھ کے اشارے سے روکا اور کہا۔

”اس وقت آپ سب کے لیے یہی بہتر ہے کہ مجھ سے کوئی بھی سوال کرنے کے بجائے اس نکاح کو ہو جانے دیں ورنہ بہت بڑی تباہی آ جائے گی جسے آپ نہیں پائیں گے نہ میں۔ چونکہ اس تباہی کا ذمہ دار کسی حد تک میں بھی ہوں تو اس کا ختمیہ ابھی میں ہی بھگتنا

قصہ دل

چاہتا ہوں۔ اس سے پہلے کہ تباہی کے اثرات آپ کی دلیلیز کو چھوڑیں، آپ نکاح کے لیے راضی ہو جائیں اور کوئی سوال کیے بنا ابھی خالی ہاتھ نہ نکلیں۔ میرا یقین کریں میں آج بھی صرف آپ لوگوں کا ہی مسئلہ سوچ رہا ہوں۔ آگے میرے ساتھ کیا ہوتا ہے، اس کے بارے میں ابھی کچھ نہیں سوچنا چاہتا۔ میری یہی سزا ہے۔“ اس کے بعد کسی نے کوئی سوال نہ کیا اور نکاح ہو گیا۔ نکاح کے بعد آخر بیگم نے ایک چادر افشاں کی طرف بڑھائی اور ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولیں۔

”تو نے حایت کر دکھایا کہ تو بدکردار ہے، اس معصوم فرحان پر بھی ترس نہ آیا تھے۔ میں نہیں جانتی کہ اصل بات کیا ہے۔ مگر مجھ سے فرحان کی حالت نہیں دیکھی جا رہی۔ اس پر تیرے کروتھ کل گئے ہوں گے تبھی ایسا فیصلہ کیا لیکن آفرین ہے اس پر کہ سب جانتے بوجھتے بھی تھے اپنا رہا ہے۔“ غیر متوقع طور پر افشاں اس دوران بالکل خاموش رہی، نکاح کے دوران بھی اس پر موت کی سی خاموشی طاری رہی، گو کہ وہ نہیں جانتی تھی کہ فرحان کو کون سی بات پتا چلی ہے لیکن اتنا ضرور سمجھ گئی تھی کہ اس کے غلیظ بیچ در بیچ گناہوں کی جو فہرست تھی۔۔۔ ان میں سے ایک بھی بات کھلتی تو اس کا نتیجہ خوفناک ہی نکلتا۔ یہی بات اس نے پہلے بھی نہیں سوچی، وہ بس اندھے اور بے جا انتقام کی آگ میں اندھی ہوئی پھر رہی تھی، اس نے انجام کے بارے میں کبھی سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ نہ جانے وہ فرحان کو اتنا احق سمجھتی تھی یا خود کو عقل کل۔۔۔ جو بھی تھا لیکن اب اس انجام پر وہ دل میں بری طرح خوف زدہ ہو گئی تھی۔ ماں کی بات پر اس کے آنسو جھلک پڑے۔

”اماں! میں ماننی ہوں میں بری ہوں بدکردار ہوں۔۔۔ لیکن کبھی تم نے سوچا کہ مجھے ایسا کس نے بنایا؟ تم نے اماں، تم سب نے مل کر مجھے ایسا بنایا۔ آخر بیگم کی آنکھیں حیرت سے پھٹ پڑیں۔ وہ راز و قطار روٹی ہوئی بولی۔ ”تم سب نے مل کر مجھ پر اتنے بے بنیاد الزامات لگائے، بچپن ہی سے میری ہر

قصہ دل

چاہتا ہوں۔ اس سے پہلے کہ تباہی کے اثرات آپ کی دلیلیز کو چھوڑیں، آپ نکاح کے لیے راضی ہو جائیں اور کوئی سوال کیے بنا ابھی خالی ہاتھ نہ نکلیں۔ میرا یقین کریں میں آج بھی صرف آپ لوگوں کا ہی مسئلہ سوچ رہا ہوں۔ آگے میرے ساتھ کیا ہوتا ہے، اس کے بارے میں ابھی کچھ نہیں سوچنا چاہتا۔ میری یہی سزا ہے۔“ اس کے بعد کسی نے کوئی سوال نہ کیا اور نکاح ہو گیا۔ نکاح کے بعد آخر بیگم نے ایک چادر افشاں کی طرف بڑھائی اور ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولیں۔

”تو نے حایت کر دکھایا کہ تو بدکردار ہے، اس معصوم فرحان پر بھی ترس نہ آیا تھے۔ میں نہیں جانتی کہ اصل بات کیا ہے۔ مگر مجھ سے فرحان کی حالت نہیں دیکھی جا رہی۔ اس پر تیرے کروتھ کل گئے ہوں گے تبھی ایسا فیصلہ کیا لیکن آفرین ہے اس پر کہ سب جانتے بوجھتے بھی تھے اپنا رہا ہے۔“ غیر متوقع طور پر افشاں اس دوران بالکل خاموش رہی، نکاح کے دوران بھی اس پر موت کی سی خاموشی طاری رہی، گو کہ وہ نہیں جانتی تھی کہ فرحان کو کون سی بات پتا چلی ہے لیکن اتنا ضرور سمجھ گئی تھی کہ اس کے غلیظ بیچ در بیچ گناہوں کی جو فہرست تھی۔۔۔ ان میں سے ایک بھی بات کھلتی تو اس کا نتیجہ خوفناک ہی نکلتا۔ یہی بات اس نے پہلے بھی نہیں سوچی، وہ بس اندھے اور بے جا انتقام کی آگ میں اندھی ہوئی پھر رہی تھی، اس نے انجام کے بارے میں کبھی سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ نہ جانے وہ فرحان کو اتنا احق سمجھتی تھی یا خود کو عقل کل۔۔۔ جو بھی تھا لیکن اب اس انجام پر وہ دل میں بری طرح خوف زدہ ہو گئی تھی۔ ماں کی بات پر اس کے آنسو جھلک پڑے۔

”اماں! میں ماننی ہوں میں بری ہوں بدکردار ہوں۔۔۔ لیکن کبھی تم نے سوچا کہ مجھے ایسا کس نے بنایا؟ تم نے اماں، تم سب نے مل کر مجھے ایسا بنایا۔ آخر بیگم کی آنکھیں حیرت سے پھٹ پڑیں۔ وہ راز و قطار روٹی ہوئی بولی۔ ”تم سب نے مل کر مجھ پر اتنے بے بنیاد الزامات لگائے، بچپن ہی سے میری ہر



بات پر شک کیا، غیروں کی باتوں پر اعتبار کیا، مجھ پر اتنے خبربرسائے کہ میں خود ہی بھول گئی کہ مجھے کیا بننا تھا۔ مجھے یاد آتا تو بس یہ کہ اب مجھے وہی بننا ہے جو تم سب مجھے بچپن سے کہتے آئے ہو۔ ماں باپ بچپن سے بچے کے دماغ میں بٹھاتے ہیں کہ تم نے بڑے ہو کر ڈاکٹر بننا ہے انجینئر یا پائلٹ بننا ہے اور وہ بڑے ہو کر وہی بنے ہیں۔ جنیں یا مریں، ہر صورت اپنے ماں باپ کے اس خواب کو پورا کرنے کے لیے محنت کرتے ہیں۔ مگر مجھے تو ہمیشہ یہی بتایا کہ میں ایک بدکردار لڑکی ہوں اور بڑی ہو کر بھی بدکردار ہی بنوں گی میں کبھی سدھر ہی نہیں سکتی۔ اماں مجھے بتاؤ کہ پھر میں کچھ اور سوچتی تو کیسے؟ اور مجھے بتاؤ کہ بدکردار ہوتا کیا ہے؟ وہ جو دنیا سے چھپ کر ناجائز تعلقات بنائے یا وہ جو دنیا سے چھپ کر ناجائز مواد دیکھ کر اپنی غلیظ حیات کو تسکین پہنچائے۔ ”الفاظ تھے کہ انیم بم۔۔۔۔۔ جو آخر بیگم کے پرچے اڑا گئے اور خصی کے لیے اسے لینے آئے اس کے باپ کو زندہ درگور کر گئے۔“

”ماں، باپ یہ کیوں سوچ لیتے ہیں کہ وہ جتنے مرضی گناہ کریں ان کی اولاد پاک بوتل ہی جوان ہو۔ اولاد وہ نہیں سیکھتی جو ماں باپ انہیں زبان سے سمجھائیں، اولاد وہ سیکھتی ہے جو وہ ماں، باپ کو عمل کرتا دیکھتی ہے۔ تم اور اماں میرے بچپن میں جواز ہر میرے سامنے پیا تھا اس کا ڈالٹھ جوانی تک مجھے بے چین کرتا رہا۔ میں کیا کرتی اماں بتاؤ؟“ اب وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ ”میں جانتی ہوں میں نے گناہ کبیرہ کیے ہیں مگر اب میری سزا کا وقت شروع ہو گیا ہے اور میں پوری بہت اور حوصلے سے اپنی سزا بھگتے کو تیار ہوں۔ میری دنیا اور آخرت دونوں برباد ہو جائیں، اب میرے وجود کی بربادی کا آغاز ہونے جا رہا ہے۔ میرا وعدہ ہے کہ میں پلٹ کر کسی آپ لوگوں کی طرف دیکھوں گی نہ اپنے دشمن دکھاؤں گی اللہ حافظ۔“ وہ اپنی بات مکمل کر کے کمرے سے باہر نکلی اور باپ کو سامنے لے کر ٹھیک گئی۔ باطنی

نہیں تھی۔ وہ تیز، تیز قدم اٹھاتی اس کمرے اور ان سب کی زندگیوں سے دور چلی گئی۔ حسب وعدہ فرحان اسے رخصت کر کے لے گیا۔ گھر میں موت کی سی خاموشی طاری ہو گئی۔ اس دن کے بعد اس گھر میں کوئی بھولے سے بھی نہیں مسکرایا۔

☆☆☆

”احتشام بی انج ڈی کے لیے آسٹرلیا جانا چاہ رہا ہے اور اس کے جانے سے پہلے گھر والے چاہتے ہیں کہ تمہارا اس سے نکاح کروادیا جائے۔ تم جانتی ہو کہ کبھی ڈرے ہوئے ہیں پچھلے درپے واقعات سے، اس لیے دیکھتے ہیں کہ آخری فیصلہ کیا ہوتا ہے۔ صرف نکاح یا رخصتی بھی۔۔۔۔۔؟“ دسمبر کی چھٹیوں میں گھر آتے ہی جلیلہ بھابی نے اس پر یہ جان لیوا انکشاف کیا تو اوکی کی سانس انک گئی۔ بالآخر اس کی باری بھی آئی گئی۔ جلیلہ بھابی اسے صدمہ دیکھ کر انہیں اور اس کے کمرے کا بیڑہ جلا کر باہر نکل گئیں۔ دل گرفتہ سی وہ بستر پر بیٹھ گئی اور اوپر والے سے مدد کی طلب ہوئی۔ ایک آنسو بغاوت کرتا گال پر لڑھک گیا۔

”چھ، سات ماہ لگ جائیں گے اس کے جانے میں۔۔۔۔۔ بھابی کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے تو وہ چونکی۔“

”کچھ وقت ہے ابھی میرے پاس۔۔۔۔۔ ایک گھنٹی سی دماغ میں بچی اور وہ اچھل پڑی۔“

”مگر میں یہ کیوں سوچ رہی ہوں، کیا کہنا ہے میں نے وقت کا؟ کیا میں بھی ٹھنڈی کی طرح۔۔۔۔۔ نہیں ہرگز نہیں۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی بے چینی سے کمرے میں ٹھنڈے گی۔ موانے کی ایک فلم سی دماغ میں چل پڑی۔

احتشام۔۔۔۔۔ اور آخر چاچا عزت خان۔۔۔۔۔ اور نائل صاحب چاچی نیلوفر۔۔۔۔۔ اور راشد بیگم نمینہ خان۔۔۔۔۔ اور باوٹی خان دل میں کسی یاد نے چٹکی بھری اور وہ خوفزدہ ہو گئی۔

باہر جینتگر بول رہے تھے اور اس کی ڈوبی ہوئی تھی، باہر جینتگر بول رہے تھے اور اس کی ڈوبی ہوئی تھی۔ جیسے ابھی دن چڑھا ہو۔

”کیا تم احتشام کے ساتھ خوش رہ لو گی؟“ اس نے بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھ کر سسکی روکی۔

”میں اس سے کہوں گی کہ وہ مجھے بھی ساتھ ہی لے جائے آسٹرلیا پھر کسی خود واپس آئے نہ مجھے لائے۔“

”تو کیا پھر تم خوش رہ لو گی۔۔۔۔۔؟“ احمر کو بھول جاؤ گی۔۔۔۔۔ دل نے جھٹ کی تو سے اپنی سانس رکتی محسوس ہوئی۔

”خاندان اور خاندان کی محبتوں کے بغیر رہ لو گی؟ اگر تمہاری یہ ضرورت احتشام نے مان لی تب بھی تم تنہا رہ جاؤ گی۔ احمر تمہیں پورا خاندان دے گا، خاندان کی محبتیں دے گا، تحفظ دے گا۔“ دل کے گار، خاندان کی خاموشی ہی خاموشی پھیل گئی۔ ”مان لو کہ تم اندر در در تک خاموشی میں مبتلا ہو چکی ہو اور تم اسے بھلا کر کی شہید ترین محبت میں کوشش کرو گی تو مر جاؤ گی۔“

دل نے تاویل دی تو دماغ چلا اٹھا۔

”اور اگر احمر کو چن کر میں جان سے چلی گئی تو۔۔۔۔۔؟“ جواب دل خاموش ہو گیا۔ وہ تھک گئی۔ ان دونوں فیصلوں سے ہٹ کر اس نے ایک تیسرا فیصلہ کیا اور مطمئن ہو گئی اس نے تاروں کو ڈھونڈ دیا، دیکھا، چاند کو چھتا دیکھا، سورج کی پہلی کرن کو نمودار ہو کر تار کی کی چادر چرتے دیکھا اور پھر سورج کو چڑھ کر سوانہ بننے پر آج بھی دیکھ لیا۔ تب اس نے می سے مشورہ کرنے کا فیصلہ کیا اور بستر پر لیٹ گئی۔

☆☆☆

”کیا ہوا تھا۔۔۔۔۔؟“ وہ سوچ رہی تھی کہ دراصل ہوا کیا تھا۔۔۔۔۔؟

کپڑے بہت خوب صورت تھے، ان میں سے ایک آدھ کو پسند اور خفج کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ بہت خوش تھی۔ پھر اس نے ہمایوں کی پسند پر تین جوڑے اٹھا لیے۔ اس کی خوشی پر ہمایوں نے بے اختیار اسے خود غلام کر دیا۔ اس کا اعتبار کیا، بڑا اٹھا۔

خوشی کے موقع پر اسے ٹوکننا اچھا نہیں لگا اور بھر دھونے کے قابل ہی نہ رہی۔ وہ تڑپتی تو ہمایوں نے اسے بھلایا۔۔۔۔۔ روکی تو اس کے بال سہلائے۔ لیکن اس کی بات نہ مانی۔ جاتے وقت وہ کپڑوں کے شاپر اس کے ہاتھ میں تھامنے لگا تو مایوں کو لگا کہ اس کی قیمت لگا دی گئی ہو۔ اسے وہ شاپر ملنے کی صورت لگے۔ اس نے ہاتھ مار کر شاپر دور کر دیے اور بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اس کا دماغ ٹھوم رہا تھا۔ سر پکڑا رہا تھا۔ آنسو آنکھوں میں اٹھتے چلے آ رہے تھے۔ اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا لیکن وہ جانتی تھی کہ وہ اس کے پیچھے نہیں آیا ہو گا۔ اس کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔

☆☆☆

”ہمایوں پلیز مجھ سے شادی کر لو، بہت بڑی مصیبت آ جائے گی۔ پلیز تم بھی تو اٹکو تے بیٹے ہو، تمہارے پیرس تمہاری بات مان لیں گے۔ تم انہیں اعتماد میں لے لو۔ پلیز انہیں بتا دو، ورنہ میں برباد ہو جاؤں گی۔ پلیز ہمایوں تمہیں خدا کا واسطہ ہے۔“ وہ بلک بلک کر رو پڑی۔

”مایوں پلیز! اپنا یہ فضول رونا دھونا بند کر دو، ایسی کوئی بچی نہیں ہو تم جو ظلم ہو گیا تمہارے ساتھ۔ تم خود آئی تھیں اپنی مرضی سے۔ اب سارا المیہ مجھ پر مت ڈالو۔ میں کیسے یہ بات بتا سکتا ہوں اپنے والدین کو۔“ مایوں کے آنسو خشک ہو گئے اور منہ کھلا رہ گیا۔

”ہمایوں! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟“

”سچ کہہ رہا ہوں۔ اب خدا کے لیے میرا بچھا چھوڑ دو۔“

”ہمایوں۔۔۔۔۔؟“ وہ چیٹی۔ ”صرف منگنی کرو، ہمایوں پلیز۔ پھر میں دس سال بھی انتظار کر لوں گی۔ پلیز ہمایوں میرے حال پر رحم کرو۔“ وہ مایوں نے کبھی جھکا نہیں سیکھا تھا، وہ جھک بھی رہی تھی اور خود کو توڑ بھی رہی تھی لیکن مقابل بھی سخت



دینے کے موڈ میں نہیں تھا اس لیے بری طرح جھنجھلا گیا۔  
 ”ایسا ممکن نہیں ہے ماہین، تم سمجھتی کیوں نہیں۔“  
 وہ کیا سمجھوں ہاں؟ کیا سمجھوں میں؟ یہ کہ تم مجھ  
 سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتے تھے؟ یہ کہ تم صرف مجھے  
 بیوقوف بنا رہے تھے؟ آج بتا ہی دو کہ میں کیا سمجھوں؟  
 آج میری غلط فہمی یا خوش فہمی دور کر بی دو ہاویوں۔“ وہ  
 ہڈیانی ہو رہی تھی۔

”جو چاہو سمجھو۔ شادی میرے مستقبل کے  
 منصوبوں میں دور دور تک کہیں شامل نہیں ہے۔“ اس  
 نے فون کاٹ کر موبائل ہی آف کر دیا، دوسری طرف  
 ماہین جھپٹی رہ گئی۔ اسے جوابی کال کرتا ماہین کا ہاتھ  
 ساکت ہوا اور موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش  
 پر گر گیا۔ سارے آنسو ٹپک رہے تھے۔ ایک ایک اسے اپنے  
 چہرے پر کسی لُس کا احساس ہوا، اسے کرنٹ لگا، وہ  
 چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگی مگر کچھ بھی نہیں تھا۔ پھر اسے  
 اپنے بازوؤں پر کچھ ریگڑا ہوا محسوس ہوا، وہ بازو جھٹکنے  
 لگی۔ یقیناً اسے یوں لگنے لگا کہ گویا اس کے سارے  
 جسم پر سانپ رینگ رہے ہوں اور وہ سانپ شعلے  
 برسا رہے ہوں۔ سارا جسم جیسے شعلوں کی زد میں آ گیا  
 تھا۔ اس کی سانس دھوک کی طرح چلنے لگی۔ ٹھہرتے  
 دمبر میں وہ پسینے سے شرابور ہو گئی، سامنے ڈریسنگ ٹیبل  
 کا آئینہ تھا۔ وہ آگے بڑھی اور اپنا کس دیکھنے لگی۔ پھر  
 اور غریب ہوئی اور آئینے سے چپک کر کاٹنے لگی۔

”تمہاری آنکھیں بے حدود کس ہیں۔۔۔۔۔“ اسے  
 اپنی ہلکوں پر شعلے لپکتے ہوئے محسوس ہوئے۔ وہ اپنے  
 چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگی، خوب صورت آنکھیں  
 وحشت سے باہر کواہلی ہوئی تھیں۔ قاتل لب لپک رہا ہے  
 تھے۔ اس نے اس بے دردی سے لب یوں کچلے کہ خون  
 رستہ لگا۔ پھر کوئی پچھو اس کی گردن پر سرسرایا۔ اس نے  
 وحشت سے اپنے لیے ناخنوں سے گردن نوچ ڈالی۔  
 خراشوں سے خون بہ نکلا۔ اس نے پاس پڑا ایک لڑک  
 روٹھا کر پوری قوت سے قدام آئینے پر دے مارا۔  
 آئینے کے ٹوٹنے کی آواز نیچے برآمدے میں تیز آواز

سے لگے ٹی وی کے شور میں دب گئی۔ وہ بے حد سفاکی  
 سے مسکرائی اور ٹوٹے ٹکڑوں میں سے ایک بڑا ٹکڑا اٹھا  
 کر ایک گہرا زخم اپنے بازو پر لگایا۔ وہ اس وقت اتنی  
 جنونی ہو رہی تھی کہ اسے تکلیف کا احساس ہی نہیں ہوا  
 وہ بس خود کو سزا دے رہی تھی۔ ہاویوں خاں کے کس کس  
 خود پر محسوس کرنے کے جرم کی سزا۔  
 ”اتنا ڈرتی کیوں ہو۔۔۔۔۔؟“

”مجھے اپنی حدود کا پورا احساس ہے۔۔۔۔۔“

”مجھ پر اعتبار کرو۔۔۔۔۔“

”تم صرف میری ہو۔۔۔۔۔“ پھر منظر بدلا۔

”فضول کارو نا دھوا بند کرو۔۔۔۔۔“

”خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو۔۔۔۔۔“

”جو چاہو سمجھو۔۔۔۔۔“

”تم خوراک کی تنہا اپنی مرضی سے۔۔۔۔۔“ آوازوں کی  
 بازگشت سے گھر پر مددہ بری طرح چپٹنے لگی اور اس کی  
 دلدوز ہڈیانی چیخوں نے نیچے ٹی وی کے شور کو دبا کر سب  
 کو ہلا دیا۔ سب بولکھلا کر اوپر بھاگے۔ اسی بل وہ لڑکھڑا  
 کر کرچیوں کے ڈھیر برگری اور بے ہوش ہو گئی۔ نغیر  
 بیگم اور فرحین دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں تو ان  
 دونوں کی بھی چیخیں نکل گئیں۔ فرش پر خون ہی خون تھا۔

☆☆☆

زارا، ماہین کی بچپن کی دوست تھی اور انگلش  
 ڈپارٹمنٹ سے ماسٹر ز کر رہی تھی۔ ان دونوں کی عمروں  
 میں فرق کے باوجود ان کی دوستی ہمیشہ گہری اور بے لوث  
 رہی۔ ایک محلے میں رہنے کے علاوہ دونوں کا اسکول بھی  
 ایک تھا لیکن زارا اس سے اگلی کلاس میں تھی پھر کالج میں  
 ان کا ساتھ چھوٹ گیا۔ زارا نے دوسرے کالج میں  
 داخلہ لیا تھا جبکہ ماہین کو والدین کی بات مان کر ہوم  
 اکاڈمی کالج میں داخلہ لینا پڑا۔ ڈپارٹمنٹ میں زارا کی  
 کلاس فیلو اور بہت اچھی دوست سبین اپنے اکیڈمی فیلو  
 جنید کو پسند کرتی تھی اور دونوں ایک دوسرے کے لیے  
 کافی سنجیدہ تھے۔ یہ وہی جنید تھا جو ہاویوں کا جگری  
 دوست تھا۔ زارا اسے سبین کے حوالے سے بہت پہلے

جانتی تھی اور سبین بارل بھی جانتی تھی۔ جنید اسے سلجھا ہوا  
 ڈاکہ لگا تھا اور ان دونوں کے خاندانوں کو ان کی  
 ہنسی کی خبر بھی تھی لیکن جنید کی ڈگری اور پھر مناسب  
 بپ کے اعتبار ایک انہوں نے شادی کے حوالے سے  
 فیصلہ بھی بات چیت کو موخر کر رکھا تھا۔ جب ماہین کے  
 دل سے اس کا تعارف ہاویوں سے ہوا تب کچھ  
 دہلے سے اس نے جنید کو دیکھا اور ایک بار ہاویوں کے  
 تعارف میں اس نے یونیورسٹی میں گھومتے پھرتے ان سے  
 ساتھ بھی دیکھا۔ یونیورسٹی میں گھومتے پھرتے ان سے  
 باہر آکر وہ عام سی بات تھی۔ جنید کو ہاویوں کے ساتھ  
 دیکھ کر زارا کو تشویش ہوئی، جب اس نے سبین کو ماہین والی  
 بات بتا کر پریشانی کا اظہار کیا۔ سبین نے اس کی بات کو  
 بے حد سنجیدگی سے سنا اور پھر جنید سے اس کی ملاقات  
 کرادی۔ یہ ماہین کے حادثے سے محض چند ماہ پہلے کا  
 واقعہ ہے۔ زارا نے کھل کر جنید سے اس بارے میں  
 بات کی۔ تب جنید کو احساس ہوا کہ شغل میں شروع  
 ہونے والا معاملہ کس قدر سنجیدہ نوعیت اختیار کر گیا ہے۔  
 ہاویوں اب انہیں ماہین سے اپنے تعلقات کے بارے  
 میں کوئی بات نہیں بتاتا تھا لیکن ان کی پیش قدمی کس حد  
 تک بڑھ چکی ہے، اس کا کچھ، کچھ اندازہ ان تینوں  
 دوستوں کو تھا۔ اب ان تینوں کو ہی ماہین پر انفسوس ہوتا تھا  
 کہ وہ کبھی کیا کہتے تھے۔ زارا نے تشویش ظاہر کی تو  
 جنید نے دو ٹوک بات کی۔

”زارا! ہاویوں میرا بہترین دوست ہے لیکن  
 چند آپ سبین کی دوست ہیں تو میں کچھ چھپاؤں گا  
 نہیں۔ ماہین، ہاویوں کے لیے صرف ایک چیز کی  
 جیت رکھتی ہے اور کچھ بھی نہیں۔ وہ اس کے لیے  
 نبھو رہی ہے۔ اس سے زیادہ میں آپ کو  
 کچھ نہیں بتا سکتا سبین اتنا جان لیں کہ وہ ماہین کو شدید  
 زہن نقصان سے دوچار کر سکتا ہے، اس لیے بہتر ہوگا  
 کہ آپ اپنی دوست کو سمجھائیں اور اس سے کہیں کہ  
 بگڑی وقت ہے، وہ پیچھے ہٹ جائے ورنہ بہت  
 بگڑے گی۔“ زارا اس کی ہر گورہ گئی۔

”اور اگر میں کہوں کہ میں اسے سمجھانے کی

کوشش کر چکی ہوں مگر وہ سمجھو بھی سننے اور سامنے پھرانی  
 نہیں تو۔۔۔۔۔“

”تو پھر میں لو آپ صرف دعا کر سکتے ہیں کیونکہ  
 ہاویوں شیطان مغف کرکا ہے۔“ جنید نے یہ سب اس کی  
 سے کہا۔

”تو پھر تم نے ایسے شخص سے دوستی کیوں رکھی ہوئی  
 ہے؟“ سبین نے اسے کڑی نظر دے کر پوچھا تو وہ سرکرایا۔  
 ”ہماری دوستی بہت پرانی ہے۔ یوں چھوڑ دیا تو وہ  
 جواز مٹے گا، ویسے بھی اس کی ان سرگرمیوں کے علاوہ  
 اگر دیکھا جائے تو وہ ایک اچھا شخص دوست ہے، ہمارا  
 بہت سا اچھا وقت ساتھ گزارا ہے۔ پہلے وہ ایسا تھا بھی  
 نہیں، یہ تو ماہین جیسی بیوقوف لڑکیوں نے ہی اسے اتھا  
 کر کر پڑھا تا شروع کر دیا تب سے وہ بھی حوصلہ لینے لگا۔  
 اب یونیورسٹی ختم ہو گئی ہے، سب اپنی اپنی نوکریوں میں  
 مصروف ہو جائیں گے تو آہستہ آہستہ یہ رابطہ ختم ہو ہی  
 جائیں گے۔ ترک تعلقات کا یہ طریقہ مجھے زیادہ بہتر  
 لگا۔“ وہ دونوں قائل ہو گئیں لیکن ماہین۔۔۔۔۔

اور پھر اس واقعے کے محض چند ماہ بعد ہی جنید کی  
 بھی بات پوری ہو گئی۔ ہاویوں نے اسے ناقابل حلافی  
 نقصان پہنچا کر چھوڑ دیا۔ اس اندوہ ناک حادثے کے  
 بعد نغیر بیگم کو پہلا خیال زارا کا ہی آیا کیونکہ اس کی امی  
 ڈاکٹر تھیں اور گھر کے نچلے حصے میں انہوں نے کلینک  
 کھول رکھا تھا۔ ماہین کا کس پولیس کس تھا جس پر کوئی  
 ڈاکٹر ہاتھ نہ ڈالتا اور بدنامی الگ ہوتی۔ وہ کریم  
 صاحب کی مدد سے ماہین کو اتھا کر انہی کے پاس  
 بھاگیں اور انہوں نے بروقت علاج کر کے ان کا پردہ  
 رکھ لیا۔ زارا نے اگلے ہی دن فون کر کے سبین کو ساری  
 بات بتائی اور اس سے جنید کا نمبر لے کر فوراً اسے فون  
 کیا۔ ساری بات سن کر وہ ششدر رہ گیا۔ ہاویوں نے  
 کئی لڑکیوں کو یوں استعمال کر کے چھوڑا تھا مگر ان سب  
 نے بھی اس پر لعنت بھیج کر کوئی اور راستہ جن لیا تھا، ایسا  
 سنگین دہم کسی نے نہیں دیا تھا۔

”مجھے آپ کی مدد چاہیے جنید بھائی۔ مجھے اس



فحش کا گریبان پکڑا ہے۔

”یہ اتنا آسان نہیں ہے زارا! وہ مرد ہے وہ بھی بچے والا، اس سے نگر نہ لیں۔“ اس کی اس بات پر زارا بھڑکی۔

”میں نے آپ سے مدد مانگی ہے مشورہ نہیں۔ آپ شاید مجھے جانتے نہیں، میں جو تھان لوں وہ کر کے دم لیتی ہوں۔ مایہ میں میری جان ہے، اس کی جان کے درپے ہونے والے فحش کو میں اتنی آسانی سے سہا نہیں کروں گی۔“

”ٹھیک ہے، میں کل آپ کو اس کے دفتر لے جاؤں گا۔“

”دفتر؟“ وہ حیران ہوئی۔

”جی۔ اس نے اپنے والد کا بزنس سنبھال لیا ہے اور یہی کرتا تھا اس نے۔“ زارا مزید سنجیدہ ہو گئی۔ ”اور وہ دس، دس سال پر محیط مستقبل کے منصوبے کیا ہوں۔۔۔ جن کا نام لے کر اپنا ذاتی پیسہ کمانے کی بات کرتا تھا وہ مایہ ہے۔“ جنید استہزائیہ ہنسا۔

”اس کی بات پر اعتبار کیا۔۔۔ بہت برا کیا۔“ اگلے روز وہ حسب وعدہ زارا کو اس کے دفتر کے باہر چھوڑ گیا۔ ہالوں، زارا سے چند ایک بار مل چکا تھا اس لیے اچھی طرح پہچانتا تھا، اس نے بھویں اچکا کر ناٹکاری سے اسے دیکھا۔

”کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے کرم سے اس وقت کوئی موت کی دھمک پکڑا ہے۔“ ہالوں ابھن بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگا پھر انجان بن کر بولا۔

”کس کی بات کر رہی ہیں آپ؟“ زارا اس کی میز پر پھٹیلیاں جما کر کھڑی ہوئی اور چپا چپا کر بولی۔

”میں لڑکیوں کی زندگیاں بربادی میں جو یاد نہیں آ رہی ہیں اس کی بات کر رہی ہوں مسٹر ہالوں خان آفریدی۔“

”یہ کیا بولا ہے۔۔۔“ وہ میز پر ہکا بکا کر کھڑا ہو گیا۔

”میں مایہ کی بات کر رہی ہوں۔ مرنے والی آنکھوں سے دیکھتے آئے ہیں۔“ وہ لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

والی ہے وہ۔۔۔۔۔“ وہ ایک دم ڈھیلا پڑ گیا۔ ”وہ لڑکی دیکھ کر زندگی پر پیاز آجاتا تھا، وہ آج ٹھروں سے بڑے حالات میں اسپتال میں پڑی ہے، ہوش و حواس سے بیگانہ۔ صرف اور صرف تم جیسے بھیڑیے کی وجہ سے جو لڑکیوں کو اس پیپر ویٹ سے بھی ارزاں سمجھتے ہیں۔“ اس نے میز پر پڑا ماربل کا پیپر ویٹ اٹھا کر چٹا توڑ کر کے شیشے پر ایک دراڑ پڑ گئی اور اس دراڑ کو دیکھ کر ہالوں کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔

”بھئی تم نے یہ بھی سوچا کہ بہن کی صورت میں ایک لڑکی تمہارے گھر میں بھی موجود ہے؟ اگر یہی سب کوئی اس کے ساتھ۔۔۔۔۔“

”بس۔۔۔۔۔ بکواس بند کرو اپنی۔۔۔۔۔ وہ دہاناز۔“

”کیوں؟ اپنی بہن کی بات آنی تو ترپ گئے؟ وہ بھی تو کسی کی بہن، کسی کی بیٹی ہے جس نے تمہاری چاہ میں خود کو مٹا ڈالا تمہاری ذات کو اولیت دے کر اپنی ذات کی نفی کی۔ تم کون ہوتے تھے اسے کردار کی سزا دینے والے؟“

”بس زارا بی بی بس۔ جس طرح یہ پیپر ویٹ میرے لیے ارزاں ہے ناں، بالکل اسی طرح آپ کی دوست نے خود اپنے آپ کو میرے آگے ارزاں کر لیا تھا، اپنی منشا۔۔۔۔۔ اور معیار سے گری ہوئی چیز کوئی بھی شخص استعمال کرنا تو دور، دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔“ اس نے حقارت سے پیپر ویٹ کو پچرے کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ یوں جیسے وہ پیپر ویٹ نہیں مایہ ہو۔ وہ ششدر رہ گئی۔

”اور اسے بے عزت کرنے والا کون ہے؟ ڈرو ہالوں، خدا کے قہر سے ڈرو۔ موت کے منہ میں پڑی اس لڑکی کی آسے ڈرو۔ اس کی روتی بلکتی ماں کی بدعا سے ڈرو جسے جو ان بیٹی کے عروسی جوڑے کی چمک کے بجائے کفن کی پرچھائیں نظر آنے لگی ہے۔ اس کی رگوں سے نکل کر ضائع ہو جانے والے خون کے ایک، ایک قطرے کی گواہی سے ڈرو۔ اس کی ہمیشہ مسکرانے والی آنکھوں سے دیکھتے آئے ہیں۔“ وہ لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

اپنے اپنی تو ہالوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ ایک منٹ مس زارا! تقریر تو بہت اچھی کی ہے، اب کیا آپ میرے ایک سوال کا جواب دیں گے؟ وہ فحش سے اسے دیکھنے لگی مگر خاموش رہی۔

”آپ بھی ایک لڑکی ہیں، دیکھنے میں کافی بھدرا بھی لگ رہی ہیں۔ کیا آپ محبت کے نام پر کسی کے گھر جا کر وقت گزار سکتی ہیں جبکہ آپ بخوبی دیکھ سکتی ہیں کہ گھر کا گھر پر تنہا ہے؟ کیا آپ رات دیر تک باہر ہوں گے لڑکا گھر پر تنہا ہے؟ اور پورا دن اس کے ساتھ کتنے گھر اور ڈنر پر پورے شہر کی سڑکوں کی ٹافٹ چھان سکتی ہیں؟ اور پورا دن اس کے ساتھ کی ٹافٹ چھان سکتی ہیں؟ اور پورا دن اس کے ساتھ انجان شہر کے ہول میں تہذیب گزرا سکتی ہیں؟ اور اگر بت کے نام پر آپ سب کر رہی لیتی ہیں تو اس سب کے بعد بھی کیا آپ خود کو اس قابل سمجھتی ہیں کہ وہ لڑکا آپ ہی سے شادی بھی کر لے گا؟“ زارا کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔ مایہ کے جنون کے ہاتھوں میں وہ یوں بے عزت ہو گئی اس نے بھی سوچا بھی نہیں تھا۔ بڑی مشکل سے بہت جمع کر کے وہ جب بولی تو اس کی آواز مٹ گئی۔

”ہاں ہوں کہ اس کی غلطی برابر کی تھی مگر اس نے جو کچھ کیا آپ کی محبت کے پہلا دھوکے میں الجھ کر کیا۔“ وہ بے رحمی سے بولا۔ ”نادران ہے، آپ نے بھدرا ہیں تو پھر اسے پہلا پھسلا کر باہل کر کے پھر اس کے اعمال پر حد جاری کرنے کا حق آپ کو کون دے گا؟“ وہ بری طرح سسکتی ہوئی باہر نکل گئی۔

”میں نے مارت کے باہر جنید اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ اسے روکا دیکھ کر اسے دکھ ہوا۔“

”میں نے آپ کو کہا تھا کہ یہاں مت آئیں۔“ زارا اٹھ کر کمرے کی طرف بھاگی۔ وہ اس کی بات کا جواب لینا نہ چاہتی تھی، وہ دھوکے میں گھراؤں کھڑا رہ گیا۔

☆☆☆

”تم کہتے ہو بات کرو۔“ سین نے مشورہ دیا۔

قصہ دل

زارا کے ساتھ جا کر مایہ سے ملی تھی۔ وہ گھر میں اپنے کمرے میں گم صم خلاؤں میں گھورتی پڑی رہتی۔ اس کی حالت کو دیکھتے ہوئے سین نے جنید سے تذکرہ کیا تو اسی نے مہک سے بات کرنے کا مشورہ دیا۔

”جنید نے بتایا تھا کہ وہ اردو ڈپارٹمنٹ میں لیکچرر ہیں اور ہالوں کی نسبت بے حد بھدرا اور سلجھی ہوئی ہیں۔ ہم ڈپارٹمنٹ جا کر انہیں ساری بات بتاتے ہیں۔ بے شک ہالوں اس سے شادی نہ کرے لیکن اس کے کروتات اس کے گھر والوں تک تو پہنچیں ناں۔“ زارا سوچ میں ڈوب گئی۔ مایہ کو کچھ نہیں سمجھتی کہ زارا اس کے ٹوٹے پتار کو جوڑنے کے لیے کیا کچھ کر رہی ہے۔ وہ دونوں اردو ڈپارٹمنٹ جا کر براہ راست مہک آفریدی کے دفتر میں جا بیٹھیں۔ وہ کلاس لے کر آئیں تو ان دونوں کو بیٹھا دیکھ کر خوشواریت سے مسکرائیں۔ ہالوں کی نسبت وہ خوب صورت تھیں اور خوش اخلاق بھی۔

”جی فرمائیں آپ کون ہیں؟ کیا مدد کر سکتی ہوں میں آپ کی؟“ زارا اور سین نے بے ساختہ ایک دوسرے کی طرف دیکھا، ان کی خوش اخلاقی پر ان دونوں کی ہمت بندھ گئی اور زارا نے الف تاپے سارا قصہ کہہ سنایا۔ مہک کی وہ حالت تھی کہ کانٹو بدن میں ابھو نہیں۔ ہر محبت کرنے والی بہن کی طرح وہ بھی اپنے بھائی پر بے حد اعتماد کرتی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ وہ لانا پالی، ضدی اور قدرے گھمنڈی ہے لیکن وہ عیاش اور اوہاش بھی ہو سکتا ہے اس بات پر یقین کرنا ان کے لیے محال ہو رہا تھا۔ لیکن وہ یہ بھی نہیں سوچ سکتی تھیں کہ وہ دونوں جھوٹ بول رہی ہیں کیونکہ کوئی لڑکی یونہی اٹھ کر کسی پر اتنا بڑا الزام نہیں لگا سکتی۔ ویسے بھی وہ جنید کو اچھی طرح جانتی تھیں، ہالوں کے سبھی دوستوں کا ان کے گھر بہت آتا جاتا تھا اور سبھی انہیں اپنا کہتے اور بے حد عزت کرتے تھے۔ ہالوں کی زبانی انہوں نے سین کے بارے میں بھی سن رکھا تھا لیکن ملی جلی بارہیں، اس لیے اس نے اسے نہ مانا۔

2022



”میں مابین سے ملنا چاہوں گی، ابھی اور اسی وقت۔“ ان کے دونوں انداز پر زارا اور سین فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں۔ راستے میں وہ انہیں ہمایوں کی چالبازوں اور ان کے تعلقات کی نوعیت کی بابت سب کچھ بتاتی گئی۔ ساتھ ہی دفتر میں ہونے والی اپنی اور ہمایوں کی بات چیت کی آڈیو بھی سنا دی جو اس نے ہمایوں کے علم میں لائے بغیر بہت ہوشیاری سے ریکارڈ کی تھی۔ مہک اپنا خود اپنی کار چلا رہی تھیں۔ زارا ان کے ساتھ تھی جبکہ سین وہیں سے اپنی کلاس کے لیے چلی گئی تھی، اسے اس معاملے میں مزید انوالورہنا بہتر محسوس نہیں ہوا۔ زارا کو ہمایوں کی بہن سے ملوا کر اس کا کام ختم ہو گیا تھا۔

”اس کے زخم بہت بہتر ہو چکے ہیں، کالج بھی کھلنے والا ہے مگر وہ نہ کچھ بولتی ہے اور نہ کھاتی بیٹی ہے۔ بس صدمہ بھی دیواروں کو کھتی رہتی ہے۔ میری می اسے ڈرپ لگا کر تھوڑی سی طاقت دینے کی کوشش کرتی ہیں لیکن وہ ہڈیوں کا ڈھانچا بن چکی ہے۔ ہم چاہتے ہیں وہ روئے، جیتے، چلائے، اپنے دل کا غبار نکالے مگر وہ بس سے نہیں ہوتی۔ آپ کو دیکھ کر شاید اس کا جودوٹے۔“ وہ بالکل خاموشی سے لب بھیجے گاڑی چلا رہی تھیں، ان کا چہرہ بالکل سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔ ان کی اپنی شادی میں محض ایک ماہ باقی تھا۔ وہ مابین کی حالت کو دل پر محسوس کر رہی تھیں لیکن اپنے بھائی کی حرکت پر کچھ بولنے کے قابل رہی تھیں نہ سر اٹھانے کے۔ جس وقت وہ مابین کے گھر پہنچیں تو ان کے قدم من، من بھر کے ہو گئے۔ مابین بیڑ کر اڈن سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔ آہٹ پر بھی اس نے آنکھیں نہ کھولیں۔ اس کے کمرے میں جا بجا گئی اس کی خوب صورت تصاویر کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے ہسٹری پر پڑا وجود مابین نہیں اس کی لاش ہے۔ وہ آگے بڑھیں اور مابین کے بازو پر زری سے ہاتھ رکھ کر پکارا۔

تمہاری مہک ایسا۔“ مابین کو جیسے بجلی کا جھٹکا لگا، وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ آنکھوں میں وحشت بھرے اس نے انہیں دیکھا جو اسے دیکھ کر شفقت سے مسکرا رہی تھیں۔ ایک ایک اس کے چہرے پر کئی جذبات ایک ساتھ نمودار ہوئے۔ گلیٹر پھٹلا۔ اس کی آنکھ سے ایک موٹا سا آنسو ٹپکا اور پھر وہ پھوٹ، پھوٹ کر رو دی۔ روتے روتے وہ ہڈیانی انداز میں چنچیں مارنے اور خود کو پٹنے لگی۔ مہک ایسا نے اسے سینے سے لگایا، اس کی چنچیں سن کر نغیرہ بیگم اوپر آگئیں۔ مہک کو دیکھ کر انہوں نے زارا کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو وہ بولی۔

”آئی ہے۔۔۔۔۔ ہمایوں کی بہن ہیں۔ مہک۔۔۔۔۔“ نغیرہ بیگم کی آنکھوں میں بے تحاشا تشویر ابھری۔ وہ بولیں تو آواز میں نفرت ظاہر تھی۔

”تمہاں دیکھنے آئی ہیں ہمارا؟“ مہک کا رنگ پچھا پڑ گیا۔ وہ وہاں سے دروازہ بند واپس کر کے چلی گئیں۔ تھوڑی دیر بعد فرحین اندر آ گئی۔ مابین ان سے پلٹی تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔ کتنی دیر تک وہ اس کی کمر اور بال سہلائی رہیں۔ آخر اس کی سسکیاں مدھم پڑ گئیں اور وہ غنودگی میں چلی گئی، اس کے جسم میں آہنی ہتھیار کب تھی۔ انہوں نے احتیاط سے اسے لٹا دیا۔ فرحین بے آواز آنسو بہا رہی تھی، انہوں نے اس کا سر تھپتھپاتا تو اس نے شکوہ نکال دیا۔

”آپ کے بھائی نے اچھا نہیں کیا آپ، بالکل بھی اچھا نہیں کیا۔ ہم انہیں بھی معاف نہیں کریں گے۔“ مہک ایسا نے اس کے ہاتھ تھام کر زری سے دبائے اور بولیں۔

”میں جانتی ہوں مگر وہ حساب ضرور دے گا، اسے حساب دینا پڑے گا۔ میں بات کروں گی اس سے اور وہ مجھے رو نہیں کر سکتا۔ فی الحال تم خود کو اور اپنی بہن کو سنہالو۔“ اس کا کندھا تھپتھپا کر وہ تیزی سے باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

کچھ ناراض ہیں، وہ بات کرتا تو جواب نہ دیتیں بلکہ اس کی طرف دیکھنے سے بھی گریز کرتیں۔ اسے موع نہیں ل رہا تھا کہ وہ ان سے پوچھے لیکن دل ہی دل میں وہ بے حد اداں تھا۔ ایک ماہ بعد انہوں نے رخصت ہو کر ہمیشہ کے لیے اس گھر سے بلکہ ملک سے ہٹ جانا تھا اس وجہ سے اس کا دل مزید گداز ہو رہا تھا۔ وہ کمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ مابین والا معاملہ ان کے علم میں بھی آ سکتا ہے کیونکہ اس سے پہلے اس کے درجن افسر رہے مگر کبھی کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔ جب ان کی گئی اس کی برداشت سے باہر ہو گئی تو وہ ہمت کر کے ان کے کمرے میں چلا آیا۔ ہلکی سی دستک دے کر وہ اندر داخل ہوا تو اسے دیکھ کر انہوں نے منہ موڑ لیا۔ ان کے قریب جا کر اس نے ان کے ہاتھ تھام کر بیڈ پر بٹھایا اور خود ان کے قدموں میں بیٹھا تو انہوں نے یوں ہاتھ چڑائے گویا کوئی گندی چیز پکڑ لی ہو۔ اس شدید رد عمل پر وہ ششدر رہ گیا۔

”ایسا! آپ مجھ سے کیوں ناراض ہیں؟ کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟ پلیر ایسا بتائیں، آپ کی کھلی بری برداشت سے باہر ہے مجھے پلیر وجہ بتائیں۔“ ”میں کوئی تمہید نہیں باندھوں گی، سیدھا، سیدھا ایک سوال کروں گی، اس کا سچ، سچ جواب دیتا۔“

”پوچھیں ایسا۔۔۔۔۔“ ”کیا تم بھی یہ چاہو گے کہ میری زندگی میں کوئی رکاوٹ پائیں کسی گھر کے جد سے کا شکار ہو جاؤں۔۔۔۔۔“ ”میری زندگی کسی بہت بڑے طوفان یا آزمائش سے دوچار ہو جائے؟“ ان کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے با اختیاران کے ہاتھ تھامے۔

”خدا نہ کرے ایسا! یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں، کیا ہوا ہے؟“ انہوں نے پھر اسی کراہیت سے اپنے ہاتھ چڑا لیے، وہ ان کی اس حرکت سے بری لگا رہا تھا۔

قصہ دل

## مہکتا گلشن

جی ہاں پاکیزہ ایک مہکتا گلشن ہی تو ہے۔ یہ وہ گلشن ہے جس کے بانی معراج رسول ہیں۔ یہ وہ گلشن ہے جس کے شجر سار دار عذرار رسول، زہمت افزہ و آمنہ حماد ہیں۔ یہ ایسا گلشن ہے جس کے مہکتے پھول پاکیزہ کی تمام مصنفات ہیں۔ یہ ایسا گلشن ہے جس کی خوشبو پاکیزہ میں شائع ہونے والی تحریروں میں۔ یہ ایسا گلشن ہے جس میں ہر ماہ کثیر تعداد میں شہزادیاں آتی ہیں اور وہ شہزادیاں پاکیزہ میں شرکت کرنے والی تمام نئی اور پرانی قاری و قیرہ نگار بہنیں ہیں۔ اس گلشن کو آباد ہوئے اس سال پچاس سال ہو گئے ہیں مگر یہ ابھی تک ویسے کا ویسا حسین و خوب صورت ہے اور مہکتا ہے۔ اس گلشن کے پھولوں کی خوشبو یعنی تحریروں اس قدر پراثر ہوتی ہیں کہ ہماری زندگی کے ہر موڑ پر ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ اس گلشن کے مختلف حصے (یعنی سلسلے) ہیں جو بہت پر تفریح، اصلاحی اور دل موہ لینے والے ہیں۔ اس گلشن میں آنے والی تمام شہزادیاں ایک دوسرے کی خوشی و غم میں شریک ہوتی ہیں اور سب کو دعاؤں میں یاد رکھتی ہیں۔ اس گلشن میں آنے والی شہزادیاں یہاں آ کر اس گلشن کے خوشگوار (ادبی) ماحول سے تا صراف لطف اندوز ہوتی ہیں بلکہ بہت سے پھول (اصلاح کے موتی یا اصلاحی پہلوئیں) سوچ (توڑ کر اپنے ساتھ لے جاتی ہیں۔ یہ گلشن ہے ہی اس قدر حسین کہ جو اس میں آتا ہے وہ اس کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ گلشن ہمیں اچھائی کی طرف بلاتا ہے اور زندگی کے تمام معاملات (دینی، دنیاوی، معاشی، اخلاقی و روحانی) میں اس گلشن میں آنے والوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ یہ گلشن سارے کا سارا ہی پاکیزہ ہے تو آئیں آپ بھی مہکتے گلشن کا حصہ بن جائیں جو کہ پاکیزہ ہے۔

مرسلہ: جمیدہ جاوید، ملتان



برداشت نہیں کر پاؤ گے کہ میرے ساتھ ایسا کچھ ہو؟“  
”یہ کیسے عجیب، عجیب سوالات کر رہی ہیں آپ؟  
بالکل میں بھی برداشت نہیں کر پاؤں گا کہ آپ کی  
زندگی خدا نخواستہ کسی حادثے سے دوچار ہو۔ آپ  
میری لاڈلی بہن ہیں، چاہیں آپ سے بے حد پیار کرتا  
ہوں۔“ اپنا کے چہرے پر زہریلی مسکراہٹ نمودار  
ہوئی۔ جب وہ بولیں تو ان کا لہجہ بھی زہریلا تھا۔

”ماہین کریم بھی کسی کی لاڈلی بہن اور بیٹی ہے  
ہمایوں۔ اگر اس کا کوئی بھائی ہوتا تو اس کے بھی یہی  
جذبات ہوتے اور وہ بھی اپنی بہن کی تکلیف پر اتنا ہی تڑپتا  
جتنا تم میری تکلیف کا صرف سن کر تڑپ اٹھے۔“ ہمایوں کا  
دماغ ٹھک سے اڑ گیا۔ چند لمحے وہ کچھ بول نہ سکا۔

”اگر تم ایک بار اس کی شکل دیکھ لو تو تمہارا پتھر  
دل بھی لرز کر رہ جائے۔ جس حال میں وہ تمہاری وجہ  
سے بچ چکی ہے، یہ سب کرتے ہوئے تم نے ایک بار  
بھی اپنی بہن کا نہ سوچا؟“ آخر میں ان کا لہجہ بے حد  
سخت ہو گیا۔ ہمایوں کہتے کے عالم میں تھا، وہ سمجھ نہیں پا  
رہا تھا کہ انہیں یہ سب کس نے بتایا اور وہ ماہین سے  
کیسے ملیں۔ یہ بات بھی باعث تشویش تھی کہ انہیں جس  
نے بھی بتایا اس نے بھی کچھ بتا دیا۔ وہ اپنی بہن سے  
نکھڑے ملانے کے قابل نہیں رہا تھا۔

”اپنا پتھر! آپ خود کا اس سے موازنہ بالکل نہ  
کریں، وہ خود بھی کوئی ایسی پاک پوتر نہیں ہے۔“ ان کا  
چہرہ تن گیا۔

”وہ پاک پوتر ہو یا غلاظت کی پوٹ، وہ ایک کم  
عمر لڑکی ہے۔ تم کیا جانو میں کتنی پاکباز ہوں؟ ہاں!  
جواب دو۔ تمہاری لاڈلی بہن ہوں تو تمہیں تو پاکباز ہی  
گنوں گی تاں۔ اسی طرح ہر لڑکی کرپٹ نہیں ہوتی، ہر  
لڑکی معصوم اور پاکیزہ ہوتی ہے، اسے کرپٹ بنانے  
والے تم جیسے مرد ہوتے ہیں، محبت کے نام پر۔ اور اسے  
بدکار بنانے والے بھی تو کم ہی ہو جو عورت پر تو بدکاری  
کا لیل لگا دیتے ہیں لیکن اس مرد پر نہیں لگاتے جو اس  
پاکباز لڑکی کا شریک رہا۔“ ہمایوں نے ایک

جائے تو تم بھی بدکار مرد ہو ہمایوں اور مجھے تمہارے  
لیے یہ الفاظ استعمال کرتے ہوئے شدید ترین تکلیف  
ہو رہی ہے لیکن انہوں نے تمہیں احساس تک نہیں دیا۔  
پہلو بدل کر رہ گیا۔ ”کون جانے تمہارے کیسے کا کچھ  
مجھے بھرتا پڑے۔ کیونکہ یہ تو طے ہے کہ اوپر والا  
انسان کے گناہوں کا بھگتان اسی فرد سے لیتا ہے جو گناہ  
کرنے والے کو بے حد عزیز ہو۔ میری یہ بات بہتر  
یاد رکھنا، تم دکھ اٹھاؤ گے۔ میری وجہ سے یا شاید اپنی  
کی وجہ سے۔“ یہی کادھ تمہیں خب سمجھ آئے گا جب تم  
تمہیں بیٹی کا پاپ بنائے گا۔“

”اپنا پتھر! بد دعا تو نہ دیں۔“ وہ تڑپ اٹھا۔  
”میری بات پر غور کرنا اور اگر احساسِ جرم پیدا  
ہو جائے تو ماہین سے شادی کر لیتا۔ بصورتِ دیگر یہ  
معاملہ میں مجھے فیڈی کے سامنے رکھ کر اسے ضرور  
انصاف دلاؤں گی۔“ وہ دونوں انداز میں کہہ کر  
کمرے سے باہر نکل گئیں اور وہ بارے ہوئے جواری  
کی طرح وہیں قائلین پر بیٹھا رہ گیا۔

☆☆☆

زندگی کا ایک بہت خوب صورت ہو گئی۔ فیم  
ایک دو ہفتے بعد ایک بار فون کرتے اور وہ اس کی زندگی  
کا خوب صورت ترین دن ہوتا۔ وہ خوش تھی، فیم۔  
یہ حد خوش۔۔۔۔۔ دھیرے، دھیرے اسے بھی ان سے محبت  
ہو گئی۔ جہاں آ رہی تھی گئی ہے لگا ہے چکر لگاتیں اور  
چھوٹے موٹے تحائف بھی لائیں۔ فیم ان کے اکوٹے  
بیٹے تھے، ان سے بڑی وہ نہیں تھیں اور دونوں شادی  
شدہ تھیں۔ باری، باری دونوں جب بیٹے آئیں تو زینرا  
سے ملنے ضرور آئیں۔ بڑی بہن فرزانہ باجی بیاہ کر  
لاہور گئی تھیں اور ان کے وہ بیٹے تھے۔ چھوٹی بہن  
ریحانہ باجی بیاہ کر جہلم گئی تھیں اور ان کا ایک بی بیٹا  
تھا۔ وہ بھی زینرا کے لیے تحائف ضرور لایا کرتیں۔  
زینرا اور اس کے گھر والوں کے دلوں میں ذرہ برابر بھی  
اگر کوئی غم نہ باقی تھا تو وہ مکمل طور پر تڑپ اٹھتا۔

جنوری نے سال کا پیام لے کر آیا اور کالج مکمل  
ہو گیا۔ انہوں نے حوصلوں کے ساتھ پرجوش سی واپس  
آئیں۔ سردی عروج پر تھی، ذرا سی دھوپ نکلتی تو لان  
نہرا ہو جاتا۔ جولا کیوں کلاسوں میں ہونگے وہ پچھرز  
سے دھوپ میں بیٹھ کر کلاس لینے کی ضد کرنے لگتیں اور  
مردوں سے ہزار پچھرز بھی فٹ سے مان جاتیں۔  
مردوں کی طبیعت قدرے بہتر ہو گئی تھی سو اس نے کالج  
ماہین کی طبیعت قدرے بہتر ہو گئی تھی سو اس نے کالج  
پا شروع کر دیا لیکن اس کی کمزوری اور غائب دماغی  
کوب نے محسوس کیا تھا۔ پہلی بار جب اسے افشاں  
کے بارے میں پتا چلا تو اس کی ایک بار پھر طبیعت بگڑ  
گئی اور وہ مزید کئی دن کالج نہ جا سکی۔ افشاں کے  
ملا وہ اس کی فردا اور بیٹن سے دوستی تھی۔ جب وہ  
دوبارہ کالج آئی تو فروانے نے بے حد اصرار کر کے اس  
سے ساری بات اگھولی، وہ اپنی بات راز رکھنے کی  
مادی بھی نہیں تھی۔ آدمی کلاس اس کے اور ہمایوں  
کے اندر کے بارے میں جانتی تھی۔ جو نہیں جانتی تھیں  
انہیں بھی اس بار پتا چل گیا لیکن اس کا قاعدہ یہ ہوا کہ  
پوری کلاس ماہین کی دلجوئی میں لگ گئی کیونکہ وہ سب  
کی پسندیدہ جو تھی۔ ہر دم ہنسنے ہنسانے والی، شوخ  
چٹکل، مستی سے بھر پور انتہائی زندہ دل لڑکی جو کبھی کسی  
کی بات کا برا نہیں مانتی تھی، اس کو اس حال میں دیکھ کر  
بہی کو دکھ ہوا تھا اس لیے کوئی بھی اسے کبھی بھی وقت  
نہا نہ چھوڑتا۔ اس کے ہوم ورک، اسائنمنٹس اور  
پابکس ساری کلاس نے آپس میں مل بانٹ کر مکمل  
کر دیے، بیٹن میں بھی اس کی مدد کی، اس کو روز لٹچ  
مل لے جاتا اور اس کا ہر کام مکمل ہو جاتا۔ کاموں  
سے فراغت کے بعد اس کی دلجوئی کے لیے سب مل کر  
پہنچائیں، کوئی نہ کوئی چٹکلا چھوڑ کر اسے ہنسانے کی  
کوشش کرتیں، وہ ہنستی تو نہیں مگر مسکرانے لگی تھی  
سہاں ہو جاتیں۔ ماہین کا غم سب کا غم تھا، ماہین  
کی کوئی ناان سب کو اپنا فرض لگتا۔ فروری کے آخر  
مئی کی امتحانات ہونے تھے اور اس سے پہلے اسے

## قصہ دل

انچارج کو جھوٹے سچے قصے سنا کر اس کے نروس بریک  
ڈاؤن کا تیا تا کر وہ اسے کوئی ذمے داری نہ سونپیں۔  
ان سب کی ان تھک کوششوں سے ماہین کریم اچھی ہو  
گئی، اس کی صحت بحال ہو گئی، چہرے پر رونق لوٹ  
آئی اور سب سے بڑھ کر۔۔۔۔۔ اس کی بیٹی لوٹ آئی۔

☆☆☆

برآمدے کی اوپری کھڑکیوں کے دھیرے پڑے ہوئے  
ہوئے تھے، فردری کی نرم دھوپ شیشوں سے ٹکراتی  
اندرونی ٹھنڈک کو کبھی کبھی چش میں بدلنے کی کوشش کر رہی  
تھی۔ برآمدے میں موجود صوفوں میں سے ایک پر اوٹنی  
سر جھکا گئی کے سامنے بیٹھی آنسو بہا رہی تھی اور منہ  
بادوبتی خانے میں تھی، بابا اور احمد گھر پر نہیں تھے۔

”مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا میں کیا کروں گی۔“  
انہوں نے اس کا ہاتھ تمام کمری سے دیا۔

”منہ کے بابا آ جائیں تو بات کرتے ہیں۔ تم  
خود کیا چاہتی ہو پہلے وہ بتاؤ، ہر قسم کے خوف کو پیچھے  
دھکیل کر۔“ اس نے سون، سون کرتے ہوئے آنسو  
پونچھے۔ اسی وقت منہ جوں کے گلاس ٹرے میں سجائے  
لائی تو مئی نے ایک گلاس ماوی کو تھما دیا۔

”مئی میں احتشام سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔“  
”اگر تم انکار کرو گی تو کیا ہوگا؟“ ماوی نے انہیں  
بے بسی سے دیکھا۔

”جھوٹا خیال آ جائے گا، نہ بھی آیا تو وہ احتشام جیسے  
بہی کسی اور لڑکے سے میری شادی کر دوائیں گے۔ خاندان  
تو وہی رہنا ہے، لڑکا کوئی بھی ہو اس سے کوئی فرق نہیں  
پڑتا جبکہ مجھے اسی بات سے فرق پڑتا ہے۔ مجھے اس  
خاندان میں اپنی زندگی برباد نہیں کرنی۔“ برآمدے میں  
خاموشی چھا گئی، تینوں نفوس اپنی، اپنی سوچوں میں مگن  
جوں پیتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد مئی اپنی جگہ سے اٹھیں۔

”آپ دونوں کمرے میں جا کر آرام کرو۔ آپ  
کے بابا اور احمد آ جائیں تو ان سے بات کر کے بتاؤں  
گی۔“ وہ دونوں سر ہلا کر اٹھ گئیں۔ دوپہر سہ پہر میں  
مئی نے احتشام سے بات کر لی۔







”ممی اگر آپ اجازت دیں تو میں اکیلے میں ماویٰ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“ انہوں نے بچہ سوچ نظر دوں سے اسے دیکھا پھر سر ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ماویٰ اور منہ و دونوں اپنے، اپنے بستر پر تھیں مگر دونوں ہی انہی، اپنی سوچوں میں غلطیاں تھیں۔ ممی نے دستک دے کر دروازہ کھولا تو دونوں اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

”ایک بار مجھے اختیار دے دو مائی، مجھے اس کی سند دے دو۔ میں زبانی دعوے نہیں کر سکتا چاہتا ہوں جو سچتا ہوں وہ میں تمہیں کر کے دکھانا چاہتا ہوں۔ کیا تم میری ہونا چاہتی ہو؟ پھر اس کے لئے دو۔“ اس کے لب پھڑپھڑائے۔ ”نویسے اور آواز ارتعاش کے ساتھ لکھی۔“

”ہاں.....“ اور سمندر بہر نکلا اور اتر اداں۔

☆ ☆ ☆

اور سارے کاروبار پر قبضہ کر لیا۔ ان دنوں بڑنس  
ہایلوں کے ڈنٹے تھا اور وہ ہمایوں کی تاجر بے کاری  
سے فائدہ اٹھاتا چلا گیا اور چند ماہ میں انہیں فب پاتھ  
پر لا کر آگیا۔ جہازیب صاحب نے اس پر کيس کیا اور  
جون پوچی کی دھوکا پر لڑادی مگر باران کا مقدر ٹھہری۔  
اصل جھٹکا سے  
ہمایوں نوکری کے لیے درجہ رکھنے لگا۔ اصل جھٹکا سے  
جنگ جب حور نے ایکٹیوی کے مالک عثمان محمود سے  
شغلی رچا کر ہمایوں کی انجمنی اس کے منہ پر دے  
داری۔ پیانا الماسموم چکا تھا اور ہمایوں کا حساب کتاب  
دع ہو چکا تھا۔

☆☆☆

## قصہ دل



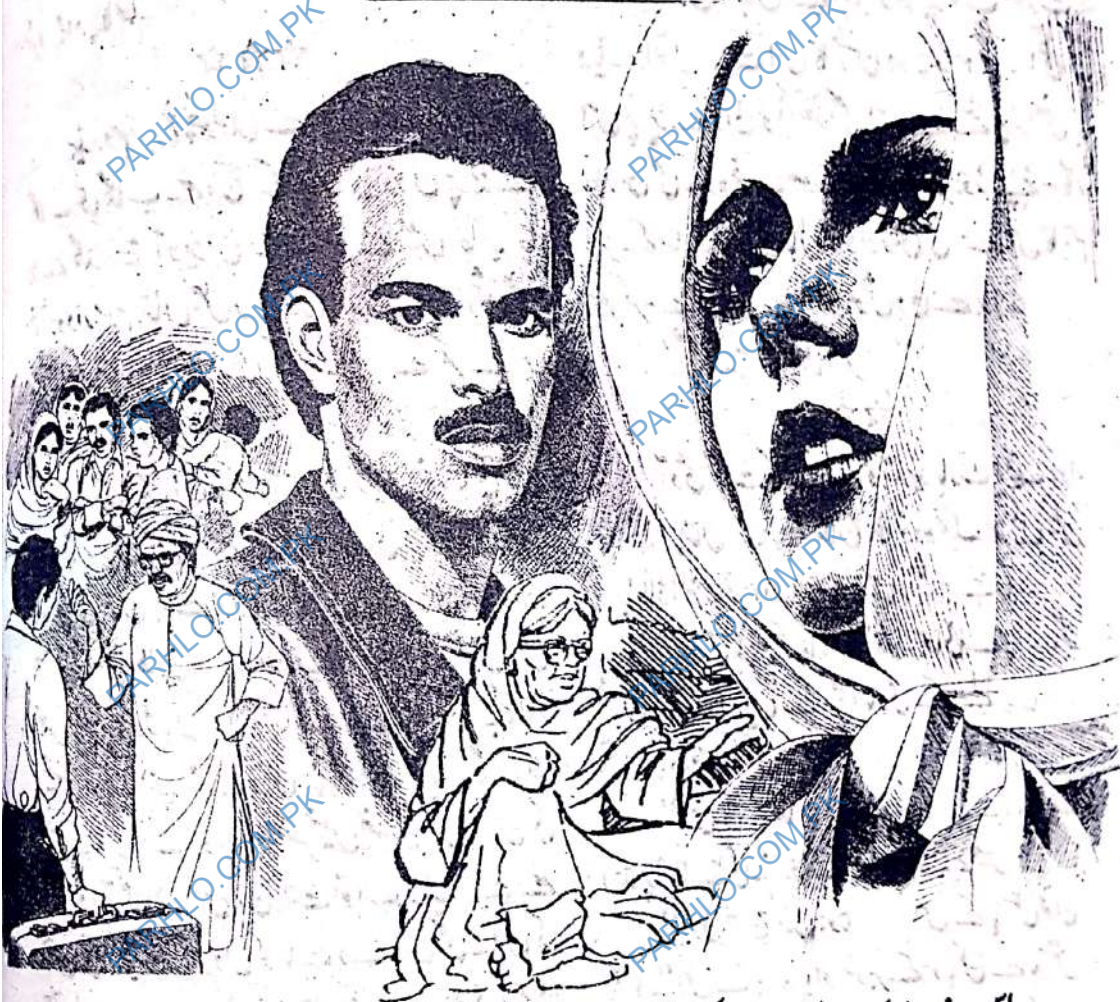
مکمل ناول



ابن مریم

عالیہ

تیسرا اور آخری حصہ



کیا وہ اسلام قبول کر لے گی۔  
”اسلام دل سے قبول کرنے کا مذہب ہے۔ دل  
سے اقرار کرنے والا مسلمان ہے۔ قول، فعل، ظاہر،  
باطن میں یکساں نظر آئے۔ کسی حال میں تقویٰ،  
پرہیزگاری، پاکبازی کا دامن نہ چھوڑے۔ اسلام  
ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔“ مفتی برہان احمد کاہر لیکچر

اس برف باری والے موسم میں بھی وہ پابندی  
سے اسلامک سینٹر جاری تھی۔ با ترجمہ قرآن دوبارہ سے  
پڑھ رہی تھی۔ یہاں کے لیکچر مفتی برہان احمد سے بہت  
پسند تھے۔ ان کا لہجہ ان کا انداز نہایت مسکون تھا۔  
اب وہ محسوس کرنے لگی تھی۔ جو اضطراب اور  
بے چینی بچ جانی سے اس کے اندر تھی، وہ ختم ہو گئی۔ تو  
ماہنامہ پاکیزہ دسمبر 2022ء



اس کے دل میں نقش ہوتا جا رہا ہے۔  
”نجات اسلام میں ہے۔“

”اگرچہ ہم بخود سستی رہتی۔ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ اس روز بھی وہ اسے انہماک سے مفتی صاحب کا پیچہ رہی تھی کہ وقت گزرنے کا احساس نہ ہوا۔  
باہرنگی تو اسامہ بھی اپنے دوست کے ساتھ نکل رہا تھا۔“

”تم.....“ وہ اس کے پاس آگیا۔  
”ہاں، میں تو روز ہی آتی ہوں۔“  
”آئی کی..... کیا لگ رہا ہے؟“

”بہت اچھا۔“  
”اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو.....؟“ اس کی جانب دیکھا۔

اسامہ اسے دیکھے گیا۔  
”الزبتہ..... جذبات سے نہیں، سن کر جلد بازی سے ہیں، سناڑ ہو کر نہیں، یقین کے ساتھ، دل سے اس مذہب میں داخل ہونا کہ اس سے بہتر کوئی مذہب نہیں۔“  
”دونوں ساتھ ساتھ ملے اسلامک سینٹر سے باہر آگئے۔  
الزبتہ خاموش تھی۔  
”کیسے جاؤ گی؟“

”میسرو سے..... اور تم.....؟“ اسامہ نے اس کی طرف دیکھا۔  
”چلو میں بھی میسرو سے چلتا ہوں۔“ وہ اس کے ساتھ چلنے لگا۔  
”تم کچھ ادا ہو؟“

اسامہ چپ رہا۔  
”کیسے بتاتا کہ آج پاکستان میں انزلہ کی شادی تھی۔ اس نے اس پر تہمت لگائی، صفائی کا موقع بھی نہیں دیا۔ ایک عرصہ اس کے خوابوں میں رہی تھی، وہ جذباتی ٹوکی۔ دکھ تو ہوا تھا مگر کسی پر ظاہر نہیں کرتا تھا۔  
صبح سے دوستوں کے ساتھ تھا۔ پھر اسلامک سینٹر آگیا کہ الزبتہ نظر آگئی۔ اب دونوں ساتھ تھے۔ الزبتہ کے سوال کو نظر انداز کر دیا۔

”اوہ..... مانی گاؤ۔“  
”اوہ..... مانی گاؤ۔“  
”اوہ..... مانی گاؤ۔“

موضوع اسٹڈی کی طرف آگیا۔ الزبتہ نے زور دیا کہ چھڑ دیا۔ اسامہ دادی کی طبیعت بتانے لگا۔ انزلہ کی شادی میں دادا، دادی، امی، ابو کوئی نہیں گیا تھا۔ صرف نکاح میں شریک ہوئے تھے۔ زبانی اسے بتایا تھا۔  
مگر اس سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ آج بالکل ہی اس کی یاد کو ختم کر دیا تھا۔  
☆☆☆

الزبتہ کا دل خود بخود، قرآن اور تفسیر کے بند سنت نبویؐ کی طرف مچ رہا تھا۔ قرآن تفسیر کے ساتھ اسلامک سینٹر پڑھنے جاتی تھی اور سنت نبویؐ وہ بیٹہ پر سیکھ رہی تھی۔

آج نے کچھ نوٹ کر لیا تھا۔ بس ایک سانس لے کر رہ جاتے۔ وقت خود کو دہرا رہا تھا یا مریم کا وقت قبولیت تھا۔ وہ اکثر سوچوں میں گم رہنے لگے تھے۔ مریم کے الفاظ کا ان میں گونجتے۔

”علی آپ لادین تھے۔ آپ نے میرا مذہب میرے لیے قبول کیا فاطمہ کو ضرور بتانا کہ اس کی ماں کا مذہب کیا ہے۔ میری نسل پر یہ احسان ضرور کرنا علی۔“  
اب ان کا دل ملامت و سرزنش کرنے لگا تھا۔  
آج تک انہوں نے یہ بات مریم کو نہیں بتائی تھی کہ وہ اصل میں کس مذہب سے تعلق رکھتی تھی اور وہ اسے اپنے ساتھ چرچ لے جاتے رہے۔  
☆☆☆

اس روز پایا گھر پر نہیں تھے۔ ان کا لپ ٹاپ کھول کر وہ ماں کی تصویریں دیکھنے لگی۔ جلدی، جلدی دیکھی ہوئی سب تصویریں دیکھ کر آخری حصے پر آگئی۔  
یہاں پایا نے فولڈر بند کر دیا تھا۔ اس نے وہاں سے آگے دیکھنا شروع نہیں کیا۔

وہ ماں کی تصویریں تھیں۔ مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے، مسلمانوں کی عظیم عبادت گاہ خانہ کعبہ کے سامنے، سفید کپڑے پہنے، ہر جگہ، چکر لگاتے ہوئے۔  
”اوہ..... مانی گاؤ۔“

زوا کی طرح وہ اس سے دو بارہ ملے۔

لے کھڑی اس کا دل بند ہونے لگا۔  
”اس کی ماں..... مسلمان تھیں؟ مگر پایا نے کیوں چھپا؟“ اسی لیے چرچ میں اس کا دل گھبراتا تھا۔  
”اسی لیے میں مسلمانوں کی گیدرنگ میں شوق سے جھپکا۔“

زوا..... اس کا گھر اس کا خاندان کتنا جانی تھی۔ اسامہ..... اس کے اندر سے جیسے کوئی اسے نجات کی اچھا لگا تھا۔ وہ چرچ جا کر بھی سکون نہیں پاتی تھی۔  
”میرے خدا.....“

اس نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔  
”میری ماں کی دعاؤں نے مجھے تھام رکھا تھا۔ اور پایا.....“  
”کوئی دھیرے سے اس کے قریب آ بیٹھا۔  
سراٹھایا۔ پایا تھے۔“

”پایا..... غیر یقینی اضطراب سے انہیں دیکھے گئی۔  
”آپ، آپ نے مجھ سے کیوں چھپایا، بتایا نہیں..... کیوں پایا کیوں..... میری ماں مسلمان تھیں۔“  
انہوں نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔  
”اس لیے الزبتہ کہ میں چاہتا تھا کہ تم خود یہ فیصلہ کرو کہ تمہیں کون سا مذہب اختیار کرنا ہے۔“

”میری طرح نہیں، مریم کے حصول کے لیے میں بس نام کا مسلمان ہو گیا اور اس کے مرنے کے بعد پھر سے لادین ہو گیا۔ مجھے اس کے مرنے کا بہت دکھ تھا، میں بیسائی بن سکا نہ مسلم۔ مسجد جا سکا نہ چرچ..... خود میں گمن پسیر اندھ رہا۔ پیسے سے میں ہر چیز خرید کر مطمئن ہوتا رہا۔ مگر اب میرے اندر بے سکونی اور بے چینی در آئی ہے۔ تلاش شروع ہو گئی اس خدا کے واحد کی۔“

”آپ نے تو مجھے عیسائیت کے بارے میں بتایا نہ ہی اسلام کے بارے میں۔“  
”خفی سے انہیں دیکھا۔ وہ رو دی۔  
”میری ماں مسلمان تھیں، میں کیسے عیسائی بن سکتی تھی۔ میں چرچ جانے سے گھبراتی تھی، بے سکون رہتی تھی۔“

”آپ نے تو مجھے عیسائیت کے بارے میں بتایا نہ ہی اسلام کے بارے میں۔“  
”خفی سے انہیں دیکھا۔ وہ رو دی۔  
”میری ماں مسلمان تھیں، میں کیسے عیسائی بن سکتی تھی۔ میں چرچ جانے سے گھبراتی تھی، بے سکون رہتی تھی۔“

”آپ نے تو مجھے عیسائیت کے بارے میں بتایا نہ ہی اسلام کے بارے میں۔“  
”خفی سے انہیں دیکھا۔ وہ رو دی۔  
”میری ماں مسلمان تھیں، میں کیسے عیسائی بن سکتی تھی۔ میں چرچ جانے سے گھبراتی تھی، بے سکون رہتی تھی۔“

ابن مریم

”سجھائی نہیں۔“ وہ رو رہی تھی۔

”اب تو تمہارے اندر یقین ہے۔ تم نے اسلام کی سیکھا ہے، پڑھا ہے، اچھے برے کی تمیز ہے۔“ وہ لے۔  
”میرا نام مریم نے علی رکھا تھا مگر میں اس کا تحفظ نہیں کر سکا۔ پہلے ایک تھا۔ بھرلی۔ پھر آج ہوا۔  
میں..... میں..... کچھ مذہب سے وہ خاموش ہوئے۔  
”اب میں اسلام پر ریسرچ کر رہا ہوں الزبتہ، نہیں مریم، میں بھی دوبارہ سے اپنا نام علی رکھ لوں گا۔“  
شرمندگی سے ان کا سر جھکا ہوا تھا۔

”پایا.....“ اس نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔  
”ہاں، اب میں دل سے کلمہ پڑھوں گا۔ دل سے اقرار رب کروں گا۔ دل سے اسلام کی تعلیمات اپناؤں گا۔“ ان کے لہجے میں سچائی تھی۔

”پایا.....“ روتے، روتے اس نے سر اٹھایا۔ اب کے عداوت کے ساتھ خوشی کے بھی آنسو تھے۔  
”ماما نے میرا کیا نام رکھا تھا؟“  
”فاطمہ!“

”فاطمہ!“ زبیراب کہا۔ اس کے اندر مٹھاس سی گھل گئی۔ اور فیصلہ ہو گیا۔ سر تسلیم خم کر لیا گیا۔  
”اضطراب، بے چینی، بے لگی ہوا ہوگی۔  
غسل کرنے کے بعد وضو کر کے اس نے سفید لباس پہنا۔ آج حقیقت میں وہ انجیل لگ رہی تھی۔  
”فرشتہ ہو تم۔“ روزی ٹھیک کہتی تھی۔

اسلامک سینٹر میں آج سر برہان بہت خاص موضوع پر پیچہ دے رہے تھے۔ وہ خدا کی توحید بتا رہے تھے۔

پورا ہال حاضرین سے بھر ا ہوا تھا۔  
”مفکر اسلام عالمی دانشور برہان احمد علی پٹاؤں کے پیچھے کھڑے تھے۔  
پورے ہال میں گہری خاموشی تھی۔ سب ہمہ تن گوش۔ سر اور چہرے کے گرد اسراف جمائے، سفید لباس میں شانوں پر اچھی طرح سے دوپٹا ڈالے دھیرے، دھیرے قدم اٹھاتی وہ اس کی بیڑیاں چڑھ رہے تھے۔

”میری ماں مسلمان تھیں، میں کیسے عیسائی بن سکتی تھی۔ میں چرچ جانے سے گھبراتی تھی، بے سکون رہتی تھی۔“



کر برہان احمد کے پہلو میں جا کھڑی ہوئی۔ سب محافظ روکتے رہ گئے۔

”جی! اشارے سے آنے والوں کو روک کر عینک کی اوٹ سے اسے سر تا پا دیکھا۔

”میں مسلمان ہو کر کلمہ پڑھنا چاہتی ہوں۔“ پورے ہال میں گہری خاموشی تھی۔

”کیوں؟“

”میں نے اسلام کا مطالعہ کیا ہے، اس سے اچھا مذہب کوئی نہیں۔ ایمان، تحفظ، عزت، حرمت، پاکیزگی، نجات سب اس میں ہے۔ میں نے سنت نبویؐ پر یسوع کی ہے۔

برہان احمد نے اسے بغور دیکھا اس لڑکی کو کتنے عرصے سے اس ہال کے آخری کونے میں ہمہ تن گوش ہو کر لکچر سننے دیکھ رہے تھے۔ اس کی آنکھیں اس کے بیان کے یقین کی گواہی دے رہی تھیں۔ جی وہ چونک گئے۔ اس کے ہاتھ میں سرخ رنگ کی الہامی کتاب دہلی ہوئی تھی۔ انیس یقین آگیا۔ حاضرین پر اک نگاہ ڈالی۔ اگلی صف میں بیٹھے اپنے دوستوں پر ایک نگاہ ڈالی اور پھر اس لڑکی پر۔

”کیا نام ہے آپ کا؟“

”مریم۔“

چونک کر اسے دیکھا۔

”پہلے کیا نام تھا؟“

سر جھکا کر اللہ ربک پشیمان ہوئی۔ کیا جی اور کیا رہی۔ استغفر اللہ۔

”الزبتھ۔“

”آپ دینی مریم تو نہیں جو نیٹ پر..... مجھ سے

مذہب اسلام سے متعلق سوال پوچھتی ہو اور ہر لکچر اور

دول کے اختتام پر سوال جواب کرتی ہو؟“

”جی! مریم نے سر جھکا لیا۔

مفتی برہان احمد کو اور کسی تصدیق نانے کی

ضرورت نہیں تھی۔ یہ بلا ضرورت صرف دل سے ایمان

لائے والی تھی۔

”پڑھو..... لا الہ الا اللہ۔“

پورا ہال خوشی و مسرت سے ہمدن گوش تھا۔

اور..... اور اسامہ بن محسن..... دم بخود اسے

مسلمان ہوتے دیکھ رہا تھا۔

دل سے زبان، آنکھوں سے، آسمانوں سے

مسلمان ہو رہی تھی۔ کلمہ طیبہ پڑھ رہی تھی۔ دل سے

اقرار کر رہی تھی۔ زبان سے ادا کی عشق و محبت ادا

کر رہی تھی۔ پورا ہال سرشاری اور محبت سے اسے دیکھ

رہا تھا۔ اسامہ کی آنکھیں جھپک رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

”بہت، بہت مبارک ہو۔“ دل کرنے والوں

میں سب سے پہلے اسامہ تھا۔ اس کے سامنے کھڑی

اسے دیکھتی رہی۔

”مجھے خوشی ہے کہ یہ فیصلہ تمہارا اپنا ہے۔ تمہاری

سوچ تمہارے دل، تمہارے دماغ کا ہے، اس لیے میں

نے تمہیں اس سلسلے میں..... تمہاری کوئی مدد نہیں کی۔“

خوشی اس کے چہرے پر تھی۔

”تم مسلمان نہیں۔ تمہاری روح مسلمان تھی،

مجھے تمہیں پہلی نظر میں دیکھتے ہی احساس ہو گیا تھا۔

تمہارا نام بھی مریم تھا۔ تم مجھے کبھی بھی عیسائی نہیں

لگیں۔ الزبتھ تم پر سوٹ نہیں کرتا تھا۔ ہمیشہ ایک بھگی

ہوئی روح لگیں۔“

آتے جاتے لوگ اسے مبارکباد دینے لگے۔

السلام علیکم کہتے ہوئے گزرتے۔ ایک بوڑھی خاتون

نے اسے گلے لگایا، پیار کیا۔ وہ اسے لے کر سنی بیچ پر

بیٹھ گیا۔ برف باری، دھیرے، دھیرے پھوار کی شکل

میں ہو رہی تھی۔ ہر سو تقدس، احترام، پاکیزگی کا نظارہ

تھا۔ اس وقت مریم اسے مٹھن مریم لگی۔

مریم کے چہرے پر بہت خوب صورت رنگ

تھے، خوشی، دل چاہ رہا تھا کہ اسے دیکھے جائے،

دیکھے جائے..... وہ خاموش تھی۔

وہ بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا..... بتانا چاہتا تھا مگر

فی الحال نہیں.....

خاموش لمحے دونوں ایک ساتھ گزار رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ مگر آگئی۔

خاموشی، چہرے کے تقدس آمیز رنگ، ہلکتے سے جفا

اسکارف اور جسم کے گرد لپٹا دوپٹا..... آج جو تک گئے۔

”تم..... تم..... وہ مزید کچھ نہ بول سکے۔

”جی پاپا! وہ ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

”الحمد للہ..... میں مسلمان ہو گئی ہوں اور میں

اب یہاں کیسے رہوں گی۔“ انہیں دکھا۔

”مجھے ہاتھل شفٹ ہو جانا چاہیے یا مگر.....“

”الزبتھ۔“

”الزبتھ نہیں، پاپا..... مریم..... ہاں آپ فاطمہ بھی

کہہ سکتے ہیں مگر مجھے مریم پسند ہے۔“ دھیرے سے کہا۔

”تم نے مجھے بتائے بغیر اتنا بڑا فیصلہ کر لیا۔“

علمہ آمیز انداز میں دیکھا۔

”پاپا یہ فیصلہ برسوں پہلے ہو چکا تھا آج تو بس

عمل ہوا ہے، تجدید وفا ہوئی ہے۔“

”میں بھی تو مسلمان ہونا چاہتا تھا۔“

مریم انہیں دیکھ گئی۔

”مجھے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا ہے۔ اپنی

مریم سے معافی مانگنی ہے۔ اب میں دل کی گہرائیوں

سے مسلمان ہوں گا۔ اس قبولیت میں کوئی شک و شبہ

نہیں ہو گا۔ میں اللہ کی وحدانیت پر ایک قرآن، ایک

رسول پر ایمان لاؤں گا۔“ انہوں نے پرجوش انداز

میں کہا۔ مریم نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

”اور..... میں..... میں کہاں جاؤں گی؟“ فیم

جانے کب ان کے برابر آکر بیٹھ گئی۔

”تم!.....! آج رات اسے دکھا۔

”آج..... تم نے میرے بارے میں نہیں سوچا۔“

”ہم مسلمان ہیں۔ تم سے ہمارا رشتہ ختم ہو جائے

گا۔ ڈیوڈ کو میں اپنا مذہب دوں گا۔ دین اسلام۔“

”لیکن میں..... میں کہاں جاؤں گی۔“ خشکی

سے اس نے اپنی جانب اشارہ کیا۔

ابن مریم

”اس کے لیے ہم تمہیں کوئی آفر نہیں دے سکتے، یہ

تمہاری اپنی مرضی پر منحصر ہے۔“ سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

”میں جو اتنے سالوں سے تمہارے ساتھ ہوں،

ہم قدم ہوں، دکھ اور، تکلیف جہاں حالات میں۔“ گہری

سنجیدگی سے دیکھا۔

اور پھر دونوں چونک گئے۔

”چپکے، چپکے کی جانے والی اس اسٹڈی میں جو تم

لوگ اپنے، اپنے لپ ٹاپ پر کرتے تھے۔“

”کیا..... کیا کہنا چاہتی ہو؟“ دونوں ہکا بکا رہ گئے۔

”ہاں۔“ فیم نے سر جھکا لیا۔

”یہ سچ ہے مجھے بھی اسلامی تعلیم نے متاثر کیا

ہے۔ میں نیٹ پر مفتی برہان احمد کے لکچر سنی تھی اور اپنی

میں بہت کچھ جان گئی ہوں۔ اسلام کے بارے

میں۔ سارا کا سارا۔“

”ماما۔“ مریم ان کے گلے لگ گئی۔

ماحول ہی بدل گیا تھا۔ خوشی غم کے آنسو تھے کے

تھم نہیں رہے تھے۔

اگلے دن یہ پورا گھرانا اسکالر برہان احمد کے

ہاتھوں مسلمان ہوا۔ فیم کا اسلامی نام خدیجہ رکھا گیا اور

آج کا علی اور ڈیوڈ کا نام اذان رکھا گیا۔

اگلے دن علی نے اپنا فلیٹ سیل کر دیا۔ مسلمانان

کے علاقے میں دوسرا فلیٹ لیا۔ اچھی طرح گھر کی

صفائی کے بعد انہوں نے برہان احمد کے ساتھ ہی اس

گھر میں قدم رکھا، جہاں اسلامی روایت کے مطابق

قرآن پاک پہلے لایا گیا۔

اسامہ اگلے ہفتے تک اسے ڈھونڈ رہا، تلاش

کرتا رہا مگر اس کی مصروفیت بہت اعلیٰ وارفع تھی۔

اس روز وہ اپنا اسائنٹ جمع کروا کر لان کی

سیڑھیوں پر بیٹھا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ مریم کا سیل بھی

آف جا رہا تھا۔ اس کے دل میں خوف بھی تھا کہ کہیں

کچھ ہونہ گیا ہو۔

سیبی روزی آگئی۔ اس کے سامنے کمر پر ہاتھ

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....



تصویروں میں ماننے اسے گود میں اٹھایا ہوا تھا۔  
”یہ تو معنی منی سی فاطمہ.....“ پاپا نے اس کی  
جانب ایک تصویر بڑھائی۔

”پاپا، فاطمہ نام ہی اچھا تھا۔“

”ہاں، تمہارے پاس چوائس ہے، فاطمہ یا  
مریم..... جو نام بھی رکھ لو.....“ وہ بغور تصویریں دیکھ  
رہے تھے۔ دلہن بنی ہوئی مریم اور وہ..... یاد ماضی، وہ  
زیر لب مسکرا رہے تھے۔

”یہ دیکھو تمہارے گرینڈ مائینڈ گرینڈ پاپا.....“  
ایک اور تصویر اس کی جانب بڑھائی۔

مریم نے بغور دیکھا..... پیچھے لکھا تھا۔

”میں رہا باب اور مریم.....“

”یہ مریم کی دلہن بنی ہوئی تصویر، یہ دیکھو وہ بچپن  
میں سانگیل چلا رہی ہے، مریم بتاتی تھی کہ اس کے پاپا  
کو تصویریں کھینچنے کا بہت شوق تھا۔ اس کے پاپا کی بھی  
مریم کی ماں کے ساتھ لومیر تھی۔ وہ تصویریں کھینچ  
کھینچ کر پاکستان بھجواتے تھے۔“

مریم خاموشی سے سن رہی تھی۔ بہت ساری  
تصویروں میں ایک اور مرد، عورت کی تصویر اٹھائی۔

”دیکھو یہ مریم کی دادی، فاطمہ اور دادا لائق

احمد..... مریم بتاتی تھی کہ اس کے پاپا کو اپنے چہرے

سے محبت بہت تھی۔ وہ اپنی بیٹی کو پاکستان لے کر جانا

چاہتے تھے مگر انہوں نے ان کی شادی کو قبول نہیں کیا۔

بہت کوشش کی مگر بے سود رہی..... ان کا اسی دکھ میں

انتقال ہو گیا۔ مریم کے قادر کو اس دکھ میں ہارٹ ایک

ہو گیا تھا۔ پھر مریم کی مدد نے اس کی پرورش کی، جاب

کی۔ پاکستان میں ان کے مسیڈ کے ایک بھائی تھے جو

انہیں کافی سپورٹ کرتے تھے۔“

مریم دم بخود سن رہی تھی۔

”اس کا تعلق پیچھے سے پاکستان سے ہے۔ جی

اے پاکستان بہت پسند ہے۔ مریم کہتی تھی وہ ان کے

پاس پاکستان ضرور جائے گی۔“ پاپا تارے تھے۔

ایک تصویر

بہت مبارک ہوا آپ کو ہمارے مذہب میں آنا، کیا لگ  
رہا ہے؟“ وہ اب تک یقین ہی نہیں کر رہی تھی کہ معاذ

دینج اسے کال کر سکتا ہے۔ اس کا دلچسپا محسوس کیا تھا

مگر..... پھر محض وہم کہہ کر نال دیا تھا۔

”ہاں، مریم تم آؤ ضرور آؤ بلکہ پاکستان میں

رہ جانا۔ بلکہ مریم ہم تمہاری کسی پاکستانی لڑکے سے

شادی کر دیں گے۔“

زویا الگ اپنا پروگرام بتا رہی تھی۔ مریم ہنسنے لگی

اور ہنسنے، ہنسنے سیاہ آنکھوں، محض مومچوں اور گلے

بالوں والا وہ..... دراز قد نو جوان یاد آ گیا۔

☆☆☆

مریم نے خوشی، خوشی یہ بات اسامہ کو بتائی معاذ

کافون آیا تھا۔ اسامہ اسے دیکھے گیا۔ پھر گہری

سانس لی۔

”مریم، اسلام قبول کرنے کے بعد تم ہمارے گھر

کا حصہ بن گئی ہو..... سب تمہاری تحریض کرتے ہیں،

تمہارا نام لیتے ہیں۔“ اسامہ خوشی، خوشی بتا رہا تھا۔

”دادا، دادی تمہیں بہت پسند کرتے ہیں ان

کے بھائی سے جو تم ملتی ہو بہت شباہت آتی ہے۔“

مریم سر جھکا کے سنتی رہی۔

☆☆☆

رات وہ نیٹ پر سورہ قرآن قدرے بلند آواز سے

سن رہی تھی۔ اذان دوسرا اکلہ یاد کر رہا تھا۔ اس کا

اسلامک اسکول میں ایڈمیشن کروادیا تھا۔ اور وہ ان

تبدیلیوں کو بخوشی قبول کر رہا تھا۔ خدیجہ (نیم) بھی

بہت خوش تھیں۔ پاپا اس کے کمرے میں آئے تھے، کھلا

سائراؤڈز قدرے اونچا ڈھیلی، ڈھالی شرٹ، سر پر

ٹوپی..... بہت اچھے لگ رہے تھے۔

”یہ لومریم.....“ چھوٹا سا بیگ اس کی جانب بڑھایا۔

”کیا ہے؟“

”یہ تمہاری ماما کی تصویریں ہیں کچھ بہت پرانی

ہیں ان کے گھر والوں کے ساتھ۔“

”اچھا..... وہ فائل، بزرگ کے بیگ کھول کر دیکھنے

لا۔ ایک سے بعد ایک تصویریں نکالنی لگی۔

دوسرے مذہب میں، دوسروں کے رنگ میں اپنا زندگی کے

یہ سب پہلے تہوار تم لوگوں کے ساتھ منانا چاہتی ہوں۔ کب

چاہتی ہوں تاکہ جب میں اپنا گھر بناؤں تو وہاں یہ سب

تہوار جوش و جذبے سے مناؤں۔“ مریم دم بخود رہ گئی۔

دھیرے بول رہی تھی اپنی خواہش کو مجسم دیکھ رہی تھی۔

”ہاں، مریم تم آؤ ضرور آؤ بلکہ پاکستان میں

رہ جانا۔ بلکہ مریم ہم تمہاری کسی پاکستانی لڑکے سے

شادی کر دیں گے۔“

زویا الگ اپنا پروگرام بتا رہی تھی۔ مریم ہنسنے لگی

اور ہنسنے، ہنسنے سیاہ آنکھوں، محض مومچوں اور گلے

بالوں والا وہ..... دراز قد نو جوان یاد آ گیا۔

☆☆☆

”دادی جان بہت خوش ہیں مبارک باد دے

رہی ہیں، کہہ رہی ہیں کہ جلدی آتا پاکستان۔“ رات

زویا کا دوبارہ فون آیا۔

”اوکے، اوکے۔“ وہ ہنس رہی تھی۔

اسامہ اس کے لیے پریشان ہو رہا تھا۔

اپنی خوشی کو محسوس کرتے، کرتے اسے اسامہ کا

خیال آیا۔ اور وہ اس برف باری کے موسم میں یونیورسٹی

آگئی۔ اس کے نمبر پر کال کر کے بلایا..... اور..... اور

وہ بھاگا چلا آیا۔

”تم..... تم کہاں تھیں؟ کیا ہوا تمہارے ساتھ؟“

بے قراری سے پوچھا۔ ”فون بھی بند تھا۔“

جواب میں مسکراتے ہوئے۔ ان گزرے دو

ہفتوں کی کہانی سنا دی اور اسامہ دم بخود سن رہا تھا۔

ایک بار پھر دھیر ساری مبارک باد دی۔

زندگی میں بہت امن سکون، سلامتی آگئی تھی۔

اسلامک سینٹر میں اس نے باقاعدہ نماز پڑھنا سیکھی۔ اب

گھر میں سب کو نماز پڑھا رہی تھی۔ عطا اللہ یاد کروانی،

قرآن پڑھائی۔ سب اسے اچھا لگتا تھا۔

اور اس روز وہ حیران رہ گئی۔ معاذ دینج کا فون آیا۔

”آپ!“

”ال.....“

باندھ کر کھڑی ہو کر اسے گھورتی رہی۔  
”تو تم نے کیا جو تم کرنا چاہتے تھے..... مگر تم  
نے یہ اچھا نہیں کیا.....“ غصے سے لفظ چبائے۔

اسامہ اسے دیکھے گیا۔

”تم نے اسے بالآخر مسلمان کر لیا۔“

”نہیں، میں نے نہیں کیا، یہ اس کا اپنا ذاتی فیصلہ

ہے۔ میں نے بھی اس موضوع پر اس سے کوئی بات

نہیں کی مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے۔“ اس کے

ساتھ کھڑے اس کے دوست نے اس کے شانے پر

گھونسا مار دیا۔ اس سے پہلے خواہ مخواہ کی بات بڑھتی۔

روزی اسے لے کر چلی گئی۔

اسامہ ہنسا رہا۔

☆☆☆

نئی زندگی کی ابتدا..... اسلامی تہذیب، اسلامی

معاملات زندگی، اسلامی ماحول، سب بہت اچھا لگ

رہا تھا۔ دل بے حد خوش مطمئن اور ہلکا تھا۔ سب سیٹ

ہونے کے بعد سب سے پہلے اس نے یہ خوش خبری زویا

کو سنائی۔ زویا لگت ہو گئی۔

”واقعی؟“

”ہاں..... جی۔“

”بہت..... بہت مبارک ہو، خوش آمدید۔ جی

پاکستان آ جاؤ بہت مزہ آئے گا۔“

”ہاں میں بھی پاکستان آنا چاہتی ہوں مگر ابھی نہیں۔“

”پھر کب؟“

”میں اپنے آخری سمسٹر کے بعد۔“

”وہ کب تم ہوگا؟“ بے چینی سے کہا۔

”بہت جلد..... زویا..... میری ایک خواہش

ہے۔“

”کیا؟“

”میں سارے اسلامی مذہبی تہوار سب سے پہلے

تمہارے ساتھ گزاروں، روزے، عید، ج، قربانی کی عید،

ان سب تہواروں کو میں نے دور دور سے دیکھا ہے،

میں نے یاد کیا ہے۔“

”اچھا.....“

”اب.....“



بہترین تحریریں، لاجواب روداد اور  
اعلیٰ داستانیں پڑھنے والوں کے لیے  
سرگزشت کا مطالعہ ضروری ہے

## سرگزشت

شمارہ دسمبر 2022ء  
کی جھلکیاں

### زخم خوددہ

اُس ادب پرست نے سرزمین  
سندھ کے لولیاؤں کی بیچان کرانی

### مفتی دوران

فنِ تنقید کو ایک نئی سمت  
دینے والے کا ذکر خاص

### ملاقاتیں اور ملاقاتیں

مرقی ہوئی زبانیں جن کے تحفظ  
کی فہم داری ہم سب پر ہے

### فتح

ایک ایسی کج بیانی جو  
آب کو جزو کاوے گی

### نورِ حیات

بقلم خود معرف قلمکار منظر رام  
کی دلچسپ خودنوشت روسیاء ایک  
سرکف نوجوان کی اہورنگ داستان  
اور بھی بہت کچھ ڈھیر ساری کج بیانی  
سچے قصے تاریخی واقعات

کے ایشاز رحمان شاہ مختصر کہانیاں  
دسمبر 2022ء

اڑتے، دانہ کھاتے، پانی پیتے اور اڑ جاتے..... بچے  
شوق سے پردوں کو دیکھتے، بچے بھاگتے ہوتے اس  
جگہ پر آتے پردے خوف سے اڑتے والدین  
پردوں کے درمیان تصویریں کھینچتے، خود اس کی بھی کئی  
تصویریں تھیں۔

”کیوں اسامہ.....“  
”میرا رزلٹ آنے میں ٹائم ہے، میں رزلٹ لے  
کر ہی جاؤں گا بار، بار اتنی دور کا سفر کیسے کروں  
گا..... فرسٹ سے میری جاب بھی ایشاز ہے  
یہاں.....“ ایک نیا انکشاف ہوا۔  
”پاپا تیری میں رہائش رکھنا چاہتے ہیں“  
”دیر سے اس نے بتایا..... وہ اپنی ہر بات اسامہ  
سے شیر کرتی تھی۔

”اچھی بات ہے، میں جانتا ہوں یہاں کچھ  
براہم کا سامنا ہوگا..... میں تم سے اسی موضوع پر بات  
نہی کرنا چاہتا تھا۔“  
”ہوں اسی لیے میں پاکستان جانا چاہتی  
ہوں..... پہلے..... اسامہ بہت کچھ سوچے گیا، اس کے  
ساتھ جانا، وہاں پر سب کا سلوک انزلہ کا رویہ..... اور  
بھی جانے کیا، کیا۔

اسامہ کا دل بے چین ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی  
زندگی میں کسی محبت کی تھی۔ انزلہ کا ظاہر دیکھ کر..... اس  
کی خوب صورتی دیکھ کر..... حالانکہ زویا نے بتایا تھا  
تھا کہ انزلہ تمہارے لیے ٹھیک نہیں ہے، وہ دوسروں سے  
حد رکھتی ہے اور اسے خود نمائی، خود ستائش کی عادت  
ہے۔ مگر میں اس کی خوب صورتی نے تو اسے جتلائے  
مجت کیا تھا۔ مگر ایسی خوب صورتی کا کیا حاصل جب  
انسان کے اندر تہذیب، شائستگی، رشتوں کا احترام نہ  
ہو، بولنے کی تیز نہ ہو یہ سب وہ اب سوچ رہا تھا

☆☆☆

رزلٹ کا انتظار کرنا تھا، پاپا نے نقل مکانی کرنی  
تھی۔ اس کے پاس ابھی وقت تھا پھر آگے جاب کرنا  
.....

زیادہ نہیں جانتا..... ہماری شادی کے کچھ عرصے پہلے  
مریم کی ملا کا انتقال ہو گیا تھا۔ ”میرا بھائی“  
تصویریں ہاتھ میں لے کر کچھ سوچتے..... ”میرا بھائی“  
”پاپا بے شک..... اس کی تری میں رہائش  
انتظام کریں مگر میں پہلے پاکستان جاؤں گی۔  
رمضان میں اسامہ کے ساتھ اس کے گھر پر گزراؤں  
گی۔ وہ لوگ پاکستانی اور مکمل مذہبی ہیں اب کے پہلا  
تہوار میں اُدھر ہی گزراؤں گی۔“

”مریم.....“ وہ کچھ تذبذب سے اسے دیکھنے لگے  
”اس کی گریڈ.....“ ”مریم نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔  
”اگر وہ.....“ ”انہوں نے اجازت دے دی۔  
”ہو سکتا ہے میں اپنی پاکستانی شناخت بھی  
ڈھونڈ لوں.....“

”مت ایسا کرنا.....“ بے ساختہ انہوں نے کہہ  
”کیوں پاپا.....؟“ ”چوک کر نہیں دیکھا۔  
”اگر انہوں نے تمہیں قبول کرنے سے انکار  
کر دیا تو..... تو بیٹا تمہیں بہت دکھ ہوگا.....“ کہنے  
ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

”ہوں.....“  
”اگلی ملاقات پر اس نے خوشی، خوشی اسامہ کو بتایا  
کہ اس کا تعلق بھی پاکستان سے ہے اس کے دادا  
پاکستانی تھے اور دادی..... تری..... اسے خوشی تھی کہ وہ  
بھی پاکستان میں ایک گریڈ فیلٹی رکھتی ہے۔ اسامہ بھی  
یہ سن کر خوش ہوا۔

”میں اس سال کا رمضان بھی پاکستان میں  
گزاروں گی۔“  
”مگر میں تو پاکستان جانے کا ارادہ نہیں رکھتا کم  
سے کم اس سال.....“

”کیوں.....؟“ وہ اچھپے سے بولی۔  
”ایسے ہی۔“ ”مہری سانس لی..... اور پارک  
کے اس حصے کو دیکھنے لگا جو پردوں کے لیے خاص بنایا  
گیا تھا۔ دھیر دھیر رنگ برنگ..... ان سے کپڑے.....

پھر اٹھائی..... پیچھے لکھا تھا۔ ”میں اور میرا بھائی غار  
احمد.....“ ایک اور تصویر اٹھائی..... ”میرا پیارا بھتیجا  
اتر.....“ ایک اور تصویر اٹھائی، چار، پانچ افراد کا  
گروپ ٹوٹا تھا۔ ”آپا جان، زبیدہ باجی، بھیا، اباجی،  
میں اور غار.....“ جانے کیوں اس تصویر کو وہ دیکھے  
گئی۔ ہنستے، مسکراتے چہرے جو کئی سالوں پہلے  
جوان تھے، اب جانے کیسے ہوں گے۔

اس کے دل کے احساسات عجیب سے تھے۔  
اس کے دل کی خواہش ہو رہی تھی کہ وہ اسلام قبول  
کرنے کے بعد کسی اسلامی ملک میں رہے اولین  
خواہش پاکستان میں رہنے کی تھی۔ دوسرے نمبر پر تری  
تھا اس کی ماں کا ملک..... اس کا ارادہ تھا پاپا سے بات  
کرے گی اس موضوع پر..... مگر..... اب اس کے لب  
ساکت رہ گئے تھے اور وہ مشغور تھی۔

”مریم ہم اگلے سال مناسک حج کی ادائیگی کے  
لیے جائیں گے تو اُدھر ہی رہ جائیں گے..... پاپا  
پے سوچے کچھ کہہ رہے تھے۔

”اگر وہاں نہ رہ پائے تو ترک میں رہیں گے نئی  
زندگی ہے تو کچھ بھی نئی ہوتاں..... لوگ یہاں نہیں  
پرانے حوالے سے دیکھتے ہیں، ناپسندیدگی کی نظروں  
سے دیکھتے ہیں اب.....“ وہ دھیرے، دھیرے کہہ  
رہے تھے۔ مریم دم بخود تھی۔

”مجھے اکثر ملنا بند ہو رہے ہیں، میں کب تک  
چھپ سکتا ہوں.....“ ”خدا کا بھی یہی حال ہے۔“  
”جی.....“

”تمہارا رزلٹ آجائے تو میں استنبول میں  
رہائش کی کوشش کرتا ہوں۔ وہاں میرے ذرائع ہیں،  
ایک عرصہ رہاؤں.....“  
”جی پاپا.....“ وہ اندر سے بے چین تھی۔

”ہوں.....“ وہ تصویریں سمیٹنے لگے۔  
”ان کا کوئی ایڈریس وغیرہ نہیں ہے؟“ اس نے پوچھا۔  
”ان تصویروں کے پیچھے نہیں لکھا ہوگا..... میں  
.....“



آمد تھی۔ اپنی زندگی کا پہلا رمضان وہ بہت اچھے طریقے سے گزارنا چاہتی تھی۔ اور اسامہ کے گھر سے اچھا گھر کوئی نہیں تھا۔

انٹرنیٹ پر کریم حسن نواز، زویا، حمزہ اور محاذ  
 لینے آئے تھے۔ اس امر نے بتادیا تھا۔ گرین ٹراؤزر  
 شرٹ، لائٹ کوٹ اسکارف اور سوٹ کے ہم رنگ  
 اسٹار..... سادگی اور بُرکاری کا پیکر..... محاذ کے دل  
 میں وہ اتر گئی تھی۔ خیر دل میں تو وہ پہلے دن ہی براجمان  
 ہو گئی تھی۔

زوداگر بخوشی سے ملی..... دادا جان نے پیار کیا، حمزہ  
نے سفری بیگ لینا چاہا۔ معاذ نے آگے بڑھ کر اٹھایا۔  
نسبتاً مسکراتا قافلہ گھر آ گیا۔ سب اس سے اچھے  
سے ملے۔ دادی جان نے پیار کیا۔ زہرہ آنٹی کا گریز  
آج بھی برقرار تھا۔  
مختلف کھانا.....

”یہ لو..... یہ لو..... شب برات کا حلوا.....“ اسے اب کے زویا کا کراہتا زویا اس کے ساتھ تھی۔ کافی کے ساتھ حلوا بھی لے آئی۔

”یہ بینس کا..... یہ سوچی کا کھانا اور مزے کرو اور سنو..... بنانا بھی کھینا ہے۔“

مریم حرم سے کھانے گئی..... اسے پسند آیا۔  
 ”میں ذرا پہلے آئیں تو بل کر شرب برات کے  
 حلوے بھی بنا رہے بل خصوصاً طور پر عبادت کرتے،  
 دعائیں مانگتے۔“

”ہوں..... آئندہ سہی.....“ اسامہ نے اس کے خاندان کے متعلق بس کچھ گھروالوں کو بتا دیا تھا۔

”ہاں آئندہ بھی.....“ زویا ہنسی۔  
 ”خدا کرے تمہاری شادی پاکستان میں ہی ہو وہاں  
 تم سے کون ملے آئے گا اتنی دور.....“ وہ ہنسی۔  
 زویا بہت خوش تھی۔

”وادی سے کہوں گی تمہارے لیے رش و یکس.....  
 اسی عید پر میری بھی شادی ہے ناں تیاریاں چل رہی  
 ہیں۔“ زو یا خوشی، خوشی بتا رہی تھی۔

”سربراہؔ.....“ مریم کی آنکھیں پلپلے کھولیں۔  
 ”یہاں کی شادیاں بڑے عزے کی ہوتی ہیں، انہیں  
 طور پر پہلے دو بچے کی رسم ہاواہاتوں میں پہننے کی ضرورت  
 لباس..... واڈامینج.....“ مریم کی جیب سے  
 زدو یا کوئی آگئی..... اسے ملے گا۔  
 ☆☆☆

اسی دن وہ جلد بیدار ہو کر لان میں آگئی سب کو  
ویسا ہی تھا۔ وہی لان، وہی جھولا، وہی سبز اور وہی  
سرخ، پہلے، سفید پھولوں کے پودے..... بہت اچھا  
لگتا تھا اسے لان میں گھومنا۔ پہلے جب آگئی تھی  
کر دیر تک گھومتی، جہالت رہتی..... پھولوں میں لان اور  
سب کے اٹھنے سے پہلے اپنے کمرے میں آجاتی۔  
آتے، آتے ہاتھ میں پٹڑے پھول مختلف پھولوں پر  
کھتی ہوئی آجاتی۔

آج بھی اس نے یہی کیا تھا۔ اور صبح اُٹھ کر  
جاتے ہوئے معاذ، ڈائننگ ٹیبل کے گلڈان میں،  
کار میڈر کے وائز میں اور لاؤنج ٹیبل میں کار میڈر کے  
کے پھول دیکھ کر چونک گیا۔ ایک پھول اٹھا کر  
موٹھا..... اور جیب میں ڈال کر باہر آ گیا۔

بچن میں کھڑی رویا محسن نے یہ منظر حیرت سے دیکھا تھا۔ ”معاذ اور پھول..... مگر یہ پھول آئے کہاں سے؟“ صبح کون اٹھ کر گیا؟“ اس نے سوچا۔ ”مریم.....“ وہ چونکی۔ ”ہاں مریم کوئی بحر خیزی کی اوت ہے۔“ اس نے سوچا۔

☆☆☆☆  
 زویا اس کا بہت خیال رکھ رہی تھی۔ یہ اسامہ کی  
 اہمیت تھی۔ زویا اسے اپنی شادی کی تیاریاں دکھا رہی  
 تھی۔ ذرق برق کپڑے، سینڈلز، جہولری دیگر چیزیں.....  
 مہاسے پہنڈائے۔

دادا جان اور دادی جان نے کہا کہ اسے بھی ناپچنگ کروا کر لاؤ۔۔۔۔۔ ”کون جائے گا۔۔۔۔۔ روزے کی حالت میں۔۔۔۔۔ امی آپ ساتھ چلیں۔۔۔۔۔ مریم کو اچھا سا ٹوڑا خر دو۔“

”مجھے مجبور مت کرنا ساتھ لے جانے کے لیے  
 یہ کہ نہیں بھائی..... نہ یہ منوں آئی اور نہ میرے  
 ایک کی معنی نوتی..... اب وہ پاکستان آنے کا نام نہیں  
 لے رہا۔“  
 ”ای ازلہ بھائی کے قابل نہیں تھی۔“  
 ”تو کیا؟“  
 ”اگر نصیب میں یہ ہی آپ کی جہو ہوئی تو۔“  
 ”کرتو چکی۔“

شرارت سے وہ ان کے سر پر بھی منہ سے مت نکالنا۔  
 ”زویا! یہ بات بھی منہ سے بھی نہیں جانتی ہو  
 یہ نامکن ہے۔“ خنگلی سے دیکھا۔  
 عمارہ مجھ سے کتنی ناراض ہے۔ خنگلی سے دیکھا۔  
 ”عمارہ پچھو نہیں پچھو جان ناراض ہیں انہیں  
 ازکمل کی بد فطرت کا علم نہیں کیا۔ اور پھر ای یہ نصیب  
 کے کھیل ہوتے ہیں۔“

”میں نے“ ”زویا نہیں دی۔“  
 ”اور اگر لے لیا تو“ ”؟“ ”گو مایا کا امتحان لیا۔“  
 ”تو پھر میرے مرنے کا انتظار کر لے۔“  
 صاف کوئی سے کہا۔

اور زویا یاں کی ناپسندیدگی جان کر سرجا کوں ہوں  
وہ تو سوچ رہی تھی کہ بھائی سے بات کرے گی کہ مریم  
اجھی لڑکی ہے، کیا پتا بھائی کی بھی مرضی ہو..... مگر امی  
نے تو بات ہی ختم کر دی تھی۔

☆☆☆  
مریم بہت خوش تھی۔ اسامہ کو فون کرتی، اسے

اسے بہت سی چھوٹی، چھوٹی دینی باتیں کرنا سکھائیں اور ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنا، سلام کرنا، الحمد للہ کہنا، سبحان اللہ، یہ تحمک اللہ دیگر تسبیحات پڑھنا۔ اپنے مذہب کی معلومات اسے سب یاد کرنے میں ایک سرور آ رہا تھا۔ داوی جان، اس سے سب سنتیں..... وہ اسے گلے پا کر داری تھیں۔ قرآن پاک کی چھوٹی سورتیں،

**ابن مریم**

کرنے کا طریقہ بھی بتا دیا تھا۔ بہر حال زہرہ اس کے ساتھ شاپنگ کے لیے نہیں گئیں۔ زویا اور ستانے شاپنگ کروائی تھی۔ اسے بہت حرج آیا۔ یہاں کے بازار دیکھ کر عمارہ چھو ایک بار بھی نہیں آئیں۔ محاذ آتے جاتے اسے دیکھتا منکرا تھا تاہم زیادہ بات نہیں کرتا تھا۔ بس کبھی سلام دعا ہو جاتی۔

ماہ رمضان بہت اچھے طریقے سے گزار دیں گی۔  
پہلے روزے سے چند رسواں روزہ آگیا تھا سب کے  
ساتھ تھل کر سحری افطار میں ہاتھ بٹائی۔ کچن میں ایک  
رواق رہتی۔ حزرہ، معاذ، احسن آتے جاتے کہہ رہے  
ہوتے ارے کچھ کام بھی کر لیں۔ شربت بنائیں، فروٹ  
جاٹ بنائیں، اردو وہ اب باقاعدہ بول بھی سکتی تھی۔ پھر  
لاؤنج میں وسیع دسترخوان بچھایا جاتا۔ دائیں جانب  
خواتین ہوتیں، بائیں جانب گھر کے سارے مرد۔

شروع میں دادا جان، دادی جان بیٹھے تھے۔  
دس منٹ پہلے خاموشی چھا جاتی دادا جان بلند آواز سے  
دعا میں پڑھ رہے ہوتے۔ سورۂ قدر کی تلاوت کرتے  
پھر کچھ دیر بعد قرطبی مسجد سے اذان مغرب بلند ہوتی۔  
یہ روز کا معمول تھا۔

وہ اسامہ کو یہ سب بتاتے ہوئے بہت خوش محسوس کرتی تھی۔ باپا سے روز بات ہوتی تھی۔ انہیں ترکی میں ایک اپارٹمنٹ مل گیا تھا۔ وہاں ان سب کے روزے بھی بہت اچھے گزر رہے تھے، نماز کے لیے وہ تینوں باقاعدہ اسلامک سینٹر جارہے تھے۔ واپس جانے کے لیے اس کا دل بے ایمان ہو رہا تھا۔ مگر یہاں کچھ بھی نہیں تھا کہ جو اسے روک سکتا۔

☆☆☆  
”مہریم..... تم نے زویا کو اور دادا جان کو بتایا کہ تمہارے گریڈ پیئر ٹیچرس پاکستانی تھے؟“ اس روز اسامہ نے اسے یاد دلایا۔  
”نہیں.....“

”تو بتاؤ ناں ہو سکتا وہ تلاش میں مدد کریں.....“







بہت پرانی تصویریں تھیں ایک گروپ فوٹو مختلف بڑی عمر کے بچوں کا..... عورت مرد کے ساتھ ایک بچی، بچی کے مختلف پوز..... ایک گھر کے باہر کی تصویر تھی..... زویا تو ہکا بکا رہ گئی۔

”میں تائب اور مریم..... میرا بھائی ثار..... امی جان.....“ تصویر چلی لکھا تھا۔

”تھا کو دیکھا۔“ حنا منہک تھی۔ مریم کو دیکھا..... آپا جان (یعنی بڑی دادی) کا پر تو ان کی مشابہت رکھتی..... دادی جان کے وہم، خدشے محض خدشے نہیں تھے۔ وہ بیڈ سے اترتی۔

”دادا جان، دادی جان!“ جھپٹ کر تصویریں اٹھائی۔ حواس باختہ باہر بھاگی..... دوپٹا پھسل رہا تھا۔

”دادی، دادی..... دادی جان.....“ ”الٹی خیر.....“ نماز کے لیے کھڑی ہوئی زبیدہ بیگم تھم کر دو دروازے کی جانب دیکھنے لگیں۔ زویا کی آواز قریب آ رہی تھی۔ دروازہ دھاڑے کھلا زویا..... حواس باختہ اندر آئی۔ اس کی سانس پھول رہی تھی۔

”دادی، دادی.....“ ”کریم حسن نواز نے بیچ سورہ بند کر کے اسے دیکھا۔“ ”دادا جان، یہ دیکھیں، دیکھیں یہ تصویریں..... مریم نے دیکھا ہیں اور اس کی یہ تصویریں پچھلے سال جب مریم آئی تھی آپ نے آپا جان کو دکھائی تھیں ناں.....“

”تصویریں ان کے سامنے رکھیں۔ زبیدہ بیگم قریب آ کر بیٹھیں۔“ عینک کی اوٹ سے ایک تصویر..... دیکھی اور اٹھائی۔

”آپا جان..... زبیدہ باجی، بھیا، ابا جان، بلال اور ثار.....“ دادا جان ایک، ایک تصویر دیکھ رہے تھے۔ ”میرا بھائی، میرا بھائی بلال.....“ دادی نے تصویر چوم لی مشابہت ایسے ہی نہیں تھی محض اتفاق نہیں تھا۔

”کہاں ہے مریم؟“ ”گھبراہٹ پریشان مریم، حنا کا ہاتھ کھڑے کھڑی تھی۔“ ”مریم، یہ.....“ دادا جان نے اس کی جانب دیکھا۔

”حواس باختہ مریم سامنے آ کر بیٹھ گئی۔“ ”تم کون ہو اور یہ تصویریں.....“ ”بلال.....“ دیکھا۔ زبیدہ بیگم سانس لیتی..... ”میں بلال.....“ ”تھیں۔ زویا دو زانو دم بخود تھی۔ حنا بیچے ہوئے ایک تصویر اس کے سامنے رکھی۔ بیچے لکھا تھا.....“ ”ریباب اور مریم.....“ ”انہیں دیکھا۔“

”یہ میری ماما کے ماما اور پاپا ہیں، میری ماما کا نام مریم تھا۔“

”اور تم..... تمہارا نام بھی تو مریم ہے۔“ ”میرا نام فاطمہ رکھا تھا میری ماما نے.....“ ”کی ڈتھ کے بعد پاپا نے میرا نام ان کے نام پر مریم رکھ دیا۔ انہیں ماما سے بہت محبت تھی۔“

”اماں جان کا نام فاطمہ بی بی تھا۔“ ”تم امریکا کیسے گئیں.....؟“

”میری ماما ترکی میں رہتی تھیں، پاپا پڑھنے کے لیے ترکی گئے ہوئے تھے۔ بس اُدھر ہی شادی ہو گئی..... پھر پاپا میری ماما کے انتقال کے بعد امریکا آ گئے۔ ان کا دل نہیں لگا۔“

”اور..... یہ بلال.....“ ”تصویر کی جانب اشارہ کیا۔“ ”ان کا بہت پہلے انتقال ہو گیا۔ پاپا نے بتایا کہ مریم کو اس کی ماما نے اکیلے پالا تھا۔ ان کی شادی کو پاکستان میں قبول نہیں کیا گیا تھا۔ اس بات کا بلال احمد کو بہت دکھ تھا۔ وہ اپنی بیٹی کے ساتھ پاکستان جانا چاہتے تھے مگر بلال احمد کے پاپا نے اس شادی کو قبول نہیں کیا،

ہارٹ ایک سے ان کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کے بھائی آ کر ڈیڈ باڈی لے گئے تھے۔“ ”اپنے پاپا سے کتنی ساری کہانی اس نے سنا دی۔ سب دم بخود رہے تھے۔“

دادی نے مریم کو سینے سے لگایا اور پھوٹ، پھوٹ کر رو دیں۔ مریم ان کے بھائی کی بیٹی کی بیٹی تھی۔ ان کی نواسی تھی، مشابہت محض اتفاق نہیں تھی خون آخر خون ہوتا ہے ان کے خاندان کا خون، شریف، پاکیزہ اور.....“

”اے اے.....“ ”اچھا.....“

بلال کی خواہش پوری ہو گئی تھی۔ آج اس کا خون اپنوں میں تھا۔ بیٹی نہ سکی..... بیٹی کی اولاد نہ سکی..... مریم بچا تھا۔ جن کو وہ اتنا عزیز رکھتی تھی جو اس کی زندگی کی اساس اور بنیاد تھے۔ وہ سب اس کے رشتے دار تھے، پاکستانی تھے، تلاش بھی نہیں کیا اور خود بخود آئے۔

وہ بھی زبیدہ بیگم کے گلے لگا کر پھوٹ، پھوٹ کر رو دی۔ زویا نے اس کے شانے سے ہٹا دیا۔ دادا مسکرا دیے اس کے قول میں تضاد نہیں تھا۔ تصویریں گواہ تھیں اور یہی تصویریں ان کے پاس بھی تھیں پھر جھوٹ کیا.....

آٹا فانا یہ خبر پورے نواز ہاؤس میں گردش کر گئی۔ سب دوڑے چلے آئے، پھڑکی ہوئی نواسی اور نانی..... کا ملاپ دیکھئے.....

زویا نے امریکا فون ملا دیا۔ اور اسامہ سے خبر سن کر دنگ رہ گیا۔

کریم حسن نے امریکا فون کر کے مریم کے پاپا سے وڈیو کال کی۔ ساری کہانی ان کی زبانی سن..... سب ہمتن گوش تھے اور زبیدہ بیگم کے شانے پر سر رکھے۔ مریم دم بخود تھی۔ کتنی دور کی کڑیاں کہاں ملی تھیں آکر۔

”میری پیاری بہن.....“ ”زویا نے اسے بہت پیار کیا۔ گلے لگایا۔“

”پہلے میں تمہاری سرزنشیں تھیں؟“ ”وہ مسکرائی۔“ ”تھیں مگر اب رشتہ اور مضبوط ہو گیا ہے تم دادی کی نواسی ہو اسی لیے میرے بھی قریب ہو.....“ ”چٹا چٹ رخسار چومے۔ رات اسامہ نے فون کر کے اسے بہت مبارک باد دی۔ اسے یقین دلایا۔ گردن تھوڑی کے ساتھ رمضان کی رحمتوں، برکتوں میں اضافہ ہوتا گیا کتنی الوہی اور بابرکت سعائیں تھیں کہ نئے رشتے قلبی رشتے جو اس نے محض سوچے تھے اس کی زندگی میں آ گئے تھے۔ اسے بھی گریز نہ رہتے مل گئے تھے۔“

زویا نے اپنے رشتے داروں سے اچھی بات بات کر لی۔

ابن مریم

کی محبت میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ اسامہ کا فون روز آ رہا تھا۔ اتنی، مذہبی، دین دار، نمازی پرستیں گاران کی نواسی تھی۔ زبیدہ بیگم تو واری صدمے جاتی تھیں۔ معاذ کی انیسیت، محبت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ ماما ہم اقرار اور الفت کی اس میں بہت نہیں تھی۔ ”کاش امی ہوتیں یا میری کوئی بہن ہوتی.....“ ”بڑی حسرت سے سوچا تھا۔ معاذ سچ احمد کی کوئی بہن نہیں تھی۔ کریم حسن کی سب سے چھوٹی بیٹی ماہ پارا کا بیٹا تھا اور ایک روڈ ایکسٹنٹ میں اس کے امی، ابو کا انتقال ہو گیا تھا۔ انہوں نے ہی اسے پالا تھا۔ وہ ان کے ساتھ ہی رہتا۔ ذہین، کم گو بیگم آفسر معاذ سچ سب کو پسند تھا۔

☆☆☆

آج چاند رات تھی، ایک ہلچل سی تھی۔ تین دن بعد زویا اور حنا کا مایوں بھی تھا۔ یہ چاند رات یادگار تھی۔ اسامہ، زویا کی شادی پر بھی نہیں آ رہا تھا۔ زویا بہت ناراض تھی اس سے۔

مریم نے اسے سمجھایا اسے زویا کی شادی پر ضرور آنا چاہیے..... وہ خاموش رہا۔ زویا نے مریم کے ہاتھوں پر بھر، بھر کر ہندی لگائی۔ اس کے پسینے کے لیے ڈھیر ساری چوڑیاں لیں۔

عید کی صبح بہت پر نور اور پر رونق تھی۔ سب مرد و عورتیں نماز پڑھنے گئے سفید کرتے پاجامے میں سر پوٹوئی، جا۔ نماز پڑھی۔ اور کل سے تیار کیے جانے والے مختلف لوازمات لا کر ڈائننگ ٹیبل پر رکھے۔ سوتیاں..... شیر خرم، چاٹ، دہی بڑے..... فروٹ، نمکو، وغیرہ.....

نماز عید کی ادائیگی کے بعد سب واپس آئے عید ملے اور شیر خرم کھاتے ہی سب دادا، دادی کے گرد جمع ہو کر عیدی مانگنے لگے۔ شور، شرابا، ہنگامہ، مطلوبہ عیدی کا تقاضا، دادی کے پہلو میں بیٹھی لائٹ گرین، چوڑی دار پاجامہ، کرتا، کرن لگا دوپٹا..... بھری، بھری چوڑیاں پہنے۔

مریم نے اپنے رشتے داروں سے اچھی بات بات کر لی۔



اسے سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ دل پر نقش ہو رہا تھا۔  
داؤدی نے سب سے پہلے اسے عیدی دی۔ اور وہ حیران  
رہ گئی۔ فردا فر داسب نے اسے عیدی دی۔ اساتذہ کے  
ای، ایوے، حمزہ، احسن، رحمن۔

”سو، سو کے بھی ہو سکتے ہیں۔“ سب چیخنے لگے، دادا جان نے سب کو یکساں غنیمتی دی۔ دوپہر کو دسترخوان بہت وسیع تھا مہمانوں کا آنا جانا لگا رہا۔ رات کو پاپا کو عید مبارک کا فون کیا۔ ان کی ترکی جانے کی تیاری مکمل تھی۔

اس نے اسامہ کو فون کیا۔  
”میرا دل نہیں چاہتا۔“

”نہیں اسامہ تمہیں آنا چاہیے، اگر اس نے تمہارے ساتھ برا کیا تو تم کیوں ہرٹ ہو رہے ہو، وہ تمہاری تقدیر میں نہیں تھی۔“

”کس نے.....؟“ اسامہ حیران ہوا۔

انزل نے مجھے جانے بتایا ہے سب  
 جنہیں اس سے محبت تھی ناں۔ اسی لیے تمہیں دکھ ہے  
 مگر اب تو اس کی شادی بھی ہو گئی ہے۔ بچے بھی ہیں۔  
 ”نہیں! کیا ہو سکتا ہے کہ ہم۔۔۔“ اس نے یے  
 ”نہیں! اسلام تم آؤ۔ اپنی زندگی شروع کرو  
 اچھی سی لڑکی کے ساتھ ورنہ تمہاری ماما۔۔۔“  
 ”کیا ہو ماما۔۔۔“

بارہ

مادرین کی؟

”پاکل ہوتے۔۔۔ وہ تو کیوں ماریں گی؟“

”اس لیے کہ میری وجہ سے تمہاری بیٹی ناراض ہوئی۔ جھگڑا ہوا۔۔۔ اختلاف ہوئے، انجمن ٹوٹ

گئی۔ تم پاکستان نہیں آ رہے۔“  
”اوہ..... میرے خدایا!“ سارا کا  
ازبر تھی۔

آج زویا اور حنا کا یوں تھا۔ اس کے لیے یہی  
بیلا غرارہ بنایا گیا تھا۔ جسے پہن کر اسے سفارتی  
دھر اُدھر چلتی بہت اچھی لگ رہی تھی۔ سر پر اسٹارٹ  
غنا..... زویا کی سب کزنز آئی ہوئی تھیں۔ دھوکی،  
مٹن، مہندی، شوثر اما.....

مریم بھی آج پہلی بار قریب سے پاکستانی شادی  
 لیکھ رہی تھی۔  
 معاذ کی نظریں آتی جاتی مریم پر تھیں۔ دل پر قابو  
 رہا تھا تو قریب آگیا۔

”بہت اچھی لگ رہی ہو..... فیری ایسی.....“  
 ”اچھا.....“ وہ ہنسی۔  
 ”ایک بات کہوں.....“  
 ”ہوں.....“ کٹھنہ اٹھائی۔

”مجھ سے شادی کرو گی..... مجھے معاف کرنے آج دل  
ت کہہ دی۔  
مریم اسے دیکھ گئی۔  
”یہ لو.....“ اس کے ہاتھ میں بکڑی پلیٹ سے  
کاٹ کاٹا اٹھا۔

”آئی ڈونٹ نو..... میں نے کچھ سوچا نہیں اس میں.....“

”تمہاری کوئی پسند؟“

وہ لہجہ بھر کر کہی۔

”نہیں، مجھے یہ اچھا نہیں لگتا۔“  
 ”دادی سے بات کروں.....“ مسکرا کر شرارت  
 یکھا۔ مریم اسے دیکھے گئی۔

اس کی پلیٹ سے گلاب جاسن اٹھا کر بے ساختہ اس کے منہ کی جانب بڑھائی۔ گھبرا کر اس نے منہ کھولا..... معاف نے گلاب جاسن اس کے منہ میں ڈال دی۔ اور کسی کے آنے کے خیال سے مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

”بہت پیاری لگ رہی ہو۔۔۔“

جان واری صدمے ہو گئے۔  
 ”تمہاری بھی شادی کروں گی، پھٹوڑی لگ جائے  
 گی تو تیرا گھر نہیں۔“ امی نے کان پکڑا۔  
 ”ہاں، مجھے بھاگنا بھی نہیں ہے۔“ مسکرایا۔  
 وہ سب دادا جان کے کمرے میں جمع تھے۔

مریم، زہیدہ بیگم کے پہلو میں براجمان تھی۔  
 ”اگر تم اس کو نہ لاتے تو آج تمہاری بھی شادی  
 ہوتی۔“ زہرہ بیگم نے کان میں سرگوشی کی۔  
 ”ہی.....“ ملال سے انہیں دیکھا۔ ”شکر کر س  
 کہ میں اس کی فتنہ چھٹی سے بچ گیا۔ کسی جھگڑاوار شکلی

اب..... اب بھی میں اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کروں گا۔۔۔ ایک نگاہ دور بھی مریم پر ڈالی جو دادی کے پاؤں دبا رہی تھی۔  
انہوں نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا ان کا خون کھول گیا۔ تو ان کے خدشات ٹھیک ہیں، اسامہ اس سے کرے گا شادی۔۔۔

”اسامہ کوئی ایسا فیصلہ مت کرنا جو ہم سب کے لیے ناپسندیدہ ہو اور اس انگریزوں سے تو بالکل بھی نہیں..... جس کے ماضی کا چنانہ مستقبل کا..... کب تک مسلمان رہتی ہے یہ بھی نہیں پتا۔“

”ای پلینز.....“ اسامہ کو طال ہوا۔

”جو مجھے کنکون سے شادی کرنی ہے، چھو عمارہ کی دوست ہیں، آپ کو چھوٹی بیٹی کنکون سے جو آپ کی دوست ہیں، آپ کو اس کا نکاح ٹوٹ گیا ہے۔“

”ہم سب سمجھ رہے تھے کہ تم مریم کا نام لو گے۔  
 جڑو نے کمرے میں آتے ہی کہا۔ موبائل کھولتے  
 ہوئے اسے دیکھا۔ اور گہری سانس لی۔  
 ”ہاں، ہاں پہلے میں نے سوچا تھا کہ مگر پھر نفی  
 کر دی اس لیے کہ مریم بہت نازک، اچھی لڑکی ہے  
 اس لیے اسے اس سے بچانا پڑے گا۔“

وہ اتنی اندر سے مضبوط نہیں ہے کہ ہریوسیا میں آتیں، امی جیسی ساس پا کر وہ جیتے ہی مر جاتی۔ امی نے اسے انگریزوں کے، یہودیت کے طعنے دے دے مار دینا تھا۔ وہ تو اسے مسلمان بھی نہیں مانتیں۔ پھر کیا فائدہ اسے ایک زیرِ تلّود زندگی دینے کا۔۔۔ وہ بہت کم آدمی تھے۔

میں  
سکتا۔ میں ساری عمر باہر بھی نہیں رہ سکتا۔ حزمہ..... میں  
مریم کو امی کے غائب کا نشانہ نہ بھی نہیں بنا سکتا۔ وہ مجھ پر  
بہت بھروسہ کرتی ہے اور رشتے اگر دل سے قبول نہ  
ہوں تو انہیں بے حرمت نہیں کرنا چاہیے۔“ دھیرے  
دھیرے وہ کہہ رہا تھا۔

حزہ نے دلیر سے اسامہ کا ہاتھ تھام لیا۔



”میں مریم سے شادی کر کے انزلہ کے شک کو ہوا بھی نہیں دینا چاہتا۔ کمون سے شادی، انزلہ کے لیے سزا ہوگی، بے بنیاد شک، اسے پشیمان رکھے گا، اپنی زندگی کا غلط انتخاب اسے میری یاد دلائے گا۔ میں اپنی محبت کو امریکا میں دفن کر کے آیا ہوں، وہ اپنی محبت کو روز دیکھے گی اور روز مرے گی۔ اس کا دفن نہیں ہوگا حمزہ۔۔۔۔۔ اس نے تہمت لگائی تھی اسامہ جیسے پاکیزہ نفس انسان پر، میرا حق بنتا ہے اسے سزا دوں۔۔۔۔۔“ وہ رو دیا۔

دوست تھے۔ اسامہ کا دل ہلکا ہونے لگا۔

”ہم کسی کے لیے اپنی زندگی برباد نہیں کر سکتے ہیں، یہ زندگی ہمیں ایک بادی ہے۔“ پیچھے ہوا۔ ”محبت بار، بار نہیں ہوتی، مجھے یقین ہے میں کمون کو بہت خوش رکھوں گا۔۔۔۔۔ پہلے مکئی ٹوٹی، پھر نکاح زویا نے بتایا کہ وہ نفسیاتی ہو گئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میرا خیال، دھیان اسے زندگی کی طرف لے آئے گا۔ میں ایک بار پھر محبت کروں گا۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔“ دھیرے سے گہری سانس لے کر ہنسا۔ ”اپنے بچوں سے۔“

”ان شاء اللہ۔۔۔۔۔“ حمزہ بھی ہنسا۔

”اور رہی بات مریم کی۔۔۔۔۔ مریم بہت زیادہ محبت، توجہ کی حقدار ہے، اس کا ماضی بے داغ، شفاف اور پاکیزہ ہے، میں نے اس کے ساتھ ایک عرصہ گزارا ہے، اس کے کردار کی میں گواہی دے سکتا ہوں۔“

”ہاں دیکھ کا ایک دائرہ دیکھ کر تو ہم بھی بتا سکتے ہیں کہ دیکھ کسی ہے۔“ حمزہ شرارت سے گویا ہوا۔

”اس کے کردار کا تو میں بھی گواہ ہوں۔۔۔۔۔“ حمزہ نے تقدس بھرے لہجے میں کہا۔

”مریم کے لیے ایسا گھرانہ چاہیے جہاں سانس، زندگی نہ ہوں۔۔۔۔۔ کوئی اسے ماضی کا طعنہ نہ دے، اگر یون نہ کہے۔۔۔۔۔ اس کے مسلمان ہونے پر شک نہ کرے کیونکہ وہ اپنی زندگی میں پہلی بار محبت کرے گی اسے مکمل محبت ملتی چاہیے۔ اس کے انداز میں محبت اور احترام تھا۔ حمزہ اسے دیکھا رہ گیا۔ کوئی ایسے بھی

ماہنامہ پاکیزہ۔ دسمبر 2022ء

قربان ہوتا ہے۔

☆☆☆

زہرہ بیگم اور کمون نے اسامہ کی بات مان لی۔ کمون کا رشتہ مانگ لیا۔ دادا، دادی بہت خوش تھے۔ اسامہ پر پیارا آیا۔ زویا خوش ہو کر بھائی کے گھر گئی۔ ”مریم بھی بری نہیں تھی پر کمون بہت اچھی ہے۔ آپ سے بہت محبت کرتی ہے بچپن سے۔“

”ہاں بھائی، انزلہ سے آپ کی مکئی ہوئی تو اسے بہت دکھ تھا اور یہ اس کی دعا تھی کہ اس کی شادی آپ سے ملے ہوگی۔ وہ آپ کی قسمت میں تھی جو اس کی کہیں اور شادی نہ ہوگی کسی کی سزا، کسی کے لیے بڑا بن رہی تھی۔“

بڑوں کا فیصلہ ہو گیا تھا۔ زویا کی رخصتی میں اسامہ کا نکاح ہو گا مگر اسامہ نے منع کر دیا۔ شادی، نکاح، رخصتی سب ساتھ ہوگا۔ زویا نے مریم کو بتایا۔ مریم بہت خوش ہوئی۔ اس نے مبارک باد دی اسامہ کو۔

”دادی تمہارے لیے بھی رشتہ دیکھ رہی ہیں۔“

”اچھا۔۔۔۔۔“ مریم حیران ہوئی۔

”مگر مجھے تو بھی واپس جانا ہے پاپا، ماما۔۔۔۔۔ میرا

انتظار کر رہے ہیں۔“

”مگر تمہاری تو خواہش تھی ناں کہ تمہاری شادی پاکستان میں ہو۔“

”ہاں تھی اور ہے بھی۔۔۔۔۔“ اس نے دو ٹوک کہا۔

”تو بس شادی کے بعد آتی جانی رہتا۔۔۔۔۔ وہ بھی ترکی میں نئی زندگی شروع کریں گے تمہاری شادی کے لیے باقاعدہ ان سے پوچھا جائے گا۔ پھر ہم انہیں یہاں بلوائیں گے۔ اور بالکل زویا کی طرح تمہاری شادی بھی ہوگی۔“

وہ شرارت سے ہنسا۔

”کس سے بھلا۔۔۔۔۔؟“

”وہ دراصل۔۔۔۔۔“ مریم کھجلیا۔

”ہاں، ابھی زہرہ کو ہے پکا فیصلہ نہیں ہوا بس یہ سوچ لو کہ میرا فیصلہ ہے اور پھر مجھے یہ حکم کروانا ہے

”جہیں تو کوئی اعتراض نہیں۔۔۔۔۔ میری پسند تھی۔۔۔۔۔“

مریم، اسامہ کو دیکھے گی۔ اسامہ اسے بہت اچھا لگتا تھا۔

”اسامہ تم مجھے بہت اچھی طرح جانتے ہو۔۔۔۔۔“

”ہاں، اس لیے تمہیں بہت اچھا ہم سفر دینا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔“ مریم نے سر جھکا لیا۔ اندر آتا معاذ چونکا اور پھر اندر آ گیا۔

”اسامہ، نا نا بولا ہے ہیں۔“ وہ حیران تھا۔

”اوکے، میں تیار ہو کر آتا ہوں۔“ وہ باہر نکل گیا۔

”تم تیار نہیں ہوئیں۔۔۔۔۔؟“ وہ سر جھکائے بیٹھی

مریم کو دیکھنے لگا۔

”ہاں بس جاری ہوں۔“ وہ کھڑی ہوئی۔

”میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔“ اس نے دانستہ روکا۔

”میری ناں ہیں ناں۔۔۔۔۔“ مریم نے سر اٹھایا۔

وہ شرارت سے ہنسا۔ مریم اسے دیکھنے کی

زویا کی شادی دھوم دھام سے ہوئی۔ اگلے دن

شاعر سا ولیہ ہوا۔ وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

زہرہ بیگم کا روئیہ مریم سے اچھا ہو گیا تھا۔ ایک

تکوار بھی جوہت کی تھی۔

☆☆☆

زویا نے ہی بتایا کہ انزلہ نے گھر میں جھگڑا کیا۔

وہ کمون اور اسامہ کے رشتہ کے بہت خلاف تھی۔ پر

اسامہ مطمئن تھا۔

عمارہ چھو کو اس سے محبت تھی اسامہ کو یقین تھا کہ فیصلہ اسی کے حق میں ہوگا۔۔۔۔۔ وہ اپنے اماں، ابا کی بات ٹال نہیں سکتی تھیں۔

انزلہ نے حماقت کی حد کر دی تھی اب اس کی باتوں میں آکر حق نہیں بن سکتی تھیں۔ نہ کوئی اور حماقت کر سکتی تھیں۔ انزلہ نے اپنی لگائی ہوئی آگ میں خود جلتا تھا۔ اپنی جلد بازی پر انزلہ جتنا ماتم کرتی کم تھا۔

یہ سننا ہی سواہن روح تھا۔ اسامہ، مریم سے نہیں کمون سے شادی کا خواہاں تھا۔

ابن مریم

”تم میری بہن کی زندگی برباد نہیں کر سکتے۔ آوارہ انسان۔۔۔۔۔“ اس نے اسامہ کو بے بہاؤ کی

سنائیں۔ اسامہ نے فون بند کر دیا۔ اسے عجیب نفرت

ہوتی تھی اس سے۔

معاذ اسے بہت عزیز تھا، سمجھدار اور ذہین، اسامہ نے معاذ اور مریم کے سلسلے میں دادا جان سے بات کی دونوں اسے دیکھتے رہے۔

”مریم کے لیے اس سے بہتر کوئی نہیں ہے دادا جان۔ میں چاہتا ہوں وہ امریکا نہ جائے اس کی شادی کر دیں معاذ سے اس کے پیرش کو بھی بلوائیں گے۔“

”تو اس کے پیرش مان جائیں گے اور ادھر معاذ بھی مان جائے گا؟“ دادا جان نے پوچھا۔

”سو فیصلہ۔۔۔۔۔“ اسامہ ہنسا۔ ”ہماری لڑکی میں کس چیز کی کمی ہے۔“

”تو ہمارے برخوردار میں کس بات کی کمی ہے۔“ دادا جان ہنسنے۔ اسامہ بھی ان کا ساتھ دینے لگا۔

☆☆☆

”معاذ میں نے تمہارے لیے رشتہ دیکھ لیا ہے میں چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ ہی تمہاری شادی ہو۔“

معاذ کے کمرے میں آکر اسامہ نے کہا۔

معاذ ہکا بکا رہ گیا تھا اور جب اس نے مریم کا نام لیا تو معاذ ساکت رہ گیا۔

”تم ہمیشہ خوش رہو گے معاذ۔“ اس نے ہاتھ

ٹھام لیا۔ معاذ اس کے گلے لگ گیا۔

”یہ تمہاری نیکیوں کا ثمر ہے، میں پچھلی دفعہ سوچ کر گیا تھا کہ اگر مریم نے دل سے خود سے اسلام قبول کیا تو میں اسے تمہارا رشتہ دوں گا، تم اس سے ہر حال میں واقف ہو اور کچھ پوچھتا ہے، انکار کرنا ہے تو تبادو، میں نے ابھی مریم سے بات نہیں کی۔“

”منظور ہے اسامہ مجھے بتا کسی سوال کے۔“

معاذ کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

”وہ مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔“ معاذ بولا۔

ماہنامہ پاکیزہ۔ دسمبر 2022ء



”یہ خوشی کے آنسو ہیں، میں نے اس کے لیے دعا کی تھی۔“ معاذ کو وہ اس وقت بہت اچھی لگ رہی تھی۔  
 ”میں تم سے ضروری بات کرنے آیا تھا۔“  
 ”کیا.....؟“ آنجل ٹھیک کر کے اسے دیکھا۔  
 ”تمہارا رشتہ تو طے کر دیا ہے مگر پہلے تم اپنی مرضی بتاؤ پھر..... تمہارے پاپا سے بات کریں گے.....“  
 مریم نے گڑبڑا کر معاذ کو دیکھا۔ وہ مکرار ہاتھا۔  
 ”آنا فانا نواز ہاؤس نے معاذ اور مریم کے رشتے کی خبر سنی..... مریم کے پاپا سے فون کر کے پوچھا گیا فیصلہ انہوں نے مریم پر چھوڑ دیا تھا۔ انہیں پاکستان آنے کی دعوت دی گئی۔ وہ اسی وقت ترکی جا رہے تھے۔ وہاں سے ہو کر آئیں گے اگلے ماہ..... اتوار کو اسامہ، مکنون اور معاذ، مریم کی منگنی رکھ دی گئی۔ شادی جب مریم کی فیملی آجاتی تو ہونی تھی۔

منگنی کا سارا انتظام، وسیع و عریض لان میں کیا گیا تھا۔ سفید برقی قہقروں سے دیوار و در سجائے گئے تھے۔ زدیا تو اس کے گلے کا ہار تھی۔ سفید میکسی میں وہ واقعی کوئی حور پری لگ رہی تھی۔ سر پر سفید گلوں والا اسکارف ہاتھوں میں چوڑیاں، معاذ اور اسامہ بھی وائٹ کلف والے کرتے پاجاموں میں تھے۔ ان کے چہروں کی مسکراہٹ ان کے دل کی خوشی کی عکاس تھی۔ سارے لڑکے لان کے وسط میں دھمال ڈال رہے تھے۔

آنکھوں میں ستاروں ایسی چمک لیے مریم اپنی زندگی کے اس نئے سفر کی پہلی میسرسی کو بہت انجوائے کر رہی تھی۔ اس کی نظریں معاذ کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ دادی نے ہی دونوں کو انگوٹھیاں پہنائیں۔

”دادی۔“ اسامہ نے ڈرامائی انداز میں منہ بسورا۔  
 ”آپ دادا کو پہنائیں، انہیں ہم پہنائیں گے، مطلب اپنی، اپنی منگیتروں کو۔“ اور اس کی بات پر سارا آنج زعفران تدار بن گیا۔ دادا، دادی کے لبوں پر کلمہ شکر تھا۔

(ختم شد)

”میں نے اسی لیے گھر کے تمام لڑکوں کو سمجھایا تھا کہ اس سے کوئی بھی خواہ مخواہ فری نہ ہو..... میں اسے تمہارے لیے منتخب کر چکا تھا۔“  
 ”تم اسے اچھا جانتے ہو تو تم نے کیوں نہیں کی؟“  
 معاذ نے بے اختیار سوال کیا۔  
 ”انزلہ کے روئے کے بعد میں مکنون کو پچھلی بار ہی منتخب کر چکا تھا۔ پھر امی بھی مریم کو پسند نہیں کرتی کہ انگریز ہے تو کیا فائدہ ایسے رشتوں کا جس میں محبت نہ ہو..... اپنائیت نہ ہو.....“ اسامہ نے گہری سانس لی۔  
 ”ہوں.....“

”اس سے پوچھا ہے؟“  
 ”ابھی پوچھ لیتا ہوں.....“ چٹکی بجائی۔ ”آؤ۔“  
 دونوں باہر نکلے۔ اور اس کے کمرے میں آگئے۔  
 اسامہ اسے دیکھ کر چونکا تھا۔ وہ رو رہی تھی، اسے دیکھ کر اور رو دی۔

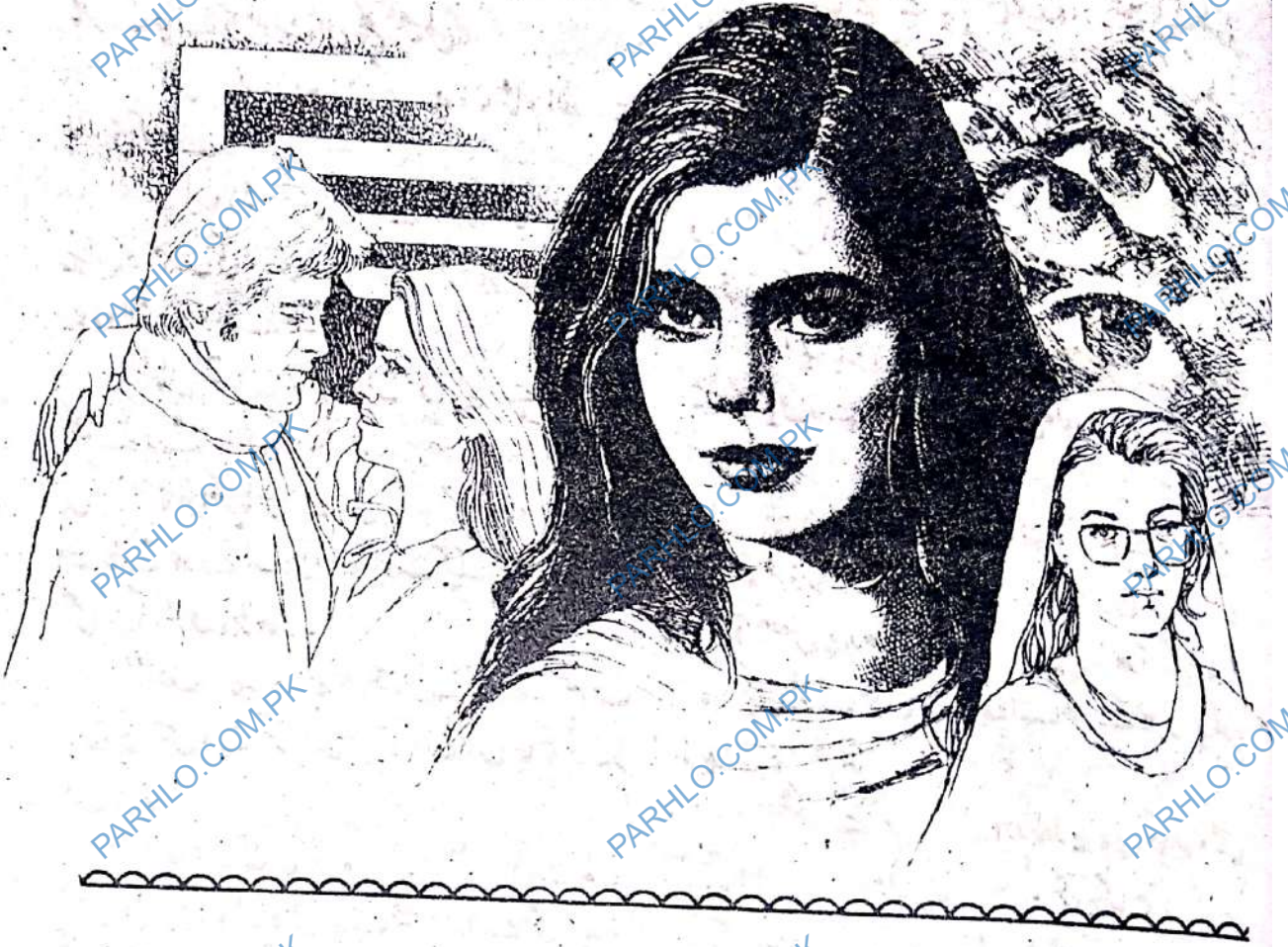
”کیا ہوا؟“ وہ سامنے بیٹھا۔  
 معاذ بے چینی سے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ دل دھک، دھک کرنے لگا۔ آج تک اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھے تھے۔ سیل سائڈ پر رکھا۔  
 آنجل سے چہرہ صاف کیا۔  
 ”کس کا فون تھا؟“

”امریکا سے فون تھا، روزی کا..... وہ بہت رو رہی تھی... اس معاشرے نے اس کے ساتھ بہت برا کیا ہے..... وہ مجھ سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئی ہے اسامہ.....“ اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔  
 ”وہ اسلامک سینٹر جا کر مسلمان ہو گئی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اسلام سے بہتر کوئی مذہب نہیں..... عزت، تحفظ، سب دیتا ہے۔ وہ..... وہ اب پاپا کے ساتھ ترکی جا رہی ہے۔“

”بہت، بہت مبارک ہو.....“ اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔  
 ”میں تو سمجھ رہا تھا کہ کہیں سے میزائل کی بم باری ہوئی ہے۔“ وہ ہنس دی۔

124 ماہنامہ پاکیزہ۔ دسمبر 2022ء





## رشتے والی

### انسراح شاہینہ کرن

”اچھا پھر... رشتے کا کیا بنا؟“ آدھا گھٹنا پورے  
 محلے کی تازہ نشریات سننے کے بعد جب فرحانہ تازہ دم ہوئی تو  
 یک لخت جوان بیٹی کے رشتے کا خیال آیا۔  
 ”رشتہ بہت اچھا ہے، لڑکا اکلوتا ہے۔“ اتنا کہہ  
 کر مٹھی میں بھری نمکو کو منہ میں اس طرح ڈالنے لگیں  
 جیسے پائپ سے پانی بالٹی میں جا رہا ہو۔ پھر اس کے  
 بعد چائے کا گھونٹ بھرا سڑپ، سڑپ۔  
 ”ہاں، ہاں، اب آگے بھی بتاؤ، یہ تو تم نے پہلے



بھی بتایا تھا۔“ فرحانہ سے صبر نہ ہوا تو دوبارہ بے چینی سے پوچھنے لگیں۔

”مجھ بہنیں ہیں، دو شادی شدہ ہیں، باقی کنواریاں، سب سے چھوٹی پانچویں میں پڑھتی ہے۔“ اب بے دوہکت بیک وقت منہ میں ڈالے، ساتھ میں پھر سے چائے کا گھونٹ اور پھر تفصیل.....

”اس کے علاوہ اپنا گھر ہے، ماشاء اللہ سے نوکری کرتا ہے۔“

”یہ کیا رشتہ ہے؟ تم نے اکلوتا لڑکا کہا تھا مگر یہاں تو بہنوں کی پوری فوج ہے۔ ان کو کیا ہے، کیا ہے بچہ بڑھا ہوا جائے گا۔“

”ناں تو اس میں برائی ہی کیا ہے۔ تم نے اکلوتے رشتے کا ہی کہا تھا، اب ہر جگہ سب کچھ تو نہیں مل سکتا لڑکا تو اکلوتا ہی ہے ناں۔“ باجی حمیدہ نے ہراساں منہ بناتے ہوئے اب کی بار فروٹ کیک کا آخری ٹکڑا بھی منہ کی طرف بڑھایا۔

”افسوس ہے کہ خندق۔“ فرحانہ صرف سوچ ہی سکیں ورنہ اگر باجی حمیدہ کو پتا چل جاتا تو خیر نہیں تھی۔

”اچھا! لڑکے کی تنخواہ کتنی ہے؟“ لڑکی کی ماں تجھیں سوکر پیکرید کر سوال کرنے لگیں پر آگے بھی حمیدہ بھی جواب دے، دے، ناممکن۔

”تنخواہ تو بہت اچھی ہے، بڑھنے کے بھی چانسز ہیں۔“ گولی بول سا جواب آیا۔

”میں پوچھ رہی ہوں کہ تنخواہ کتنی ہے؟“ وہ پھر سے زور دیتے لگیں، لڑکے کا بایو ڈیٹا سننے کے بعد اب ایک آخری امید تنخواہ ہی تھی، سو سوال تو بننا تھا۔

”ہم... اچھا کیا یاد دلا دیا وہ اگلی بار پوچھ کر بتاؤ گی۔“ چائے کے آخری گھونٹ کو حلق میں اتارتی آئیں بائیں شاہیں کرتی باجی حمیدہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

فرحانہ کو غصہ تو بہت آیا پر جانتی تھیں کہ باجی حمیدہ کے آگے بولنا کو کیا فائدہ کو دعوت دینے کے برابر ہے۔ محلے بھر میں باجی اپنی چب زبانی کی وجہ سے مشہور تھیں، کوئی انہیں منہ لگا تا پسند نہ کرتا اگر ان کے پاس

پورے محلے کی خبریں اور کم ہیروں میں شہزادہ کی صلاحیت نہ ہوتی اور اب ان دونوں ملاقاتوں کے کمال فرحانہ دیکھ چکی تھی جو مستحق محبت میں باجی کی ”خدا بات“ لینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

”بڑی تیز ہے یہ باجی حمیدہ، رشتے کی اصلاحات دے کر چلی جاتی ہے اور پھر کوئی نہ کوئی بات اگلے ہفتے پر چھوڑ کر اپنی چائے پانی کے ترسے پر لپکتی ہے پر اب میں نے بھی اسے ایک دوپٹہ دینا۔“ دل ہی دل میں سوچتے فرحانہ نے حمیدہ کی طرف دیکھا۔

”اچھا باجی، اللہ حافظ۔“ بظاہر مسکراہٹ مگر دل میں گالیاں دیتے فرحانہ نے انہیں الوداع کیا۔

☆ ☆ ☆ تیز دھوپ اور ستور کے مانند چلتی چھت۔ ہر افسانے قدم ذرا سے آگے بڑھانے تو سورج کی قزاق سے آنکھیں چندھیا گئیں۔ آنکھوں پر ہاتھ کا چھپا کر وہ دائیں طرف ہو گئی۔ ساتھ ساتھ لڑکے کے ٹیس پر کھڑا زید ای کا منتظر تھا۔

”شکر ہے آپ آگئیں ورنہ دیدار یاری کا وہاں ترستی ہمارے دیدوں کی تو بیٹائی ہی چلی جاتی تھی۔“ شاہنگی سے مسکرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

”ایسے تو نہ کہیں زید۔“ سفید چھوٹی قمیض پر سفید ہی پٹیا لٹوار بننے پر بڑے دوپٹے کا ایک کونالے کر ایک اداسے شرمانے کی کوشش کرتے وہ خود کو انارکلی اور زید کو شہزادہ سلیم سمجھ رہی تھی۔

”ارے واہ میری شہزادی، آپ کے لبوں سے جب جب میرا نام لگتا ہے تو اپنا آپ معجز محسوس ہوتا ہے۔“ ڈائلاگ مانا تو کوئی اس سے سیکھتا۔ ذرا توقف کے بعد وہ رکا اور اس کا سراپا چاہنا اور پھر تو تعریف میں زمین آسمان ایک کرتے لگا۔

”جان آج تو آپ بالکل رنگین پردوں والی سفید پری لگ رہی ہیں۔“ وہ روزانہ ایک نئے انداز سے اس کے کپڑوں کی تعریف کرتا۔

مہرالتا کو خوش ہوئی، اچھے ہفتے ہی تو۔

نے ایک ٹی وی اداکارہ کو ایسا سوٹ پہننے دیکھا تھا۔ اماں سے خند کر کے اس نے سفید شلوار قمیض سلوایا اور ساتھ میں دوسرے سوٹ کارٹین دوپٹا۔ چھت پر آنے سے پہلے اپنی کمر کے لیے ایک بار پھر سے اداکارہ کی تصویر دیکھ لی تھی۔ کہیں کوئی نمی نشی نہ تھی، دل کو تسلی ہوئی، ساتھ میں اب اسٹاک اور کا جل بھی لگا لیا۔ اور ہاؤس کی ٹیس بھی نکال لیں۔

”مغلیہ دور کی انارکلی کی طرح پیشانی تک ہاتھ لاتے اسے گویا سلام پیش کیا۔ دونوں کے بات کرنے کا انداز روایتی لگا۔ ہٹوں سے ہٹ کر تھا۔ دونوں بے حد احترام سے آپ جناب کے ذریعے ایک دوسرے کو پکارتے۔ بقول زید..... اب پہلا قرینہ ہے محبت کے قریبوں میں....

یہ الگ بات کہ یہ ادب وہ صرف ایک دوسرے کی محبت کا کرتے تھے، باقی چھتیں میں بھاڑ میں۔ کھڑی دیر تک اس سے باتیں کر کے اسے حسن کا خزانہ خوب صورت انگوٹھی کی صورت لیے وہ نیچے آئی۔

اس کی اور زید کی ڈیڑھ ہفتہ قبل ہی چھت پر ملاقات ہوئی تھی۔ اور اس ڈیڑھ ہفتے میں ہی بات آتی آگے بڑھ گئی تھی کہ دونوں کو ایک دوسرے کے بغیر جینا حال لگتا تھا۔ روز بروز ملاقات کے لیے انہوں نے چلتی دوپہر کا انتخاب کیا تھا۔ گو کہ یہ بات زید کے شاعرانہ حیران کو گوارا نہ تھی مگر محلے والوں سے عزت افزائی کروانے سے بہتر تھا کہ ایسے وقت چھت پر آیا جائے جب کوئی آنے کا نام نہ لے۔

☆ ☆ ☆ ”بلکہ اس ماہم کی ماں تو میرے ہیروں بھی پڑی کس کا رشتہ کروادو لیکن میں نے نہیں کروایا۔“ تیزی سے پکڑا منہ میں ٹھونسنے حمیدہ ایک بار پھر زور شور سے براہ راست نشریات میں مصروف تھیں۔

آج موسم کچھ خشک تھا، کل رات سے ہونے والی بارش صبح تک برقرار رہی سو موسم کی مناسبت سے زید نے پکڑے بنالے تھے۔

”کروادتی، غلط بھی تو بچوں سے ہی ہوتی ہے۔“

## رشتے والی

”نہ بہن نہ، ہم خاندانی لوگ ہیں اور رشتے بھی خاندانی لوگوں کے ہی کرداتے ہیں اور بچی نہیں ہے وہ۔ پورے اٹھارہ سال کی تھی اس وقت۔“ فخر سے سینہ چوڑا کرتے وہ ایک بار پھر سے گویا ہوئیں۔ لو بھلا، اب انہیں کون یاد کروائے کہ خاندانی لوگ دوسروں کی بگڑی بھی نہیں اچھالتے۔

”لیکن اب تو اس بات کو چار سال ہو گئے ہیں۔ کیا ابھی تک کہیں رشتہ نہیں ہوا اس کا؟“ نادیدہ نے دکھ سے پوچھا۔ وہ پھر بھی کسی تھیں اور آج کل قرآن پاک کی تفسیر بھی پڑھ رہی تھیں سو انہیں دوسروں کا احساس تھا۔

”نہیں بھئی، ایسوں کو کون پوچھتا ہے، بندہ پوچھے ایسا کون سا جوانی کا خیار چڑھا تھا کہ اندھا دھند اپنے عاشق کے ساتھ بھاگ گئی۔ وہ تو دوسری کھلی کے بھائی ایاز نے اسے دیکھ لیا تھا ورنہ وہ ماں باپ اور اس محلے کے سرسین خاک ڈلو اکری لوٹی۔“

پلیٹ میں دوہی پکڑے باقی رہ گئے تھے۔ جس رفتار سے زبان چل رہی تھی اسی رفتار سے پکڑے بھی منقل گاؤ کی طرف جا رہے تھے۔

”اوہ... لیکن اب اس نے کافی سبق سیکھ لیا ہوگا۔ اس عمر کی لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ معصوم، نادان اور ناسمجھ۔“ نادیدہ نے اس کے دفاع کی ایک اور کوشش کی۔

”ہاں ظاہر ہے، جب کوئی رشتہ نہیں آیا، کوئی منہ نہیں لگا رہا تو سبق تو سیکھنا ہی تھا۔ اس کی ماں بیچاری نے مجھ سے بہت رشتہ کروانے کو کہا مگر میں نے بھی تو لڑکھے والوں کو جواب دینا ہوتا ہے۔ شادی کے بعد پرانے معاشقوں کا کچا چٹھا کھلتا تو میں کیا جواب دیتی۔“ حمیدہ باجی نے ایک بار پھر مصنوعی لاچار پیچا کر کے خود کو جیسے بے بس ظاہر کیا۔

چٹ پنے پکڑوں کے ساتھ جٹ پٹی باتیں، واہ مزہ آگیا، پیٹ کے ساتھ، ساتھ زبان کا چمکا بھی دہلا ہو گیا تھا۔ کچھ دیر اسی طرح باقی محلے والوں کے نجی معاملات کو اچھالنے کے بعد وہ چلی بنیں۔ پیچھے نادیدہ خاموشی سے گہری سوچ میں پڑی رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆



## غزل

ہمیں چھوڑ کر، وہ چلا جائے گا  
تو کیا ہم سے تنہا رہا جائے گا  
کسی رہبری کی ضرورت نہیں  
مسافر بنا پوچھتا جائے گا  
وہ بے فکر یہ جانتا ہے کہ دل  
یہاں سے گیا بھی تو کیا جائے گا  
بھلانے کی کوشش کروں گا اسے  
اگر وہ کبھی یاد آجائے گا  
محبت کا افسانہ دلچسپ ہے  
سنایا گیا تو سنا جائے گا  
جس روکتے آنے جانے سے وہ  
کہاں تک کوئی آئے گا جائے گا  
رہا دور بیمار یوں سے شعور  
تو دنیا سے اچھا بھلا جائے گا  
کلام: انور شہزاد

انتخاب: جویریہ علی، کراچی

☆☆☆

جب چار آئی تو ہر شے پہ جوانی آگئی  
میرے لب پہ بھی اب کوئی رنگیں کہانی آگئی  
اختلاف فکر گھر، گھر رو بہ کار آتا رہا  
یوں ہوا پھر نوبت نقل مکانی آگئی  
آندھیاں بے اعتبار کی چلیں انجام کار  
دل کے آئینوں پہ گرد بدگمانی آگئی  
تھا جیت پر خاریوں بھی جاوہ صدق وفا  
راستے میں ہر بلائے ناگہانی آگئی  
اس کے گرد پیش دیکھا ہم خیالوں کا جہوم  
بزم یاراں میں جسے جاوہ بیانی آگئی  
دامن محدود کو چھوڑا تو میری فکر میں  
رفتہ، رفتہ ایک وسعت لامکانی آگئی  
کی اخلاص عمل سے واجد جو قریب البرگ تھے  
کیے ان فتنوں پہ اب نوجوانی آگئی  
کلام: احمد شہزاد

انتخاب: جویریہ علی، کراچی

لفاظ بولتا۔ یوں لگتا جیسے کوئی بادشاہ اپنی ملکہ کی  
تعریف کر رہا ہو۔  
”کیا سوچتے ہو؟“ حمیدہ نے اسے گھورا۔  
”کچھ نہیں اماں۔“ وہ خاموش ہو گئی۔  
☆☆☆  
ایک بار پھر دوپہر کے وقت وہ چھت پر موجود  
تھی۔ دائیں بائیں دیکھ کر احتیاط سے ساتھ والے گھر  
کی چھت کی طرف آئی۔ زید سامنے ہی کھڑا تھا۔  
”کیا ہوا، میری ملکہ آج پریشان کیوں ہے؟“  
زید نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اپنے چہرے پر  
بھرپور فکر کے تاثرات پیدا کیے۔  
”زید، دراصل بات یہی کچھ ایسی ہے۔“  
”کیا بات ہے میری جان؟“ پریشانی سے پوچھتے  
ہوئے بھی وہ اپنی محبت جتانے سے باز نہیں آیا تھا۔  
”دراصل اماں اب پیروں کے بعد میری شادی  
کرنے والی ہیں، میں بہت پریشان ہوں، کچھ نہیں آ رہا  
کہ کیا کروں۔“  
”اوہ اچھا! پریشان نہ ہو۔ میں کچھ سوچتا  
ہوں۔“ بالوں میں انگلیاں چلاتے اس نے پریشان  
نظریں مہرالنسا کے چہرے پر گاڑ دیں۔ بلاشبہ وہ سنیں  
تھی، بے حد حسین۔  
”سوچتے کا وقت نہیں ہے آپ جلدی سے رشتہ  
بھیجیں ورنہ میری شادی ہو جائے گی اور سلاں سے۔“  
”میں کیسے رشتہ بھیج سکتا ہوں، مہر و امیری ملکہ!  
میری بات تو سنو۔“ اس کے روٹھے ہوئے انداز پر زید  
نے اس کے ہاتھ کی پشت پر انگلی سے اپنا نام لکھتے  
ہوئے نظریں سامنے اس کی آنکھوں میں گاڑ دیں اور  
بیکم لہجہ میں مخاطب وہ راضی بھولی کر نظریں جھکا گئی۔  
”یہ لڑکیاں بھی ناں، ذرا سا گھورنے پر شرما جاتی  
ہیں۔ ویسے اچھا طریقہ یہ ہے یہ خاموشی کر دینے کا۔“  
زید کو اس شے میں کافی تجربہ حاصل تھا۔ بچہ تو جہاں کہ  
اپنی بات منوانے کا ہر بھی نہاتا۔  
”مہر! آپ کو مطلوبہ کسے ہے مجھے یہ حال آئے  
ایک مہر! آپ کو یہاں ہوا ہے؟“  
”جیت پر“

”مہر و امیر و ادھر و ادھر ہے تو؟“ وہ کدھر مری  
”جے؟“ گھر میں داخل ہوتے ہی حمیدہ نے آواز لگائی۔  
”اچھا زید، اماں گھر آگئی ہیں۔ میں فون رکھتی  
ہوں۔“ فون چھپا کر وہ لٹے بیروں صحن میں بھاگی۔  
”جی اماں!“  
”ماں تیری سخی ہوئی آئی ہے، ایک گلاس پانی  
ہی پلا دیا کر۔“  
”جی اماں، ابھی لائی۔“ مہر و پانی لینے گئی تو  
حمیدہ کمرے میں آکر چادر ایک طرف رکھ کر چٹھے کے  
نیچے کھڑی ہو گئی۔  
”یہ لیس اماں!“ پانی کا گلاس تھمتا وہ قریب  
ہی کرسی پر ٹک گئی۔  
”تیرے امتحان کب ہو رہے ہیں؟“ پانی پی کر  
حمیدہ اس کی طرف مڑیں۔  
”اگلے مہینے اماں، بس آپ دعا کریں کہ اس بار  
آسانی سے پاس ہو جاؤں۔“  
”ہاں ہاں، روتو بھی بڑھ لیا کر۔ صرف امتحان  
میں ہی کتابیں نہیں کھولتے۔“ پیار سے اس کے سر پر  
چپت لگائی۔  
مہر و بھی مسکرانے لگی۔ جانتی تھی کہ اماں کو کتنی فکر  
ہوتی ہے۔ ہر بار وہ امتحانات کے قریب ہی کتاب  
کھولتی اور مارے بانہ سے پاس ہو جاتی۔  
”اور ہاں، یہ تیرا ہی اسے کا آخری سال ہے۔  
اچھے سے امتحان دے۔ اس کے بعد میں تیرے ہاتھ  
پیلے کروں گی۔“ حمیدہ کی یہ بات تاریخ مانگ چکی ہے۔  
”یہ سن کر مہر و کا حلق تنک کر دیا ہو گیا۔ تصور میں  
مکتبہ اور خالد زار اور سلاں کا چہرہ گھوما۔“  
سیدھا سادہ حلیہ، آنکھوں پر نظر کی عینک، گندی رنگت  
اور سنجیدہ گفتگو۔ ”اُف! اب ایسے خشک مزاج بننے سے  
کے ساتھ میں زندگی گزاروں گی۔ نہیں بھیجی۔ کبھی  
نہیں۔“  
”ساتھ ہی چمن سے زمین کی تصویر لگا ہوں  
میں آئی، ہنستا ہنستا چہرہ، گوری رنگت، خوب صورت  
نیم نقش اور اس پر مسترد خوب صورت لہجے دار باتیں۔  
وہ ہمیشہ اس کی تعریف کے لیے شاہانہ طرز کے نقل  
کرتی۔“  
202

انتخاب: جویریہ علی، کراچی

”مہر و امیر و ادھر و ادھر ہے تو؟“ وہ کدھر مری  
”جے؟“ گھر میں داخل ہوتے ہی حمیدہ نے آواز لگائی۔  
”اچھا زید، اماں گھر آگئی ہیں۔ میں فون رکھتی  
ہوں۔“ فون چھپا کر وہ لٹے بیروں صحن میں بھاگی۔  
”جی اماں!“  
”ماں تیری سخی ہوئی آئی ہے، ایک گلاس پانی  
ہی پلا دیا کر۔“  
”جی اماں، ابھی لائی۔“ مہر و پانی لینے گئی تو  
حمیدہ کمرے میں آکر چادر ایک طرف رکھ کر چٹھے کے  
نیچے کھڑی ہو گئی۔  
”یہ لیس اماں!“ پانی کا گلاس تھمتا وہ قریب  
ہی کرسی پر ٹک گئی۔  
”تیرے امتحان کب ہو رہے ہیں؟“ پانی پی کر  
حمیدہ اس کی طرف مڑیں۔  
”اگلے مہینے اماں، بس آپ دعا کریں کہ اس بار  
آسانی سے پاس ہو جاؤں۔“  
”ہاں ہاں، روتو بھی بڑھ لیا کر۔ صرف امتحان  
میں ہی کتابیں نہیں کھولتے۔“ پیار سے اس کے سر پر  
چپت لگائی۔  
مہر و بھی مسکرانے لگی۔ جانتی تھی کہ اماں کو کتنی فکر  
ہوتی ہے۔ ہر بار وہ امتحانات کے قریب ہی کتاب  
کھولتی اور مارے بانہ سے پاس ہو جاتی۔  
”اور ہاں، یہ تیرا ہی اسے کا آخری سال ہے۔  
اچھے سے امتحان دے۔ اس کے بعد میں تیرے ہاتھ  
پیلے کروں گی۔“ حمیدہ کی یہ بات تاریخ مانگ چکی ہے۔  
”یہ سن کر مہر و کا حلق تنک کر دیا ہو گیا۔ تصور میں  
مکتبہ اور خالد زار اور سلاں کا چہرہ گھوما۔“  
سیدھا سادہ حلیہ، آنکھوں پر نظر کی عینک، گندی رنگت  
اور سنجیدہ گفتگو۔ ”اُف! اب ایسے خشک مزاج بننے سے  
کے ساتھ میں زندگی گزاروں گی۔ نہیں بھیجی۔ کبھی  
نہیں۔“  
”ساتھ ہی چمن سے زمین کی تصویر لگا ہوں  
میں آئی، ہنستا ہنستا چہرہ، گوری رنگت، خوب صورت  
نیم نقش اور اس پر مسترد خوب صورت لہجے دار باتیں۔  
وہ ہمیشہ اس کی تعریف کے لیے شاہانہ طرز کے نقل  
کرتی۔“  
202

انتخاب: جویریہ علی، کراچی



کے کان میں تو اتر سے مختلف جملے پڑ رہے تھے مگر وہ چپ تھی۔

آخری امید کے طور پر حمیدہ نے الماری کھولی تو مہر کے کپڑے غائب تھے، سامان بکھرا ہوا تھا اور تو سیف میں سے سونے کا سیٹ، منگنی کی انگلی اور انگلیں بھی غائب تھیں۔

”ہائے میں مر جاؤں۔“ وہ نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ مگر بولنے والوں کی زبانیں کون بند کرواتا۔

”برامت منانا باجی حمیدہ مگر تمہارا دھیان مگر میں ہوتا ہی کب تھا۔ تم صبح کی گئی شام کو لوٹی تھیں، ایسے میں یہی حال ہونا تھا۔“

”دوسروں کی بہن بیٹی کی عزت اچھالنے والیوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔“

”یاد نہیں ہے باجی نے ماہم کا قصہ کتنے پتھارے لے کر پورے محلے میں پھیلایا تھا۔“ ایک عورت کو پرانی کہانی یاد آئی۔

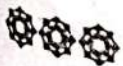
”اور اپنی بیٹی کے کرتوت دیکھو، منگنی ہونے کے باوجود بھاگ گئی، سچ کہتے ہیں خدا کی لاشی بے آواز ہوتی ہے۔“ دوسری نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔

آج حمیدہ اتنی بے بس تھی کہ زبان تالوے چپک کر رہ گئی تھی، حلق سوکھا ہوا تھا، عجیب بھی اجازت تھی مگر لوگوں کو رحم نہیں آ رہا تھا اور آتا بھی کیسے، حمیدہ نے بھی کبھی کسی پر رحم نہیں کیا تھا تو دوسروں سے کیا توقع۔

ہر سو گویا گھپ اندھیرا تھا۔ اس پاس کئی آوازیں آرہی تھیں۔

”آئے ہائے دوسروں کے رشتے طے کروانے والی کی بیٹی نے اپنا رشتہ خود ہی طے کر لیا۔“ اس جملے کے ساتھ ہی قہقہہ ابھرا تھا۔

ڈھیروں آوازوں میں یہ آواز نمایاں تھی۔ شاید کسی نے باقاعدہ ماتھا پیٹتے ہوئے کہا تھا۔ اس کے بعد حمیدہ کو ہوش نہ رہا، اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا بالکل اپنی بیٹی کی زندگی کی طرح۔



استاد مان لیتے۔ اور وہ واقعی استاد تھا۔ مہر کو قائل کر کے ہی دم لیا، ویسے بھی گھر والوں کی توجہ سے محروم کچی عمر کی لڑکیوں کو یہ قوف بنانا کون سا مشکل کام ہے۔

☆☆☆

ٹھیک دو دن بعد رات کے اندھیرے میں مہر اپنا بوریا بستر اسمیٹ کر گھر سے نکل گئی۔ جاتے جاتے ماں کی طرف ایک نظر دیکھا، آنکھوں میں آنسو آئے مگر پھر زید کا پڑھایا ہوا ”محبت کا فلسفہ“ یاد آیا اور وہ آنسو پونچھتی اپنی اڑھائی ہفتے کی محبت کو ماں کی انیس سالہ محبت پر قربان کرتی گھر سے نکلتی چلی گئی۔

صبح حمیدہ کی آنکھ کھلی تو مہر کو نہ پا کر پریشان ہو گئی۔ چند آوازیں دیں، پورے گھر میں جھانک کر دیکھا مگر بے سود۔ وہ کہیں بھی نہ تھی۔ پریشانی سے ساتھ والی پڑوسن سے پوچھا۔ اس کی لڑکی سے مہر کی خوب بنتی تھی، جواب نفی میں ملا، اس پاس کے چند اور گھروں میں پوچھا مگر مہر ولا پتا۔

چند ہی منٹ میں بات جھگڑ کی آگ کی طرح پورے محلے میں پھیل گئی، ہر طرف چہ گوئیاں ہونے لگیں۔ کسی نے کہا کہ مہر بھاگ گئی ہے مگر حمیدہ کو یقین نہ آیا۔ محلے کے ہر فرد کو بلا کر پوچھا گیا مگر مہر نہ ملی۔

”ارے وہ شیراز بھائی کے مکان کا لونڈا نظر نہیں آ رہا، اسے بلاؤ ذرا۔“ بالآخر سامنے والی زبیدہ کا دھیان اس طرف گیا۔ شیراز بھائی نے اوپر جا کر دیکھا تو لونڈے صاحب سامان سمیت غائب تھے۔

”نہیں، میری مہر وہیں بھاگ سکتی۔“ حمیدہ نے بے آواز آنسوؤں کو پونچھا اور گھر جانے لگی۔ محلے والے بھی پیچھے آئے۔

”میں نے رات کو دو بندوں کو گلی کے کنارے گزرتے دیکھا تھا، سامان بھی اٹھایا ہوا تھا شاید۔“

”مہر وا کثر چھت پر جاتی رہتی تھی۔“

”میں نے تو اسے اس لونڈے کی موجودگی میں بھی چھت پر جاتے دیکھا۔“

”بیچاری باجی حمیدہ کی تو دنیا ہی لٹ گئی۔“ ان

130 ماہنامہ پاکیزہ — دسمبر 2022ء







واپس چلا گیا تو بیگم شیرازی نے اندر جا کر چوڑے پر منتظر بیٹھے اپنے دونوں بچوں کو پکارا تھا۔ ”دانیال، تاناہ!“ مجھے ان دونوں کے نام اسی پکار پر معلوم ہوئے۔ جن کی عمریں آٹھ اور سات سال رہی ہوں گی۔ بچوں کے اندر جانے کے بعد بیرونی دروازہ قفل ہو گیا اور پھر قفل ہی رہا۔ مکان کے بیرونی حصے کی لائسنس بھی مغل ہی رہیں..... وہ بیگم شیرازی تھیں۔ جن کا نام تک مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ مگر شیرازی صاحب کہاں تھے۔ اس کا جواب ہمہ وقت قفل شدہ دروازہ، کمر کیوں پر پڑے دبیز پردے تو دینے سے ہے۔ میرا پلاٹ مکمل کے مراحل میں تھا۔ اللہ بخشے میرے ابا کی زمین بازار میں چھوٹی سی زمین میں دو حوضی پرانی کریانے کی دکان تھی۔ ایک بار دعویٰ کا چانس لگا تو کچھ ہی سال میں یہ دو بڑے کارز کے پلاٹ و مکان دکان بنانے کے ارادے سے خرید ڈالے..... اس پلاٹ سے ابا کے بہت سے خواب وابستہ تھے۔ جن کی تکمیل بڑا خیال ہونے کے تاتے اب میرے سر تھی۔ یکے بعد دیگرے سر اٹھاتی پاؤں پہنوں کو کیا ہانا..... سارے بھائیوں کے لیے الگ دکان اور مکان..... سب اسی صورت ممکن تھا جب مکان کے ساتھ سڑک کے رخ پر دو کشادہ وسیع کریانے کی دکانیں یعنی جزل اسٹورا جیسے چل پڑتے۔

ایک دینی سدھارنے پر ہمارا پڑا اوصیال میں رہا۔  
جہاں امی آپکا ہاتھیں۔ سو وہ ہم سب کے لیے بھی آپا ہی  
تھیں۔ ایک شہور، بارہ افراد کا کھیت تھا۔ جو اب تک دو کسروں  
کے تنگ پرانے قلیت میں رہا ہش پر پڑھا اور اس کنبے کی کز  
بہراں پرانی دکان پر تھی۔ جسے اب میں سنبھالتا تھا۔ آپا یعنی  
والدہ صاحبہ نے بیویوں کے بیچے کچھ اتانج کی جھان  
پھیک پر ہم دس بہن بھائیوں کو پالا تھا۔ دس کلاسیں پڑھا کر  
وہ بیٹیوں کو گھر گسرتی میں کھانیں، بیٹے دکان سنبھالتے۔  
میرا پلاٹ کھیل تک پہنچ گیا تھا۔ اس بڑی فیملی کے لیے آٹھ  
کمر کا دو منزلہ شاندار مکان محلے میں سب سے بلند اور  
نمایاں تھا۔ مکان کا صدر دروازہ کچی میں جبکہ کھیل رنخ درو  
دکانیں ایک چھوٹا گودام بالکل سامنے سڑک تھی جہری دکان کچی  
کے کٹر پر تھی۔ علاقہ تو آباد تھا سو ذرا چہل پہل کم ہی تھی۔ مگر  
جنرل اسٹور وہ کاروبار ہے جس میں خسارے کا سوال ہی

نہیں ہے..... اسی جہز اسٹور کی آمدنی سے میرے گھرانے نے خوشحالی کا منہ دیکھا تھا۔ بلاٹ کی تکمیل میں میری سالوں کی جمع پونجی ٹھکانے لگی تھی۔ اب اکی میں مارکیٹ والی دکان کر رہا ہے پر اٹھارہ برس سے رہائش کے ساتھ ساتھ کاروبار کی بنیاد بھی ڈالی تھی۔

ملا جب ان کا پتا پوچھتا ہوا پوسٹ میں میری دکان تک آکر  
چونکہ میری دکان کالی کے ٹکڑے پر تھی اس لیے کالی میں داخل  
ہونے والا ہر انسان میری نظر سے گزر کر کالی میں جاتا تھا۔  
سو مجھے بھی کالی کے ہر اچھے، برے کی خبر دیتی تھی۔  
بیگم شیرازی کی ڈاک دیتی ہے ان کی تھی۔ شیرازی  
صاحب نے ڈرافٹ بھیجا تھا۔ اس کا اندازہ مجھے ہوا کہ  
راشن کے سامان پر ہوا۔ مچا تلا راشن کا سامان تھا۔ ان  
وقتوں میں کل چھ سو روپے کا پلے بنا۔ ناشتے میں لڑنے، ان  
ڈبل روٹی، بھنن بومیہ تو جاتا ہی تھا کچھ ٹوں میں ساکن  
کی کھٹی جاتا، دودھ والا بھی علی الصباح شیرازی صاحب  
کے گھر کی کھٹی بجانے لگا۔ بچوں کے لیے اسکول ویز  
آئی۔ بیگم شیرازی ہر دوسرے، چوتھے روز سوا سف  
قریبی مارکیٹ جاتیں تو ہاتھ میں ایک پلاسٹک کی باسکٹ  
رہتی۔ اگلے چہرے پر شادابی مگر تنہیگی، جامہ زہی ان پر  
ختم تھی۔ جو پہن لیں جتنا تھا..... مگر چہرہ ہمیشہ سادہ ہی  
رہتا۔ ان کی شخصیت میں جاذبیت مگر سادگی تھی۔ کالی  
سادگی اور کھراہن میں نے ان کے مزاج میں بھی پایا۔ مگر  
ان کے مزاج تک رسائی کم تھی ہی۔ دکان پر ان کے لین  
دین کے معاملات سے میں جانچ سیکھا دو ایک چچی، کھری،  
ایماندار جاتوں ہیں۔

گلی مارا بیٹا انہوں نے گیس، بجلی کے بل کی ادائیگی کی  
جھجکا۔ مجھے اپنے گھر کے گیس، بجلی، پانی کے بل بھی  
ہوتے تھے۔ بینک اکاؤنٹ سے پیسے نکالوانے، جمع  
ناکرا جانا پڑتا۔ ہاتھ کے ہاتھ بل بھی جمع کروا دیتا  
ارج تھا۔ اگر گے ہاتھوں ان کے گھر کے بھی بل ادا  
ہو۔ شہر ازی کے چہرے پر لڑکھنڈا۔ اہمیتان اتر آیا۔  
”اگر ایسا ہو جائے تو بڑی نعمت ہوگی۔“  
”کوئی بات نہیں، محلے دار کا بڑا حق ہوتا ہے۔“

## اک عہد کی کہانی

کریم کلر کا صدر دروازہ ہمیشہ مقفل ہی رہا۔ بس ایک بار  
اک ادیب عمر آدمی پر پتا چڑھتا آیا شاید اسے کوئی خبر دی گئی۔  
اس نے خود کو بیگم شیرازی کا رشتہ دار بتایا مگر مجھے معلوم تھا  
شیرازی ہاؤس کا مقفل دروازہ کبھی نہیں کھلے گا۔ سودا خات  
کرتی چلی۔ وہ واپس چلا گیا کہ کچھ دیر بعد اسے گاؤں آ کر  
مصر ہوا کہ بیگم شیرازی گھر پر ہی ہیں۔ میں نے لاکھ اسے  
یقین دلانا چاہا کہ ان کے گھر میں کوئی نہیں ہے مگر وہ مصر ہی  
رہا۔ وہ پہلی بار آیا تو تیرہ دینی کے کسی تبتاں کل نہیں۔ اس  
مغرب ہونے کو کبھی کچھ دیر کو لائٹ بجاتی، سو جل رہی  
تھی۔ مٹھکا اسے نالوارہ دھڑکھڑاتا بلکہ کوئی کھی نہ آیا۔

کچھ دن گزرے میری دکان پر بیگم شیرازی کا کھانا  
چلے گا۔ وہ بچھلا حساب چکنا کرے، اگلا سودا اٹھالیں۔  
کچھ ہی دنوں میں مجھے ان کے گھر جانے والے  
راشن کے ہر برائے اور آئٹم سے آگاہی ہو گئی تھی۔ میری  
دکان پر ضروریات زندگی کا ہر آئٹم موجود تھا مگر انہوں نے  
اپنے بچوں کو..... گو کیز، کیڈیز، آکس کیم کا عادی نہیں بنایا  
تھا۔ اپنے ہاتھ سے بچا کسے تیار کر کے دیتیں تو سامان  
میری دکان سے ہی جاتا۔ یہ سچ تھا ان کا مقدر تھی۔ دسی  
والوں جیسے کوئی حزرے ہی نہ تھے۔

میری دکان اچھی خاصی چل نکلی تھی۔ جوں، جوں علاقہ آباد ہو رہا تھا گاؤں کا اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ کچھ ہی مہینوں میں میرے دروازے پر پانی روف کھڑی نظر آتے لگی تھی مگر میرے سر پر ابھی بہت فرض باقی تھے۔ اوپر تلے کے بہن بھائیوں کو کیا ہانا، الگ سے کاروبار، مکان بنوا کر دینا، مجھے اپنے ابا کا خواب پورا کرنا تھا۔ یکم شیرازی کے گھر کے بل اب بھی میں ہی جمع کرانا تھا۔ سودا سلف لینے مارکتے جانا تو اکثر کراؤ ہو ہی جاتا۔ مجھے پیکش کرنی پڑتی۔ وہ ٹال جاتیں۔ میں ان کے گریز کی وجہ سے واقف تھا۔ سو کبھی اصرار نہ کیا۔ مرد کا نام عورت کو معتبر کرتا ہے مگر مرد کا نہ ہونا عورت کو اور زیادہ معتبر بنا دیتا ہے اگر وہ بیچ، سنبھل کر قدم اٹھانے والی ہو۔ خیر اڑتی پڑتی تو یہ سنی تھی کہ شیرازی صاحب نے پردیس میں دوسری شادی کر رکھی ہے وہاں اپنی دنیا میں مگن ہیں۔ والدہ علم لیکن اس بات کی تصدیق سال بھر میں شیرازی صاحب کی آمد پر ہوئی۔

ہم ہر اسی نے اگلے روز بولوں کے ساتھ رقم بھی  
لی۔ ہماری سزا تین سو روپے کے تین بل بنے تھے۔  
ان کے مکان کی بیرونی دروازے پر  
کچھ جھانکنا ہوتا تھا۔ اس پار پڑے دھڑیلے  
کے کمروں کے شاید صرف بوقت ضرورت  
ہماری روشنی جگمگاتی رہے۔

[illegible]

میں نے اپنی شادی کی مہوی میں پہلی بار آنکھیں  
 لوک پر کھلتے گاتے سنا۔ وہ محفل میں سب سے نمایاں  
 تھا اور گھبراہٹ بھرا ہوا تھا۔ جامعہ دینی ان پر ختم  
 ہوا رنگ ان پر بچتا تھا۔ ہرگز پر اٹھتا تھا۔ اپنے کپڑے  
 راجت پر برنگے تار پر پھیلاؤ تھیں تو میری بینش چوری  
 کر کے ان کے لباس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

میری زندگی میں عشرت کی آمد ہوئی اور اوپر ہی منظر  
 ابھرا اور رخ پر کھلتی کھڑکیوں والا کمرہ اس کے بن گیا  
 عشرت سے ان کی اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ اڑی پڑی تھی  
 کلیر اڑی کی شادی محبت کا نتیجہ۔ بلاشبہ وہ ابھی محبت  
 سے محبت کی جائے اور محبت بھی ایسی کہ جس کی خاطر وہ  
 کر دے، جائے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ کبھی کوئی آیا نہ کرے



## اک عہد کی کہانی

### خصوصی دعا

اے میرے رب مجھے نہیں معلوم مجھ سے وابستہ رشتوں کو کیا کیا مشکلات ہیں پر تو سب جانتا ہے میں ان کی خاموشی اور توان کی آہ و بکا سنتا ہے۔ میں ان کو ہنستے اور تو ان کو روتے دیکھتا ہے۔ میں ان کو ادب سے جبکہ تو ان کی روح تک سے واقف ہے۔

اللہ پاک..... میری تجھ سے دعا ہے کہ تو ان کو وہ سب کچھ عطا کر جس کی ان کو ضرورت ہے۔ ان کی مشکلوں کو دور کر اور ان کی زندگی میں خوشیاں اور کامیابیاں عطا کر..... ایک دوسرے کو پر خلوص دعاؤں کا تحفہ دیا کریں..... کیا معلوم کسی کے لب سے نکلی دعا کسی کے حق میں کب قبول ہو جائے۔

از: ناظمہ شاہین اعوان، واہ کینٹ

ہیں۔ صحیح تان کے ہزار روپے تو نکل ہی آئیں گے۔“

”دینی کمائی پر ایسی صحیح تان..... باہر والے تو اتنے عیش کرتے ہیں۔“ نہ نہ کرتے بھی آپا کہہ گئیں۔

بیگم شیرازی کا چپک آتے تھی، کبھی ٹی، کبھی دن اور ہو جاتے۔ تب ان کی جمع جوڑی کام آتی۔ مجھے بیگم

شیرازی کی شرمساری منظور نہ تھی۔ سو سفارش کرتی پڑی۔ آپا نے اصول کے مطابق ایک کمپنی پر انہیں درمائی بھر دیا تھا۔ کمپنی تو انہوں نے اوپری پورشن بنوالہ۔ چکی منزل

کرایے پر اٹھا کر خود اوپری پورشن میں آگئیں۔ اوپری پورشن کے میٹر علیحدہ تھے۔ میرا ان کا بالکل آئنا سامنا ہو گیا۔ علی الصباح میرے کمرے کی کھڑکیاں کھلی ہوئیں۔

وہ اپنے پورشن کی بالکونی میں چڑیوں کے لیے دانہ پانی رکھتی نظر آئیں تو ان کے اجلے شفاف چہرے پر تازگی

ہوتی۔ لگا بندھا کرایہ بیگم شیرازی کے ہاتھ آنے لگا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اب ان کے دن بدلے کہ بدلے۔ مگر بچے

بدلے ہو گئے تھے۔ اب ان کے دن بدلے کہ بدلے۔ مگر بچے

شاید انہیں زندگی کے سرد گرم تنہا جھیلنے کی عادت ہو گئی تھی۔ کچھ سال مزید سہرے کے مہنگائی پر بھی، ان کا چاچا تارا شن

بھی بیٹ سے بڑھ کر بیٹھا تو انہوں نے کسی چیزیں کم کروا دیں۔ دروازے پر دودھ والا بند ہو گیا۔ دکان سے خشک دودھ

شہید کے سامنے پوسٹ جانے لگا۔ سودا سلف لینے بھی وہ اب کبھی بکھاری نکلتیں۔ کبھی بیچ میں صرف ایک پیالہ دہی منگوا

کر کام چلائیں۔ مگر مہنگائی تھی کہ شیطان کی آنت۔ اس بار بیگم شیرازی نے بلوں کے ساتھ ایک خط بھی

مجھے بکرا دیا تھا۔ ”پوسٹ آفس کے سامنے سے گزر رہو تو یہ خط بھی

پوسٹ کر دیجئے گا۔“ پوسٹ لینے کا پتا تھا۔ بلوں کی رقم سے کچھ رقم اضافی تھی۔ پوسٹ آفس بینک کے

رستے میں پڑتا تھا۔ میں بچے کے لیے گھر آیا تو لفافہ ساڈا نیل پر لکھ کر بھول گیا۔ رات عقی کھڑکی سے بو جھاڑ

پڑی۔ لفافہ بھگ کر کھل گیا۔ بات تو عطا کی مگر میں خود کو پڑھنے سے نہ روک سکا۔ ایک پروفیشنل سا خط تھا۔ میاں

بیوی کے مابین تعلق کی شفاں ایک سطر میں بھی نہ تھی۔ ”مہنگائی بڑھ رہی ہے۔ بچے بڑے ہو گئے ہیں۔

ان کے تعلیمی اخراجات بھی بڑھ گئے ہیں۔ گھر کا فرق تیار، بار رہیہ رنگ پر بھی جواب دے گیا ہے۔“ خود بیگم شیرازی

کالی ہائی رہتا۔ ان کی دواؤں کا خرچ۔ اب تین ہزار میں گزارہ نہ تھا۔ اگر چہ اس میں سے کوئی بھی بات بتانے والی

نہ تھی۔ شیرازی صاحب نے حاتم طائی کی قبر پر لالت مارتے ہوئے ماہوار خرچ تین ہزار سے پانچ ہزار کر دیا۔

فرق کا خرچ لہا تھا۔ وہ ٹال گئے ہوں گے۔ کبھی بیگم شیرازی نے فرق قسطوں پر اٹھایا تو ضمانت میری لگی۔ ان

سالوں میں، میں نے دو بھٹیوں کو یہاں بھائیوں کو الگ، الگ دکانیں کروا دیں تو اسی دکان کی آمدنی کی بدولت آپا

خود بڑی کمپنی لگاتیں۔ ہزار پر لاکھ کی کمپنی پڑی تو بیگم شیرازی بھی سوالی بن کے آگئیں۔ پیسے باہر سے آتے تو وہ

سویر ہوئی جاتی ہے۔ یہ آپا جانتی تھیں۔ بیگم شیرازی کا ہاتھ لین دین میں کھرا تھا۔ یہ میں جانتا تھا آپا بھی جانتی تھیں۔

”آپا، اگر یہ سارا مال.....“

”اوہ۔“ کتنا مناسب اور ان کی شخصیت سے منسلک

کھاتا ہوا نام تھا۔ میں سحر سے اٹھ بیٹھا تھا۔ ہائی روف اشارت کی تو آپا اور عشرت انہیں سنبھالے اور لاری میں

بیگم شیرازی تکلیف کی شدت سے سنبھالیں۔ میں راستے میں بیک ویو مرسر سے ایک نظر انہیں دیکھا اور

لیتا۔ سوشل ویلفیئر کا کوئی اسپتال تھا جہاں ہم گئے ایک انکشن تک کا خرچ نہ تھا۔ میں اسپتال کے باہر کانی دیر منتظر رہا۔

آپا کو لے کر لوٹ آیا اس کے روز عشرت کو لینے پہنچا تو معلوم ہوا آپریشن سے مردہ بچے کی پیدائش ہوئی ہے۔

”اتنا سخت اور محنت منہا جھیلنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔“ واپسی کے راستے میں عشرت نے کہا۔

”بیگم شیرازی بہت حوصلہ مند ہیں۔“ یہ بات مجھ سے بڑھ کر کون جانتا۔ مرد و عورت کا ستان، سہارا ہی نہیں

نگی ساتھی بھی ہوتا ہے مگر بیگم شیرازی کے جیون ساتھی کی بے حسی نے انہیں تنہا کر دیا تھا۔ خیر انہیں اگلے روز اسپتال

سے رخصت ملی تھی۔ ان کے دروازے پر میری دکان کے سامنے سے گزر کر ایسویٹس رکی تھی۔ مجھے رضا کاروں کا

ہاتھ بٹانے کو ان کا اسٹریچر سنبھالے، شیرازی ہاؤس کے اندر تک آنا پڑا۔ ان کی شخصیت کی طرح صاف سترا اجالا

شفاف گھر۔ میں نے ایک نظر میں سارے گھر کا جائزہ لے لیا۔ پچھلا کمرہ بچوں کے لیے مخصوص تھا۔ دو سنگل بیلز،

ساڈا ٹیبل کے ساتھ انڈی ٹیبل..... بیرونی رخ کو کھلی کھڑکیوں والا اکٹا کمرہ نشست گاہ تھا جس کے خوب

صورت پوشش و کسٹن سے سج دیوان پر بیگم شیرازی کا لڑکا رہا۔ یہاں سے وہاں تک اک قریبہ سلیقہ نظر آتا تھا مگر

پردیس والوں کی سی آسودگی کہیں نظر نہ آتی تھی۔ اسی ہفتے بیگم شیرازی کو دوبارہ اسپتال جانا تھا۔ وہ

جانے کن وقتوں میں نکل گئیں۔ لوٹتے سے میری دکان کے سامنے سے گزریں تو پچھلے آگئیں۔ مجھے افسوس ہوا۔ ان

کے لب خشک، آنکھوں کے گرد حلقے پڑے تھے۔ میں نے اسٹول دیا۔ جوں کا ڈبا پکڑ لیا۔

”گھر سے کسی کو لے کر چلی جاتیں بھائی!“ مجھے یقین تھا میرے گھر کی عورتوں، ایک بیکار پروردہ، انہیں نہ

شیرازی صاحب کچھ دنوں کے لیے وطن لوٹے تو میں نے

اپنی بار بیگم شیرازی کے چہرے پر خوشیوں کے رنگ دیکھے اور بلوں پر ہنسی کی تہ۔ اس ایک سنگارنے ان کے چہرے کو

بلا کی خوب صورتی عطا کر دی تھی کہ نظر نہ ٹھہرتی۔ سفید رنگ کی آلو، کچھ دنوں کے لیے سینٹ پر لگی تھی۔ ہر روز کار میں

ان کے سنگ سدھار میں تو بچے بھی ساتھ ہی ہوتے۔ ان دنوں نئے دکان سے کینڈیز، چاکلیٹ، آئس

کریم بھی لے لی تھیں۔ ایک روز شیرازی صاحب میری دکان پر سگریٹ لے کر بیٹے ٹھہرے تو ادھر ادھر کی باتوں

کے دوران ان کے گھر کا ڈر بھی نکل ہی آیا اور وہ محل کر بات کرنے لگے۔

”میرا نام اپنے ساتھ لگائے رکھنے کی ضد میری بیوی کی اپنی ہے۔ اس کے عوض اسے جتنا ملتا ہے کافی ہے۔

وہاں پردیس میں میری اپنی ایک زندگی ہے اور وہاں کی زندگی آسان نہیں ہے۔ اس کے پاس اپنا گھر، اولاد سب

کچھ ہے۔ اسے اور کیا چاہیے۔ آج میرا بیٹا پڑھ رہا ہے۔ کل کی قابل ہو جائے گا تو اسی کا بازو دے گا۔ میرا کام بس

یہیں تک ہے۔ مجھے ان کی سوچ پر دکھ ہوا۔ عورت کی خواہشات کیا اتنی ہی ہوتی ہیں۔ وہ اپنے شوہر جسے وہ

ساتان سمجھتی ہے اس کا ساتھ لے مضبوط کرتا ہے، ان کے گے بندھے خرچ اور اس پر شوہر کی سستی ہوئی محبت پر مبنی زندگی

بیگم شیرازی کا تقدر تھی۔ یہ میں اچھی طرح جانتا تھا۔ شیرازی صاحب کے سدھارنے کے کافی عرصے

بعد میں نے بیگم شیرازی کو دیکھا۔ وہ تخلیق کے مرحلے سے گزر رہی تھیں اور اب کم کم ہی گھر سے نکلتیں۔ میرے گھر

کی خواتین سے ان کی میل ملاقات چلتی تو دکھ سکھ میں بھی شرکت رہتی وہ ان ہی دنوں میں سے ایک دن تھا۔ رات کا

جانے کون سا پہر تھا جب عشرت نے مجھے سوتے سے جگایا۔ ”حسن! اٹھئے زینت بھائی کی طبیعت خراب ہے۔

انہیں اسپتال لے کر جانا ہے۔“ ”زینت؟“ میں نے سوچی جاگی کیفیت میں اسے

کھاتا تھا۔ یہ نام پہلی بار سنا تھا۔ ”جی، زینت..... وہ سامنے والی بیگم شیرازی۔“



55

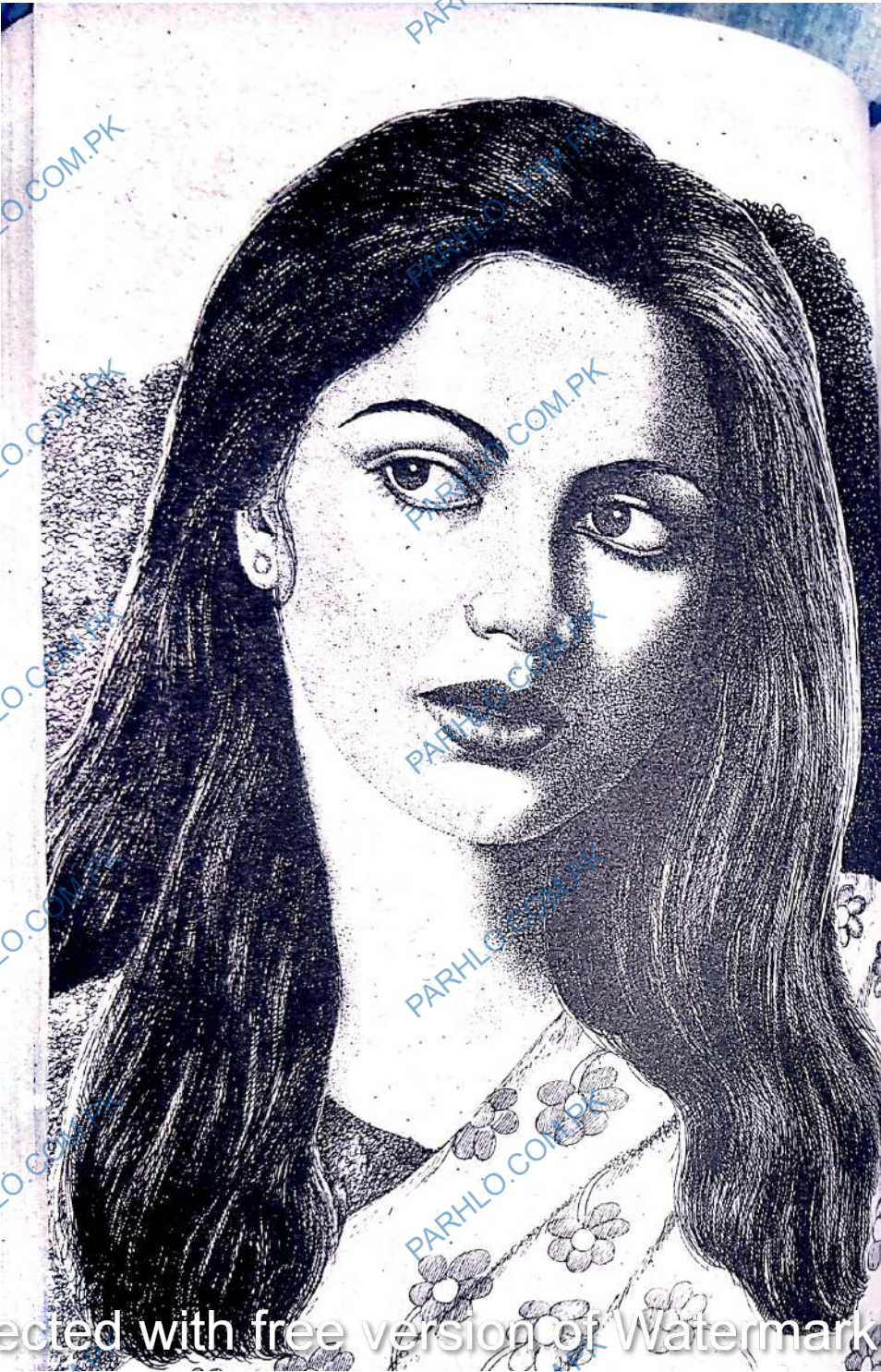
انسان ہی انسان کا مددگار ہے۔

تانیہ لاخسبرہر می بیاہ تو دیا۔ مگر کھ کے دروازے ہمیشہ  
کے لیے اس پر بند کر دیے۔ ان کی زندگی بھر کی نیک نامی،  
ماکہ پراچ آئی تھی مگر یہ کچھ ہی دنوں کی بات ہے، محمد

ایک روز وہ ازخود اپنی کو لیک کو بیابان لایا۔ جو خاصی طرح دار اور فیشن ایبل سی تھی اور پھر انہوں نے دست معتنوں میں اپنی دنیا بگلی منزل پر بسائی تھی۔ ان کے اپنے پلازہ تھے۔ دونوں میاں بیوی ایک ساتھ بیٹک جاتے

کے لوگ میرے دروازے پر آئیں مجھے کہاں منگھورتھا۔  
میں نے اکاؤنٹ سے نکال کر مطلوبہ رقم ان کے  
ہاتھ پر رکھ دی۔ پیغمبر شری کے مکان کے پچھلے رخ پر  
سڑک تھی۔ اب وہ اوپری منزل کی کہیں تھیں۔ کھدائی کے  
بعد مڑ کر اوپر کی طرف۔





مکمل ناول

میراجت

محبوب

چاپ ابھری۔

”ٹرن..... ٹرن.....“

”ہیلو.....“ پھر چند لمحوں بعد..... ریسپورڈنٹ

کے ہاتھ سے نیچے جا گرا..... اس کے ارد گرد موجود

دیواریں بھک سے اڑیں اور اس کے وجود پر آن

گریں۔ وہ زانوؤں کے بل زمین پر پون گری کہ ہاتھ

”ٹرن..... ٹرن..... ٹرن.....“

اس مرنے کے رتبے پر پھلے اس گھر میں یہ آواز

اس زور سے گونجی کہ سیدھا دل پر پڑتی تھی۔

”ٹرن..... ٹرن..... ٹرن.....“

اسنے بڑے گھر کی خاموشی اس آواز سے ایک

جہان کے ٹوٹی تھی اور پھر ذرا تیز، تیز چلتے قدموں کی

آواز آئی۔ اس نے اس کے پاس پہنچ کر اس کے



پہلو میں جا کرے..... ریسور تار کے سہارے لٹکا۔  
دول رہا تھا اور اس میں سے اب بھی آواز کے نام پر  
اک ناٹاؤں سا شور مٹائی دے دیا۔

کہنے والے نے کیا سے گمان و یقین سے پرے  
کی دنیا کی کوئی کہانی سنانی تھی؟ کس کو قاف کی داستان  
سن بیٹھی تھی وہ کہ یوں اب بے روح آنکھوں سے دنیا کو  
دیکھتی تھی۔ اس کا نہ کھلا کا کھلا اور سانس معمول کی آسانی  
کے ساتھ نہ آتی تھی پھر اس نے گردن موڑ کر کانس پر  
رکھی اس تصویر کو دیکھا..... اس کا دوسرا ابھرنے والا  
احساس رن بھرے پیش کا تھا۔ ایک دم ہاتھ مار کر اس  
نے فریم نیچے کر لیا۔ شیشہ کیا کرچیوں میں ٹوٹا ہوگا..... کہ  
جتنی کرچیاں اس کے دل، اس کے وجود کی ہو چکی تھیں۔  
اس نے ان کرچیوں کے درمیان سے وہ تصویر کھینچ کر  
نکالی..... چند لمحوں سے دیکھتی رہی اور پھر نفرت سے اس  
پر ٹھوک دیا۔ اس کی نفرت مٹھ ٹھوک دینے سے تو ختم  
ہونے والی تھی..... اور اب وہ اپنی جوتی کی اڑھی سے  
اس تصویر کا چہرہ صاف یا پھر مٹ کر رہی تھی۔ جوتے سے  
چہرہ ملتے ملتے وہ ایک دم ساکت ہوئی۔ یوں جیسے وقت  
تھا ہوا، گھڑی ساکت ہو گئی ہو..... دل رک سا گیا ہو۔

”یہ میں نے..... میں نے..... کیا.....“ اس کے  
ہونٹ پڑ پڑائے اور شدید شاک کے عالم میں اس  
نے آنکھوں کی اگلیوں سے ہونٹوں کو ڈھانپا..... اگلا  
دوڑ بھاگ پہلے سے بھی شدید تھا۔ اس نے تیزی سے کانپتے  
ہاتھوں سے تصویر اٹھائی، اڑتے بدن کے ساتھ اس نے  
دوڑے کا پکڑنا چاہا مگر پکڑ نہ سکا، ہاتھ میں نہیں آ رہا تھا، اس کا  
ہاتھ گرفت کرنے میں ناکام ہو رہا تھا۔ لاچار ہو کر اس  
نے تصویر اپنے کپڑوں سے رگڑ کر صاف کی اور پھر  
وہ لوں بازوؤں میں بھر کر سینے میں چھپا لیا..... مگر وہ اپنی  
جوتی کھینچ کر..... ایک نام نیک کی صورت میں اس کے  
لبوں سے آڑا ہوا تھا۔

اس کی جوتی نے شاخوں پر بیٹھے پڑسکن پنچھی اڑا  
دیے تھے۔

☆☆☆

اگر اسے ایک لفظ ”بے اعتباری“ کا مترادف لکھتے  
کو دیا جاتا تو وہ بلا سوچے سمجھے، بلا جھجکے لکھتا۔ ”محبت“  
اور وہ اسے دے بھی رہے تھے اپنی محبت کا واسطہ.....  
اس نے سخت حیرت سے اسے دیکھا.....  
”بابا پلیز..... کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ میں نہیں  
ہوتا..... کس قدر بچکانہ سی بات ہے کہ میں.....“  
”بخت اس میں بچکانہ سی بات کیا ہے؟ ایک  
پروپوزل رکھا ہے تمہارے سامنے اور میں.....“  
”بس..... بس بابا.....؟“ اس نے شاکی مگر سوالیہ  
نظروں سے انہیں دیکھا۔  
”آپ تو یوں بات کر رہے ہیں جیسے جاننے  
نہیں..... سب کچھ جانتے، بوجھتے اور سمجھتے ہوئے بھی  
آپ ایسی بات کر رہے ہیں۔“

”ہاں سب کچھ جانتے، بوجھتے ہوئے اور سمجھتے  
ہوئے بھی ایسی بات کر رہا ہوں.....“ قطعی انداز  
میں کہہ کر انہوں نے اس کا چہرہ غور سے دیکھا۔  
اس نے جڑے سے بیٹھنے ہوئے تھے۔ اگلے ہاتھ کی  
دو اگلیوں سے وہ مسلسل کپٹی کو مسل رہا تھا..... چہرے  
پر برہمی کے تاثرات تھے۔ یہ اس کے تئیں ہونے کی  
نشانی تھی۔ ”اور اگر وہ“ یہاں ہوتا تو.....؟  
”آخر وہ“ یہاں ہوتا ہی کیوں.....؟ انہوں  
نے تخی سے سر جھٹکا۔

”کس قدر سچی ہوئی طبیعت کا مالک تھا ان کا یہ  
بخت اور.....“ ایک گہری سانس ان کے سینے سے  
خارج ہوئی۔

”بابا.....“ بخت نے ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھے۔  
”ضروری تو نہیں ہے یہ آخری صل ہو..... ہم اپنی  
پوری کوشش کریں گے..... آخری حد تک جا کر ان کی  
مدد کی کوشش کریں گے..... یوں تھوڑی انہیں چھوڑ  
دیں گے۔“

”جو کچھ ہو چکا ہے بخت..... اس کے بعد یہ  
سب اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم بیان کر رہے ہو.....“  
”آخر میں ہی کیوں بابا.....“ وہ بے طرہ سے چلا۔

”دم کیوں نہیں بخت.....؟ پسند کرتے تھے ناں  
اسے تو پھر..... ایک دم نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا  
اور بخت سے دیکھا..... وہ انہیں زمین میں گاڑ  
دینے کے لیے کافی تھیں۔  
”پسند کرتا تھا..... پسند کرتا ہوں..... نہیں.....“

کیسا دلچسپ تھا.....  
”لو پسند بھی بھلا بدلی ہے کوئی.....“ وہ بچوں  
کے لیے بولے۔  
”بدلی تو نہیں پر ماری بڑ جاتی ہے بابا..... جب  
”بدلی تو خالے بدلے ہیں تو اس کے ساتھ، ساتھ  
رشتوں کے خالے بدلے جاتے ہیں۔ یہ بھی ایک تقاضا تھا کہ  
تفانے بھی بدل جاتے ہیں۔ اور کوئی شکوہ کرتے، کرتے  
میں ہمیشہ کی طرح.....“  
اس نے ترنت ہونٹوں کو چھچھ کر خود کو روکا۔

”ایسا مت کہو بخت.....“ وہ اس کے گھٹنے پر  
ہاتھ رکھ کر تکلیف سے بولے۔  
”تم جانتے ہو کہ بات مٹھ تمہاری پسندیدگی کی  
نہیں تھی..... وہ.....“ اور اب کی بار بابا جان نے  
ہونٹ چھچھ کر خود کو روکا۔

ایک تکلف وہ خاموشی ان دونوں کے بیچ پھسکڑا  
دار کر آن بیٹھی تھی۔ وہ دونوں ہی اپنی، اپنی جگہ پر چپ  
مگر سوچوں میں گم بیٹھے تھے۔

”تم جانتے ہو وہ تم سے قریب کبھی نہیں  
رہی.....“ اس غموشی کو چھناکے سے توڑتا ہوا وہ جملہ  
بابا جان نے کہا تھا۔ اور بخت عبدالرحمن کی آنکھوں تلے  
چپے چمکے مسک کر بھڑکا تھا۔ ایک منظر جیسے دل پر پاؤں  
رکھ کر یاد آیا تھا۔

☆☆☆

”میرے خدا یہ اس نے کیا کیا میرے  
ساتھ..... کیا؟ کیوں کس لیے؟“ اس کی سانس بکڑی  
کے شکار کی طرح جسم میں پھنسے لگی۔

”تین سال..... اس چہرے کو میں نے کسی دربار  
کا سا رعب دیا..... نظر جب بھی اٹھی محبت سے زیادہ  
قدرت.....“

میرا بخت

بار اس کے حلق میں کچھ پھنسا تھا۔ اس نے تئیں سے.....  
دونوں مٹھیاں پھینچیں اور دونوں آنکھیں زور سے میچیں۔  
”ادا عبدالمالک اتنی بے مول نہ تھی کہ جس قدر  
بے مول تم نے اسے کیا.....“ اپنے بیٹے والے  
آنسوؤں کو بے دردی سے رگڑ کر صاف کیا..... اور پھر  
نئے تے قدم اٹھاتی وہ آئینے کے سامنے جا کھڑی  
ہوئی..... اس نے غور سے اپنے چہرے کو دیکھا۔

ماتھے سے لے کر ٹھوڑی تک شہادت کی انگلی  
پھیری..... اس کی جلد بے داغ، بے حد چمکدار تھی۔  
اس نے آنکھوں سے اپنی ہی آنکھوں کا جائزہ لیا.....  
”کتنی ہی گہرائیوں کا مسکن تھیں یہ آنکھیں بالکل سیاہ  
یوں کہ کسی جنگل کی تاریکی ہو..... کھوجاؤ تو مل کر نہ  
دو..... اور تم..... تم ہم ان سیاہیوں سے کیسے بچ کر نکل  
گئے..... کیسے؟“ اب کی بار اس نے گھوم کر خود کا جائزہ  
لیا..... اس کی لمبی چوٹی اس کی کمر کے گرد گھوم کر پشت  
پر جا پڑی..... اور اسے ایک دم پکھا اور یاد آیا۔

”تم واحد دنیا کی لڑکی ہو گی کہ جس کے بال گھٹکر لے  
بھی ہیں اور لمبے بھی.....“ آنکھوں سے جان چھڑاؤ  
تو دل ان میں پھنس کر رہ جائے.....“ وہ یاد کا ایک زہر  
بھرا کوڑا تھا جو دل کی زمین پر بڑے زور سے پڑا تھا اور  
سرخ ہوتی رنگت اس کے ضبط کی گواہی تھی۔ حسن تھا تو  
اس پر ناز بھی تھا اور یہ ناز کس طرح سے کرچی، کرچی  
ہوا تھا..... آہ..... تمہیں ادا عبدالمالک اس مقام پر پہنچ  
کر دکھائے گی کہ جس مقام پر دیکھ کر تم پچھتاوے کی  
اس آگ میں جا کر دھو گے جو تمہیں جلائے تو ضرور پرہم  
نہ کرے گی..... تم دیکھو گے..... کہ تمہیں ادا عبدالمالک  
کی آہ، کیسے لگی..... اور یوں لگے کہ ایک دنیا اس کا  
تماشا دیکھے گی۔“ طیش، نفرت، غصہ، غم، تکلیف، رنج  
کے زیر اثر اس کے آنسو بھل بھل بہتے تھے اور وہ واقعی  
ہی کسی کو کھانا جانے والی ”آہ“ لگتی تھی۔

☆☆☆

اسے دیکھ کر سب چونکنا چاہتے تھے..... پر ان  
نے اپنے آپ کو روک لیا.....

14 دسمبر 2022ء



قابو پایا تھا۔  
 ”السلام علیکم“ وہ کرسی پر بیٹھ کر بیٹھے ہوئے بولی۔  
 ”وعلیکم السلام“ کیا لوگ ناشتے میں؟“ امی  
 نے بڑے پیار سے پوچھا تھا۔  
 ”ہر روز کیا کچھ ہوں امی“ اس نے مسکراتا  
 چاہا۔ مگر اس کی کوشش ناکام ہوئی۔  
 ”ارے ہاں۔۔۔۔۔ یہ بھی کوئی بھولنے کی بات ہے  
 بھلا۔۔۔۔۔ وہ ناشتہ سے کہنا چاہتی تھیں مگر  
 انہیں۔۔۔۔۔ وہ بھی بیٹی کی طرح ناکام ہوئی تھیں۔  
 ”مادر نہیں انہی ابھی۔۔۔۔۔ اس نے ہاٹ پاٹ  
 اپنی طرف کھینچے ہوئے ماں کی آنکھ کے آنسو کو نظر انداز  
 کیا۔ آخر کیا ہی کیا جاتا ان آنسوؤں کا۔۔۔۔۔ یہ تو اب  
 جزدولازم تھے زندگی کے۔

”اے تو کا بجھے آدھا گھٹنا ہو گیا بیٹا۔۔۔۔۔ اور  
 اس نے جیسے تھک کر دال کھاکو دیکھا۔  
 ”یا خدا۔۔۔۔۔ یہ ساتھ مجھے کہاں کہاں اور کیسے،  
 کیسے متاثر کرے گا۔۔۔۔۔ وہ تو جیسے سب بھلائے بیٹھی  
 تھی۔ اس کا دل چاہا کہ ایک دم سب کچھ چھوڑ چھاڑ  
 کر بیٹھ جائے۔ یہ جو بناوٹی چولا اس نے پہن رکھا  
 تھا۔ بھاڑ کر اتار ڈالے اور ماں کے گلے لگ کر بین  
 ڈال، ڈال کر روئے۔ پر کیا کیجیے کہ بناوٹ آخری  
 سہارا تھی۔

”ابو۔۔۔۔۔ آپ سے ایک بات کرنی تھی۔“ اس  
 نے ہمت سے باپ کو مخاطب کیا۔ اور باپ بدلے  
 میں یہ ہمت نہ دکھاتا کہ اس کے چہرے کو دیکھ کر  
 جواب دے۔

”کہو۔۔۔۔۔ وہ اسی طرح اخبار کے پیچھے خود کو  
 چھپائے ہوئے بولے۔

”کچھ کورسز کرنا چاہتی ہوں۔۔۔۔۔ اور ابو نے  
 ایک دم اخبار نیچے کر کے اور امی نے نوالہ مزینکے کر  
 جاتا ہوا ہاتھ روک کر اسے دیکھا۔ اور پھر ان دونوں  
 کا آپس میں نظروں کا تبادلہ ہوا۔ جیسے وہ کچھ کہنا  
 چاہتے ہوں۔

142 مہنامہ پاکیزہ دسمبر 2022ء

”کیا ہوا؟“  
 ”نہیں۔۔۔۔۔ ہوا تو کچھ بھی نہیں۔۔۔۔۔ مگر  
 ہم۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔ اور دیکھ عبدالملک نے پتھر کی سے  
 اپنے شوہر عبدالملک کو دیکھا۔  
 ”پڑھنا چاہتی ہو۔۔۔۔۔ ٹھیک ہے کوئی مسئلہ نہیں  
 جہاں کہوں گی ایڈمیشن کروادوں گا۔۔۔۔۔ پر بیٹے اس  
 سارے مسئلے کا حل پڑھائی کی آڑ میں راہ فرار تو نہیں  
 ہے ناں۔۔۔۔۔“  
 بات کہے بنا چارہ نہیں تھا۔ سو عبدالملک نے  
 بلا تہید بات کی۔  
 ”آپ کو کس نے کہہ دیا ابو کہ پڑھائی کی آڑ میں  
 یہ راہ فرار ہے۔۔۔۔۔؟“  
 ”تو پھر۔۔۔۔۔؟“

”میں اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتی ہوں، خود  
 مختار ہونا چاہتی ہوں۔۔۔۔۔“  
 اس بات پر ایک بار پھر ان دونوں میں نظروں کا  
 تبادلہ ہوا تھا۔  
 ”آپ دونوں بار، بار یوں کیوں ایک دوسرے  
 کو دیکھ رہے ہیں۔ سیدھی طرح بتا کیوں نہیں دیتے کہ  
 آخر بات کیا ہے۔۔۔۔۔؟“ وہ بری طرح سے چڑی تھی۔  
 عبدالملک صاحب نے ایک گہری سانس  
 بھری۔ ایک نظر اسے دیکھا اور۔۔۔۔۔

”بھائی جان نے اپنے بیٹے کا پرویز دلایا ہے۔۔۔۔۔“  
 ”کیا۔۔۔۔۔ اُسے ایک دم کرنٹ لگنے کا سا جھکا لگا  
 تھا۔۔۔۔۔ اور معلوم نہیں کیوں ایک منظر چمن سے دماغ کی  
 اسکرین پر روشن ہوا تھا۔

☆☆☆

منظر۔۔۔۔۔ وہ منظر کیا تھا بھلا۔۔۔۔۔  
 ”السلام علیکم تایا ابو۔۔۔۔۔ اس نے اپنا سر اُن کے  
 آگے کیا۔  
 ”وعلیکم السلام۔۔۔۔۔ یہ تمہاری ماں کو کون نہیں  
 ہے جو روز تمہیں خانساں بنا کر بھیج دیتی ہے۔ وہ اپنی  
 کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے شفقت سے بولے۔

”کیوں بھی۔۔۔۔۔ کوئی اعتراض ہے آپ کو  
 میرے آنے پر۔۔۔۔۔ وہ ادھر ادھر کی کالی چادر اتار کر رتہ  
 کرتے ہوئے بولی۔  
 ”لو بھلا۔۔۔۔۔ تمہارے آنے پر کس کو اعتراض  
 ہے۔۔۔۔۔ تم آؤ۔۔۔۔۔ بسو کھیلو۔۔۔۔۔ کھاؤ، پیو پر تم تو جو  
 ہیں میں تھکتی ہو تو پھر شام کی ہی خبر لاتی ہو۔۔۔۔۔  
 ان کے سامنے لان میں رکھی کرسی پر بیٹھے ہوئے  
 اس نے یہ جملہ سنا۔  
 ”لگتا ہے بازاری کھانے کھا، کھا کر جی نہیں بھرا  
 یا پھر ڈاکٹر احتشام سے ملنے کا موڈ ہو رہا ہے آپ  
 کا؟“ شرارت بھری آنکھوں کے ساتھ وہ ہاتھوں کے  
 پیالے میں چہرہ رکھے کہہ رہی تھی۔ احتشام صاحب،  
 تایا جان کے دوست اور معالج دونوں تھے۔  
 ”یوں کرو دو تین کھانے، ذرا زیادہ مقدار میں بنا  
 کر فریز کر جاؤ۔۔۔۔۔ اتنے دنوں میں ہو ہی جائے گا  
 خانساں کا بندوبست۔۔۔۔۔ اور اس نے ہاتھ کے  
 اشارے سے جیسے ہوا میں بات اڑائی۔

”جیسے آپ تو اپنے صاحبزادے کو جانتے ہی  
 نہیں ناں۔۔۔۔۔ کہاں گھمائیں گے وہ فریزر ہوا  
 کھانا۔ پھر فون کر کے مجھے بے نقط سنائیں  
 گے۔ کہ کسی بھی ہو ذرا جو خیال ہو۔ تایا کا۔۔۔۔۔ ان  
 دونوں کا رخ اب اندر کھتا۔  
 ”اچھا! تو تم اس کے بے نقط سنانے کی وجہ سے  
 آئی ہو۔۔۔۔۔ ویسے کوئی خیال نہیں ہے تمہیں ہمارا۔۔۔۔۔“  
 لپچ مصنوعی ننگی لیے ہوئے تھا۔  
 ”تایا ابو۔۔۔۔۔ ادا نے منہ پھلا کر انہیں دیکھا اور

وہ فیس دیے۔  
 ”اچھا چلو۔۔۔۔۔ مجھے بتاؤ کیا لانا ہے۔۔۔۔۔ میں  
 لائے دیتا ہوں۔۔۔۔۔ باتیں کرتے، کرتے وہ دونوں  
 کچن میں آچکے تھے اور اب وہ کمپینٹس کھول، کھول کر  
 خوراک کے ذخیرے کا اندازہ کر رہی تھی۔ اس بات پر  
 اس نے مڑ کر تایا کو دیکھا۔  
 ”آپ جائیں گے، گری کرنے لگتا ہے

میرا بخت

آپ اپنی شوگر کے حراج سے واقف نہیں۔۔۔۔۔“  
 ”اور گری کے حالات ملاحظہ کیے آپ نے؟  
 درجہ حرارت دیکھا کیا آج کا۔۔۔۔۔؟“ وہ اپنے کام  
 میں مصروف رہتے ہوئے بولی۔  
 ”اچھا۔۔۔۔۔ ولید تو شام میں آئے گا۔۔۔۔۔ بخت آیا  
 ہوا ہے یوں کرو اس کے ساتھ چلی جاؤ۔۔۔۔۔“  
 ”بخت۔۔۔۔۔ تو یہ، تو یہ استغفار۔۔۔۔۔ سوال ہی پیدا  
 نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ جا کر مجھے اپنے قتل منعقد نہیں  
 کروانے۔ اس کے تو پاس سے بھی گزرتے ہوئے  
 ڈر لگتا ہے۔ یوں لگتا ہے کرنٹ مارے گا کرنٹ۔۔۔۔۔ وہ  
 پوری کی پوری فریزر میں کھسی دہاں موجود اشیا کا جائزہ  
 لیتے ہوئے بلا تکان بول رہی تھی۔ جیسی وہ خاموش  
 ہوتی تو یوں لگا سب خاموش ہو گیا ہے۔ اس غیر  
 معمولی خاموشی نے اسے چونکا دیا۔ اس نے سر باہر  
 نکال کر دیکھا تو۔۔۔۔۔

”یا خدا۔۔۔۔۔؟“ دل ایک دم دھک کر کے رہ گیا تھا۔  
 بلا مبالغہ اس نے سینے پر ہاتھ رکھا۔ تایا ابو کے چہرے پر  
 شرارت اپنا دھمال ڈال رہی تھی اور وہ۔۔۔۔۔ اس کا  
 چہرہ۔۔۔۔۔ تھا تو ہمیشہ کی طرح سیاہ۔۔۔۔۔ مگر وہ  
 نظریں۔۔۔۔۔ اس کا ایک سرے کیسا سی ٹائیکن کر رہی  
 تھیں۔ اس نے گھبرا کر دوبارہ سر فریزر میں گھسایا اور  
 وہ اپنے مخصوص بے نیاز انداز میں باپ سے کہہ رہا تھا۔  
 ”بابا میں ذرا باہر جا رہا ہوں شام تک آؤں گا۔“  
 وہ بتا کر جانے لگا تو تایا ابو نے ”سنو بخت“ کہہ کر روک  
 لیا۔ اسے روک کر انہوں نے فریزر میں کھسی فریزر  
 ہوتی ادا کو دیکھا۔

”ادا کو ذرا سپر مارکیٹ تک تولے جاؤ۔ کچھ  
 گروسری کرنی ہے۔ پھر چلے جانا دوستوں کی  
 طرف۔۔۔۔۔ آگے بڑھ کر بازو سے پکڑ کر ادا کو فریزر  
 سے نکالتے ہوئے وہ بولے تھے۔  
 اور ادا نے ایسی نظروں سے انہیں دیکھا جیسے کہتی ہو۔  
 ”یہ فاول ہے تایا ابو۔“ وہ واقعی میں اس کے قتل  
 کروانے کے چکر میں تھے۔ ادا اب تپ کر انہیں

مہنامہ پاکیزہ دسمبر 2022ء



دیکھ رہی تھی اور وہ بخت کو.....  
”سوری بابا!..... میں“

”تھک ہے تم جاؤ..... میں لے جاتا ہوں اسے  
ایک تو وہ خد میں کرے (اور بخت منہ ہی منہ میں  
بڑبڑایا۔ ”کون سامیری کہتی ہے“ اور اوپر سے ان  
کے نگرے بھی دیکھے.....“ ادا کی نظروں کی پیش ساری  
کی ساری ان کے لہجے میں آن مٹی تھی۔

اور ان دونوں نے بیک وقت انہیں دیکھا۔  
”بڑے بڑے بوڑھے..... بڑے کیوں ہو جاتے  
ہیں..... بچے کے بچے ہی رہا کریں ناں.....“ ادا نے  
جل کر سوچا۔

اور بخت نے اک ٹھنڈی سانس لی۔  
”گاڑی نکال رہا ہوں آ جاؤ.....“ کہہ کر وہ رکناہیں۔  
”چکن کاؤنٹر پر بڑی چادر اٹھا کر وہ ہیرو بڑ میں  
اس کے پیچھے بھاگی تھی۔

گاڑی میں بیٹھی وہ خواہ خواہ ہی نروس ہوئی  
جاری تھی۔ اسی تو وہ چکن کا ٹھیک طرح سے جائزہ بھی  
نہیں لے پائی تھی۔ کت بھی نہیں بنائی تھی کہ کیا کیا  
خریدے گی۔ وہ بے طرح سے ابھی۔ ادا نے چور  
نظروں سے بخت کو دیکھا۔ بے تاثر چہرہ۔

”کچھ ہوگا بھی تو وہ چہرے سے کب معلوم  
ہوئے دے گا۔“ پریشانی میں اس نے عادتاً انگلیوں  
کے ناخن منہ میں ڈالے۔ اور ترنت اس کے ہاتھ پر  
ایک نظر پڑی تھی۔ ادا نے منہ کھول کر اسے دیکھا۔

”میرے خدا!“ وہ تو جی تھی کہ اس کا دھیان  
صرف ڈرائیونگ پر تھا۔ ”مینا“ اور پھر کس کر اسے  
ایک خطاب دیا تھا۔ ظاہر ہے دلی ہی دل میں..... اور  
جب اندر جا کر وہ ہر ایک ریک میں ریک، روک کر سوچ،  
سوچ کر جھنڈا کر چیزیں رکھ رہی تھی تو بخت نے اک

گہری سانس بھر کر ڈرائیو اس کے ہاتھ سے لی۔  
”یہ کر رہی کی گوری.....“ ادا نے اسے.....  
بڑبڑاتے سنا تھا..... وہ جھل جھل.....

آدھا گھٹنا لگا تھا ناں..... اور وہ اسے کئی نہایت

سلیقہ مند عورت کی طرح گوری کرتے دیکھتی رہی۔  
”ہائیں یہ کیا چیز ہے؟ اور بار بار وہ اپنے اندر  
اٹھنے والے اس جملے کی تکرار کو دہرائی رہی۔  
وہ دونوں ہی لہجے سے پچھنے سے گھر میں داخل  
ہوئے تھے۔

اور جب وہ ترکاریوں کے لفافے اٹھائے چکن  
میں رکھنے جاری تھی اور وہ چکن میں باقی سامان رکھ کر  
واپس آ رہا تھا تو..... تو اس کے پاس سے گزرتے  
ہوئے ذرا سا جھک کر اس نے بڑی دیسی سی ایک  
سرگوشی میں بات کہی۔

”کرنٹ تو نہیں مارا ناں..... کہ مارا؟“ کہہ کر  
وہ رکناہیں..... تاک کی سیدھ میں نکل گیا۔ اور وہ کن کر  
بس اک دم ٹھٹھک کر رک گئی تھی۔ سمجھ میں تو بڑی دیر بعد  
آیا کہ وہ کہہ کر کیا گیا تھا..... اور جب سمجھا آیا تو اس نے  
شا کڈ ہو کر اس کی پشت کو دیکھا۔

”ہائیں.....“ یہ کیا تھا؟ وہ تو بڑا کم مخاطب ہوتا  
تھا کیا کہ یہ انداز بے تکلفی.....  
اور اگر ادا اس وقت بخت عبد الرحمن کے ہونٹوں  
پر کھلنے والی مسکراہٹ دیکھ لیتی تو جان جاتی کہ وہ کس  
قدر بے تکلف ہونے کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔

☆☆☆  
بڑا ہی جاندار احسان تھا..... دونظروں کا اپنی  
پشت پر..... وہ احساس آج تک ابھی تک اس کے اندر  
زندہ تھا..... یوں کہ جیسے یہ پہلے کا نہیں..... ابھی کہ  
ابھی وقوع پزیر ہونے والا واقعہ تھا۔ بابا کب کے  
جا چکے تھے اور وہ اسی لمحے میں گم تھا..... جو منظر دل پر  
پاؤں رکھ کر آیا تھا۔

وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ وہ منہ کھول کر  
اسے تک رہی ہوگی..... اس کا یہ انداز کب کسی نے  
دیکھا تھا..... خاصا لیے دیے رہنے والا آدمی تھا  
وہ..... اور یہ..... یہ ادا عبد المالك..... وہ آج خود  
خود ہی حیران ہوا تھا۔ اس نے ادا عبد المالك کو بڑی  
عید کے موقع پر ہونے والے فیملی ڈنر میں نوٹس کیا تھا

اور یوں نوٹ کرنے پر بھی اس نے بڑی حیرت سے خود  
کو دیکھا تھا۔ ”بخت عبد الرحمن..... کسی لڑکی کو اس طرح سے  
نوٹ بھی کر سکتا ہے؟ کیوں..... بخت عبد الرحمن دل  
کے بنا زمین پر اتارا گیا ہے کیا؟“ وہ اس نے بڑا ہی جتنا  
کر ایک ابرو اچکا کر جواب دیا تھا۔ اور کھرا کر اس نے  
کتنا وقت لگایا تھا اس معے کو حل کرنے  
میں کہ آیا اس نے ادا عبد المالك کو کیوں نوٹس کیا  
تھا..... کیوں؟ کیا محض دل کے چاہنے پر؟ یونہی.....؟  
”ارے جاؤ یار..... آج تک میں نے خود پر  
جنہاری مرضی چلنے دی کیا.....؟“ اس نے اپنے ہی دل  
کا شخراڑایا۔

”جئے..... اب ذرا یہ کام کر دکھانا..... میں بھی  
ادھر ہی ہوں اور تم بھی.....“ دل نے منہ پر ہاتھ پھیر کر  
جوابی شخراڑایا تھا۔

”ہم شخراڑا تھا..... اس میں جو نوٹس ہوا تھا.....“ اس  
نے ذرا پیہ سوچ بدل کر دیکھا۔ صوفی پر نیم دراز، ٹانگیں  
سامنے میز پر رکھے ہوئے..... دونوں ہاتھوں کی انگلیاں  
ایک دوسرے میں پھنسائے، مسلسل ہونٹوں پر پیپ کر رہا  
تھا۔ ایک پاؤں بھی لاشعوری طور پر مسلسل حرکت  
میں تھا..... اور وہ خود بھی مسلسل اس ”پپ“ کی کھوج  
میں تھا جو یوں ایک لڑکی اس کے دھیان میں آئی تھی۔

لباس، چہرہ، مسکراہٹ، اس کی گفتگو (جو کہ یقیناً  
اس سے نہیں تھی) اس کے بنائے گئے کھانے..... کیا؟  
آخر کیا..... ان سب میں سے کوئی بھی ایک ایسی وجہ یا  
بات نہیں تھی جو بخت کے لیے غیر معمولی ہوتی تو کیا پھر  
کیا؟ وہ الجھے لگا تھا..... (اور یہ میں آپ کو بتا دوں کہ  
ابھی مگر بھی اس کے گمان میں نہیں آ سکتا تھا کہ وہ  
اسے کیوں نوٹس ہوئی تھی)

”لیواٹ یار.....“ اس نے بیزار ہو کر شوکر سے  
میز کو پرے کیا..... وہ جتنا کمپوز ڈینڈہ تھا جتنا عملی نقطہ نظر  
رکھتا تھا جس قدر cause and effect کا  
حالی تھا تو اس سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ اس جذبے  
کے بارے میں سوچتا..... جس کا شکار ایک مرد، ایک

## میرا بخت

عورت کے لیے ہو سکتا ہے۔ کسی عورت کے لیے یوں  
محسوس کیے جانے پر کوئی نارمل آدمی یہ بات سب سے  
پہلے سوچتا لیکن وہ بخت عبد الرحمن تھا..... اس کے لیے  
یہ آخری سوچی جانے والی بات بھی نہیں ہو سکتی تھی۔  
اسے دلیل چاہیے تھی، وجہ چاہیے تھی..... محمک کو تلاشنا  
تھا..... کیا تھا..... وہ کیا تھا کہ اس نے ادا عبد المالك کو  
اس فیملی ڈنر میں بار بار نظریں اٹھا، اٹھا کر دیکھا  
تھا..... بیزار اور الجھا ہوا ہونے کے باوجود وہ محسوس پھر  
کر وہیں اسی نقطے پر آن پہنچا تھا..... اس کے دل نے  
بڑا فلک شکاف تہقیر لگایا تھا اس بات پر..... اپنی حرکت  
پر وہ جھنجھلایا بھی مگر خود کو سوچنے سے باز نہ رکھ سکا۔

”وہ مارا.....“ ایک دم اس کی آنکھوں میں برق  
سی چمکی تھی۔ ”ولید..... ولید عبد الرزاق..... یہ رہا اس وجہ کا  
نام..... وہ ہی وجہ جو ادا عبد المالك کو نوٹس کرنے کا  
باعث بنی..... ان دونوں کی وہ بے تکلفی..... ان کی  
نوٹ جھوک..... اس نے بڑی حیرانی سے اس بے تکلفی کو  
دیکھا تھا۔ وہ اور ادا ہم عمر تھے جب کہ ولید ان دونوں  
سے کچھ بڑا تھا۔ اصولاً یہ بے تکلفی اس کی بخت سے بنتی  
تھی مگر وہ یوں ولید کو ٹریٹ کر رہی تھی جیسے کوئی ہم عمر  
دوست ہوتا ہے۔

ہر دفعہ میز پر وہ کوئی ڈش رکھتی اور کہتی..... ”یہ  
کچھ کر دیکھیے گا ولید بھائی! میں نے خود بنائی ہے۔“ اور  
ہر دفعہ وہ منہ اٹھا کر اسے دیکھتا مگر بڑی ہی بے تاثر  
نظروں سے..... اور جب وہ سب کے لیے چائے بنا  
کر لائی تو ولید کے لیے خاص طور پر شیرمی چائے بنا کر  
لائی تھی حالانکہ یہ پروٹوکول تو بخت کا بننا تھا کہ وہ یوں  
فیملی ڈنر میں بھی بہت کم شرکت کرتا تھا اور تو اور ادا  
نے بخت سے چائے میں چینی کتنی؟ جیسے سوال کا تکلف  
بھی نہیں کیا تھا۔ اپنی مرضی سے شکر کس کر کے اچھے  
چائے پکڑا دی تھی۔

”ویٹ آئٹ.....“ وہ بری طرح سے چونکا۔ ”یہ  
میں کیوں..... اس طرح کا موازنہ کر رہا ہوں۔ وہ بھی  
ولید عبد الرزاق سے..... مائے گڈنہیں.....“ اس نے....



کے کتبے پر ہاتھ پھیرا۔

”شازیہ عبدالرزاق زوجہ محمد عبدالرزاق“

☆☆☆

شانزہ عبد الرزاق.....

وہ اپنے شوہر کی من چاہی بیوی تھی۔ وہ عبدالرزاق کی محبت تھی، ان کی پسند تھی اور پسند ایسی کوئی بے جا بھی نہ تھی۔ وہ خوب صورت تھی، طرح دار تھی۔ وہ کسی بھی مرد کی محبت کے لائق تھی۔ اس کی زندگی کتنی خوش و خرم گزری تھی۔ کتنی آسائشیں گزری تھی۔ اتنی کہ اکثر مجھے میں سر رکھے وہ فکسر سے رو پڑتی۔ اسے باس، سر کی طرف سے کوئی آزار ملا تھا نہ ہی شوہر کی طرف سے۔ وہ ایک ایسی دنیا کی باسی تھی کہ جہاں ہر طرف محبت ہی محبت بکھری ہوئی تھی۔ اس کا شوہر اس پر جان چھڑکاتا تھا تو اس، سر اس کے سلیٹے، گھٹھراپے کے قہیدے پڑتے تھے۔ اور پھر شادی کے سال بعد ہی اللہ نے بیٹے بھی نعمت سے نوازا کہ اسے جیسے کسی ملکہ کے تخت پر براہمان کر دیا تھا۔ وہ جتنا شکر ادا کرتی تھی، مگر اس تخت نشانی کی مدت محض چھ سال رہی۔ ہاں، محض چھ سال۔۔۔۔۔ چھ سال اس کا گھر اس کے لیے جنت بنا دیا مگر اس کے بعد اسے دوزخ میں بدلتے دیر نہ لگی۔

دیکھا جائے تو سب ویسا ہی تھا۔ سراسر، ہر شے  
لے کر عبدالرزاق تک..... مگر آگ تو دل میں بجڑی  
تھی..... خاکستر تو اس کا مان ہوا تھا اور اس سب میں  
قصور کسی کا بھی بنتا نہ تھا۔ عبدالرزاق کا، نہ ان کے ماں  
باپ کا اور نہ ہی اس کا..... یہ برا وقت تھا جو شازیہ  
عبدالرزاق پر آن پڑا تھا لیکن یہ وقت ہی تھا جو ان  
سب پر بھی آن پڑا تھا۔ وہ سب اس وقت کے ہاتھوں  
مجبور ہوئے تھے۔ ان چھ سالوں کے بعد پھر کسی نے  
شازیہ عبدالرزاق کو ہنسنے نہیں دیکھا۔ یہ دکھ..... مار گیا  
تھا اسے اس نے اس دکھ کے ہاتھوں محض مار نہیں کھائی  
تھی..... چار چوٹ کی مار ماری بھی تھی۔ عبدالرزاق  
نے تو جلد ایک آہ ارا سے سہم چکا..... اس نے تو

میں طوفان صرف ولید عبدالرزاق کے لیے نہیں اٹھا  
تھا۔ یہ اس کی ماں کے لیے بھی اٹھا تھا۔ اس حادثے  
نے اسے ماں سے نزدیک اور باپ سے دور کر دیا تھا  
اور ہر چارہ کبھی عبدالرزاق اس کی شخصیت پر اثر انداز  
نہ ہو سکے تھے۔ ان کی ذرا سی بے توجہی نے کیا، کیا  
تھا۔ یہ وقت نے انہیں بڑے بے رحم طریقے سے بتا دیا  
تھا۔ اور یہ تو خود انہیں بھی اندازہ نہیں تھا کہ ایک ماں  
اپنے بچے کو کفر سے کتنا ڈرتی ہے۔ کیا ایک ماں  
اپنے بچے کو کفر سے کتنا ڈرتی ہے؟ ہاں..... وہ کبھی  
کتنی ہے کہ جیسے ولید عبدالرزاق کی ماں نے سکھائی۔  
اس نے اگلے کئی سال صرف ولید عبدالرزاق کو  
بدوان نہیں چڑھایا تھا۔ اس نے ساتھ ساتھ اس کفر  
کو بھی بدوان چڑھایا تھا جو اس کے اپنے بدن میں ابھری  
طرح بہتی تھی۔

”میں نے آج آپ کا بدلہ بابا جیسے لیا ہے۔“  
میں نے انہیں بھی وہیے ہی تکلیف پہنچائی ہے جیسے انہوں  
نے آپ کو پہنچائی تھی۔“ ماں کی قبر پر ہاتھ رکھ کر وہ غم  
آنکھوں سے خاموشی کی زبان میں بات کرتا تھا۔  
”وہ بھی اس تکلیف پر ساری عمر یوں ہی روتے  
ہیں گے کہ جیسے آپ روتی تھیں۔ ساری..... ساری  
رات..... وہ اس تکلیف پر یوں ہی بڑھیں گے جیسے کہ  
آپ بڑھتی رہیں..... ساری عمر.....  
وہ وہی پانچ سال کا بچہ تھا کہ جس کی ماں  
اتنی میں ساری، ساری رات آنسوؤں سے اپنا تکیہ  
لٹکاتی تھی۔ وہ وہی کم عمر بچہ تھا جو اپنی ماں کے سمجھوں  
کا معنی شائد تھا..... اس کے باپ نے عین جوانی میں  
اس کی ماں کی روح کا قتل کیا تھا۔ آج اس نے اپنے  
پکلی روح کو ویسے ہی سر عام بھاسی دے کر..... ماں  
کا بدلہ لیا تھا۔

اس نے اپنی ماں کو باقی کی ساری عمر اس بنا روخ کے بدن کے ساتھ جیتے دیکھا تھا۔ اس کی ماں..... اس

بجائے آئیڈیل کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ وہ ایک متوازن شخصیت کا حامل بچہ تھا۔ ہونہار، لائق، ایک نارمل انسان میں جس قدر خوبیاں یا خامیا ہوتی ہیں، وہ بھی انہی خوبیوں اور خامیوں کا مرقعہ تھا۔ خامی سے پاک کوئی بشر نہیں ہوتا۔ بات تو یہ ہوتی ہے کہ آپ اگر ایک خامی کا خود پر حاوی ہوئے دیں تو وہ برائی بن کر سامنے آتی ہے اور اگر کنٹرول کر کے دبا لیں تو اچھائیاں سامنے آنے لگتی ہیں..... تو پھر فرد ایسا بننا چھایا یا برا طریقہ بناتا ہے۔

پانچ سال تک ولید عبدالرزاق ایک اچھا بچہ  
 ڈیٹاں ہوتا رہا مگر پانچ سال بعد زندگی کی فیری میل  
 جیسی کہانی جیسے یک دم کسی کالے جادو کے زیرِ اثر آئی  
 تھی۔ زندگی نامی پُر سکون جھیل میں ایک بہت بھاری  
 پتھر آن گرا اور اس پتھر کا نام تھا..... بخت  
 عبدالرحمن.....!

وہ آج بھی اس نام کے بارے میں سوچتا تو جسم میں بے والا ہونہ جانے کیوں اپنے لگتا۔ اس کوں سے کالج، کالج سے یونیورسٹی اور یونیورسٹی سے پھر ابراہم..... اس کی کامیابیوں کا شمار نہیں تھا۔ خاندان بھر میں وہ ایک ہونہار، لائق اور ایک منسار، خوش مزاج شخصیت کے طور پر جانا جاتا تھا۔ وہ اپنے گھر سے لے کر خاندان بھر تک سب پر حاوی تھا مگر اتنا کچھ پالنے کے باوجود اس کے دل میں یہ نام..... یہ نام بخت عبدالرحمن اتنے زور کی چٹکی کاٹا کہ وہ بلبلّا اٹھتا تھا۔ اس نے کہاں، کہاں پیچھے نہیں چھوڑا بخت عبدالرحمن کو..... مگر پھر بھی..... پھر بھی اسے وہ سب نہیں بھولتا تھا۔ جو اس نے پانچ سال کی عمر میں ہوتے دیکھا اور سنا۔ اس کے تعلقات آج بھی بخت عبدالرحمن کے ساتھ سرد مہری لیے ہوئے تھے اور عجب بات یہ تھی کہ ایسا بخت کی وجہ سے نہیں تھا۔ ایسا اس شخصیت کی وجہ سے تھا جس نے اس کی ماں کو زک پھانسی بھی۔

”ماں.....!“ جب یاد آتی تھی تو روح چھلنی ہوتی تھی۔ بارہ سال کا عمر، زندگیاں کون کون

ہی راق ہو کر دونوں ہاتھ بالوں میں پھنسائے تھے۔  
 ”یہ ہو کیا رہا ہے؟ ایک آنکھن کا سرا ملتا ہے،  
 دوسری بے وجہ کی، بے نام سی آنکھن اٹھ رہی ہے۔ میں  
 اپنا موازنہ اب ولید عبد الرزاق سے کروں گا؟ وہ بھی  
 اس قسم کا“۔ کوئی حیرت سی حیرت تھی۔  
 ”تو اور کس سے کرو گے میاں..... راک وہ ہی تو  
 ہے جس سے ہر طرح کا، ہر قسم کا موازنہ کیا جاتا رہا اور  
 کیا جاتا ہے گا۔“  
 ”ولید عبد الرزاق.....“ اس نے گہری سانس بھر کر  
 خود کو بالکل ہی ڈھیلا چھوڑ دیا تھا اور اسی نام کی بازگشت  
 اسے ہاضی سے حال میں لاتی تھی۔ بابا کو کسے قہقی دیر  
 ہوئی، وہ فہمیں جاتا تھا۔ اس کا رات باری میں ڈوبا تھا۔ اس  
 نے جلتی آنکھیں موند کر کسی کی بیک سے سر نہ کیا۔ اس  
 کے منہ پر کچھ بڑبڑائے تھے۔  
 ”ولید عبد الرزاق.....“

☆ ☆ ☆ ☆ ☆  
ولید عبدالرزاق.....  
کہانی کا وہ کردار تھا جو کہ کہانی شروع کرنے کا  
باعث بنا۔ ہر بچے کے لیے اس کا گھر ایک جنت ہوتا  
ہے۔ ولید عبدالرزاق کے لیے بھی تھا۔ ولید کے باپ اوزار  
اس کی ماں۔ وہ ان دونوں کی محبت کا بلا شرکت غیرے  
مالک تھا۔ ولید اگلی اولاد تھا۔ سو جی جان سے پیارا  
تھا۔ ماں، باپ کا سب سے چلتا تھا کہ جہاں پاؤں رکھے  
وہاں پھولوں کی بیج بچا دیں۔ زندگی ولید عبدالرزاق  
کے لیے فری نیل تھی۔ وہ کو قاف کا شہزادہ تھا کہ جس  
کی خدمت میں ماں سے لے کر کتیریں تک حاضر  
رہتیں۔ وہ وہی اس ایک بچہ تھا جسے عموں اگلی اولاد میں  
بولتے ہیں۔ سب کچھ ٹھیک ہونے کے باوجود عبدالرزاق  
کے ہاں کوئی دوسری اولاد نہ ہو سکی تو توجہ کامرکز خود بخود  
ولید ہی بنتا چلا گیا۔ اب یہ بھی نہیں تھا کہ اگلی اولاد  
ہے تو اسے لاڈ پیار کے چکر میں لگا کر ہی رکھ دیں سو  
اس کی تربیت پر خصوصی توجہ دی جاتی رہی۔ ان تین  
نفسوں کی زندگی بہت بڑسکون گز رہی تھی۔ پڑسکون کے



## محبت کس سے کی جائے

دنیا سے؟  
 یہ لڑائی ہے  
 چھوٹوں سے؟  
 یہ تو مرجھا جاتے ہیں  
 دولت سے؟  
 یہ تو رشتے توڑ دیتی ہے  
 عروج سے؟  
 یہ تو منہ کے بل گرا پھیلتا ہے  
 خوشی سے؟  
 یہ تو وقتی ہوتی ہے  
 لوگوں سے؟  
 یہ تو بے وفا ہوتے ہیں  
 تو پھر آخر محبت کس سے کی جائے؟  
 اپنے آقا کریم حضرت محمد سے جو اس دن بھی  
 ساتھ نبھائیں گے جب ماں، باپ، بھائی اپنی اولاد کو  
 بھول جائیں گے۔  
 ”تمہارا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوگا  
 جب تک میں تمہیں تمہارے جان، مال اور باپ  
 اور اولاد سے بھی پیارا نہ ہو جاؤں۔“  
 حدیث: رسول مقبول۔ مرسل: نفعی بول، بہارہ کہو  
**نیند کی کمی فشار خون کا سبب**  
 طبی ماہرین نے کہا ہے کہ نیند کی کمی فشار خون کا  
 باعث بن سکتی ہے۔ جس سے عارضہ قلب کے  
 امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ چھین میں طبی ماہرین نے  
 اس ضمن میں جو تجربات کیے ان کے مطابق نیند کی کمی  
 سے دوران خون میں ایک خاص نوعیت کی تیزی آ جاتی  
 ہے، یہ تیزی دراصل نیند پوری نہ کرنے کی وجہ سے  
 تاؤسودہ اعصاب کو سکون دینے کی لیے ہوتی ہے مگر جب  
 اس عمل میں باقاعدگی آ جاتی ہے تو وہ اعصاب نیند پوری  
 ہونے میں بھی خون کی زیادہ طلب کے عادی ہو جاتے  
 ہیں جس سے دل کو زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔  
 مرسل: انشائا ماہر، لبر

مرکز دیکھا۔  
 وہاں..... ڈاکٹر روم کے دروازے پر  
 کھڑی تھی۔ اور حالت تو عبدالرزاق کی بھی ہلکی تھی۔  
 ”ب خیر ہے ہڈی.....؟“ یہ اندازہ لگاتے ہوئے دیا۔  
 اختتامی شاز یہ تو سر سے لے کر پیر تک.....  
 بس اس کا حق.....  
 لہجہ، یہ انداز اس کا حق تھا..... بس اس کا حق.....  
 ”جی..... بات کرنی تھی۔ آپ اگر اوپر  
 آئیں۔“ شاز یہ نے اسے کہتے سنا۔ آنکھیں جھکی ہوئی  
 پر لہجہ مضبوط تھا اور یہی مضبوطی شاز یہ کو بھڑکانے لگی۔  
 ”جو بات کرنی ہے، یہیں کرو۔“ بچن سے نکل  
 کر وہ پھٹکاری تھی اور ہڈی..... اس نے تو جیسے سنا ہی  
 نہیں۔ وہ عبدالرزاق کو دیکھ رہی تھی۔  
 ”بیٹھ جاؤ..... کہو، کیا بات کرنی ہے؟“  
 عبدالرزاق مسئلہ بڑھانا نہیں چاہتے تھے۔  
 ”آپ کھانا کھالیں..... پھر آرام سے اوپر آ کر  
 بات کر لیجے گا۔“  
 ”تمہیں سنائی نہیں دے رہا..... جو بات کرنی  
 ہے، یہیں کرو۔“ اوپر جا کر بات کو کیا انوکھے بولگ  
 جائیں گے..... جو یہاں نہیں ہو سکتی۔“ اتنا تنفر انداز  
 تھا کہ ہڈی کا چہرہ سرخ تو ہوا مگر پھر بھی بے تاثر رہا۔  
 ”آپ آ رہے ہیں اوپر.....؟“ اس نے جس قدر  
 آرام سے پوچھا تھا، عبدالرزاق کا دماغ بھک سے اڑا۔  
 ”جو ادا میں تم نے اوپر جا کر دکھائی ہیں..... وہ  
 یہیں دکھاؤ..... میں معترض نہیں ہوں گی۔“ شاز یہ کا  
 لہجہ سرد مگر چھتا ہوا تھا۔  
 ”عبدالرزاق صاحب! مجھے اسی کے بارے  
 میں بات کرنی ہے کہ جس کے لیے میں نے اور آپ  
 نے اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے..... سو اب آپ اوپر آ سکتے ہیں  
 تو ٹھیک ہے..... نہیں تو میں خود کو اپنی مرضی کرنے پر حق  
 بجانب سمجھوں گی..... پھر میں سمجھوں گی کہ بخت صرف  
 میری ہی فتنہ داری ہے۔“ اس پر تو جیسے شاز یہ کی کھلیا  
 باتوں کا اثر ہی نہیں ہوا تھا۔ وہ اتنے ہی آرام و سکون سے  
 کہ کام تو چاہتا تھا..... عبدالرزاق کی کولہ..... وہ کہہ رہی تھی

کر سکے۔ ان کے گھر کا ماحول اسی طرح کا روایتی ہی تھا  
 کہ جس طرح ایسے کیمز میں ہوتا ہے..... مگر وہ ہلکی تھی  
 جس نے اس چیز کو بخت پر اثر انداز نہ ہونے دیا.....  
 اب چاہے وہ ولید عبدالرزاق ہوتا یا شاز یہ  
 عبدالرزاق.....  
 عبدالرحمن کے بعد اس کی ساری دنیا ایک وجود  
 میں آن سالی تھی۔ عدت کے ماہ گزرے تو کچھ عرصے  
 بعد اس کا نکاح عبدالرزاق سے ہو گیا کہ یہ مصلحت اور  
 ان کے بیٹے بخت کے مستقبل کی وجہ سے ناگزیر تھا۔  
 کیا، کیا باتیں نہیں سنی..... کس کس طرح کے  
 الزام نہیں ہے اس نے..... اتنا اور خود داری کو کسی  
 طوائف کی طرح بچا اس نے..... صرف اور صرف بخت  
 کے بخت کے لیے۔ وہ اس قدر مضبوط تھی اپنے  
 ارادوں میں کہ شاز یہ عبدالرزاق سے لے کر  
 عبدالرزاق تک..... کوئی بھی اس پر اثر انداز ہونے  
 میں ناکام رہا تھا۔  
 یہ ان دنوں کی بات ہے جب بخت اسکول  
 جانے کے قابل ہوا تھا۔ اسے بخت کا ایڈمشن کروانا تھا  
 اور عبدالرزاق تو مہینوں اوپر نہیں جھانکا کرتے تھے۔ یہ  
 شاز یہ عبدالرزاق کی شرط تھی اس نکاح کے لیے کہ وہ  
 ہڈی سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے۔ ایک طرف ماں،  
 باپ کا اصرار..... دوسری طرف بیوی کا پریش..... بچ  
 کی راہ انہیں یہی نظر آئی کہ شاز یہ کی بات مان لی  
 جائے۔ سو پچھلے تین سالوں سے وہ ”شرط“ کا پتلا  
 بھگت رہے تھے۔ ہڈی نے مہینے کی پہلی تاریخ کا انتظار  
 کیا مگر جب یہ کو بھی ”خرچہ“ بخت کی دادی کے ذریعے  
 آیا تو اسے فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگی۔ اس نے دوپٹا  
 اٹھایا، اپنے گرد لپیٹا..... چپل اڑی اور دھڑ دھڑ کرتے  
 نیچے جا پہنچی..... یہ کھانے کا وقت تھا۔ ڈاکٹر کی ٹیبل پر  
 کھانا چنا جا رہا تھا۔ ولید اور عبدالرزاق ٹیبل پر موجود تھے  
 جبکہ شاز یہ بچن میں تھی کہ جیسی ان لوگوں نے وہ آواز سنی۔  
 ”السلام علیکم.....!“ اور مارے حیرت کے اس  
 کے ہاتھ سے روٹی نکلنے جا رہی تھی۔ اس نے شاز یہ کو

عبدالرزاق کو تاحیات آزار پہنچانے کا بندوبست کیا  
 تھا۔ وہ ساری نفرت جو اس کے دل میں تھی، اس نے وہ  
 ساری کی ساری نفرت اپنے بیٹے ولید عبدالرزاق میں  
 اٹھائی تھی۔ اس ہنستے ہنستے گھر کی ملکہ نے بھی خواب  
 میں بھی نہیں سوچا تھا کہ عبدالرزاق بھی اس پر سوتن بھی  
 لاسکتے ہیں..... اور سوتن بھی وہ کہ جسے وہ خود اپنے  
 ہاتھوں سے پیادہ کر لائی تھی..... اپنے دوسرے نمبر والے  
 دیور کے لیے..... کہا تھا تاں یہ وقت تھا جو کہ شاز یہ  
 عبدالرزاق پر آن چڑھا اور یہ وقت ہی تھا کہ جو ہڈی  
 عبدالرحمن پر قہر بن کر ٹوٹا تھا۔

☆☆☆

ہڈی عبدالرحمن.....  
 عبدالرحمن کی بیوہ..... بخت کی ماں..... بخت نے  
 بھی عجب بخت پایا تھا کہ جس دن پیدا ہوا، عین اسی دن  
 باپ اس دنیا سے چلا گیا..... ادھر بخت نے دنیا میں  
 آنکھیں کھولیں..... اور عبدالرحمن بارشوں کی وجہ سے  
 کعبے میں آنے والے کرت لگنے سے جاں بحق ہو گئے۔  
 یہ کیا حادثہ..... کیا سانحہ تھا..... ہڈی کو تو صبر کرنے کی  
 تلقین کرنا بھی ایک مذاق لگتا..... اور وہ تو مولود..... آہ!  
 اس کا باپ اسے اپنے سینے کی گرمی، مزاج کی شفقت نہ  
 بخش سکا اور باپ اس کے ننھے، ننھے ہاتھوں کو آنکھوں  
 سے لگا کر باپ ہونے کا احساس بھی نہ پاسکا۔

اس عورت نے ہمیشہ اپنی زندگی میں بہت عجیب  
 فیصلے کیے اور پھر ان فیصلوں پر ڈٹی رہی۔ اس نے بخت  
 کی خاطر خود کو بھی دوبارہ ماں کے عہد سے پر فائز نہ  
 ہونے دیا حالانکہ عبدالرزاق چاہتے تھے..... مگر وہ نہیں  
 مانی۔ اسے بخت کی پرورش کرنی تھی۔ پیدا ہوتے ہی وہ  
 زندگی کی چٹائی پر پڑی اور کی کا شکار ہوا تھا۔ وہ اس  
 کی وعظی کو اس کی ذات یا کردار کا حصہ نہیں بننے  
 دے سکتی تھی۔ وہ بخت کو ایک احساس محرومی کا مارا ہوا  
 بچہ نہیں بنانا چاہتی تھی..... وہ اسے مضبوط بنانا چاہتی تھی  
 تاکہ آئندہ آنے والی زندگی میں درجنوں مشکلات کا  
 مقابلہ وہ ایک میچور، سلیکے اور ایک کمزور انسان کی طرح  
 نہ کرے۔



”آپ اور نہیں جائیں گے۔“ اس نے شازیہ  
عبدالرزاق کو کہتے سنا۔

ہدیٰ عبدالرزاق کوئی سستی ساداری نہیں تھی جو وقت و حالات کی مار کھا کر اپنے بیٹے کے لیے ایک مجبور زندگی کا انتخاب کرتی۔ وہ پاشخور عورت تھی جو ہر جائز گُر آزما جانتی تھی۔ چھرستان پر عبدالرزاق نے یہ بھی دیکھا کہ عبدالرزاق ادبیری منزل کی بیڑھیاں چل رہے ہیں۔

ابوجدو اس کے دوایا جانے کے ان کے قدم ان بیڑھوں کی جانب اٹھ گئے تھے۔ وہ تو جیسے سانپے میں گھس گئی۔ کھڑے قد کے ساتھ وہ صوفے پر گر گئی۔

ماما!.....“ اسے روتا دیکھ کر ولید اس کے پاس آیا تھا۔ وہ پریشان تھا۔ ”آپ کیوں رو رہی ہیں ماما؟“

”تمہارے باپ نے زنا کیا ہے۔“

مارڈالا اس نے مجھے.....“ وہ ولیہ کو دونوں ہاتھوں میں  
بھر کر پھوٹ، پھوٹ کر روتی تھی۔  
”میرے بابا گندے کو نہیں دیں۔“ ولیہ حیرانی  
سے پوچھتا تھا۔  
”نہیں..... وہ ہیں گندے..... بہت گندے  
ہیں۔“ اور اس کی ماں روتی جاتی تھی۔  
☆☆☆

”کیوں پوچھ رہے ہو؟“  
 ”وہ.....“ بخت ہنسی لگایا۔  
 ”کھل کر پوچھو بخت.....!“ وہ اس کے ماتھے پر  
 بے باال سنوارتے ہوئے بولی۔  
 ”وہ، ولید کہتا ہے..... بابا میرے بابا نہیں ہے۔  
 ارے قادر نیم میں عبدالرزاق نہیں کھاتا۔“ اور بھٹی  
 لگ جانی تھی کہ ولید بات ولید ہی اس سے کہہ سکتا تھا۔

”کیوں؟ اسے بتانا چاہیے تھا ناں۔“  
”میں نے پوچھا نہیں.....“  
”آپ کو کبھی پوچھنا چاہیے تھا۔ اور محنت ماں کا  
کیسے لگا۔ ایک سات، ساڑھے سات سال کا بچہ  
سات بات کے جواب میں کہتا کہ۔“

اس سے اچھی طرح آگیا تھی۔ مری نے ہونٹ بھیجنے..... اس کے دل پر ہاتھ بھی مارا۔ مگر نہیں..... اسے بخت کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کرنا تھا۔ وہ انھی..... اور جب واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک تصویر تھی۔ یہ عبدالرحمن ہیں۔ یہ تمہارے بابا ہیں۔“ اس نے بخت کو وہ تصویر دکھائی۔ بخت نے شاک کے عالم میں بخت کو وہ تصویر دیکھا تھا۔

پیش ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہت پیار کرتے ہیں۔ اتنا پیار کرتے ہیں کہ انہیں دو، دو بابا دیتے ہیں۔ آپ کے پہلے بابا جلدی اللہ کے پاس چلے ہیں۔ تو بخت تو بہت انہیں تھا نا، اللہ تعالیٰ کے لیے تو اللہ نے بخت کو ایک اور بابا دے دیے۔ وہ بابا آپ کے بابا بھی ہیں اور تایا بھی۔ وہ اسے

”کیا آپ کو لگا کہ وہ آپ کے بابا نہیں ہیں؟“  
اور بخت نے زور شور سے نفی میں سر ہلایا۔  
”تو بس ولید کے کہنے سے کیا ہوتا ہے..... جس  
بابا نے یہ بات کہی ناں کہ وہ تمہارے نہیں، صرف  
کے ماہا ہیں..... اس دن سمجھ لینا بخت..... کہ وہ واقعی

**میرا بخت**

شازدہ کو جو ساس، سرسکا لحاظ تھا، وہ جاتا رہا تھا..... وہ اب کھل کر اور جم کر کھیلتی تھی..... اور ہڈی کے پاس ایک ہی ہتھیار تھا..... صبر۔

”میں اس عورت کے ساتھ نہیں بیٹھوں گا۔“ وہ اس قدر بدتمیزی سے بولا کہ ہدیٰ ششدر رہ گئی اور عبدالرزاق کا منہ سرخ ہوا۔

”پلیز عبدالرزاق..... آپ ان کو لے جائیے..... پلیز!“ ہڈی نے آگے بڑھ کر معاملہ بگڑنے سے روکا تھا اور اس بات پر شازیہ کا مومڑ بگڑا تھا۔

”بیٹھو جنت!“ کچھ سوچ کر انہوں نے جنت سے کہا اور ہڈی واپس مڑ گئی۔

”جتنا کہا ہے، اتنا ہی سنا کرو..... آگے سے  
 رونے کی ضرورت نہیں۔“ ہاتھ اٹھا کر سر دلچے میں اسے  
 رونے سے منع کرتے ہوئے وہ گاڑی میں بیٹھتے تھے۔



گاڑی زن سے گٹ سے لگی تھی۔ وہ واقعی اسے دوبارہ آکر لے گئے تھے۔..... لظاہر سب ٹھیک ہو گیا تھا مگر اس سب میں غلط اس وقت ہوا جب انہوں نے واپسی پر اندر جاتے ولید کو روک کر اپنے پاس بلایا تھا۔ اس نے رک کر ماں کو دیکھا۔ ماں کے اشارہ کرنے پر وہ باپ کے پاس آیا تھا۔

”آؤ۔“ وہ اسے ساتھ لے کر لان میں آگئے۔  
”بیٹو۔“ پھر کرسی کھینچ کر وہ بھی اس کے سامنے بیٹھے تھے۔

”آج کے واقعے سے مجھ پر دو بچوں کی..... دو ماؤں کے کردار مکمل کر جانے آئے۔..... بخت تم سے چھوٹا ہے۔ اس نے تو یہ نہیں کہا کہ وہ شازیہ کے ساتھ نہیں بیٹھے گا۔“

”گاڑی اس کے باپ کی نہیں تھی جو وہ یہ کہتا۔“ وہ ایک بار پھر بڑبڑا تھا۔ عبدالرزاق اس کے شفر بھرے لہجے پر کن ہو کر رہ گئے۔

”گاڑی اس کے باپ کی تھی ولید! وہ بولے تو لہجہ پر سکون مگر قطعیت لیے ہوئے تھا۔

”آپ صرف میرے بابا ہیں..... بخت کے گارجین ہیں آپ، بس۔“

”نہیں..... میں اس کا باپ بھی ہوں۔“  
”کہنے سے کیا ہوتا ہے..... ولیدیت کے خانے میں تو آپ کا نام نہیں آتا نا۔“ وہ جیسے ہنسا تھا ان پر..... انہوں نے بہت مشکل سے ضبط کیا۔

”تم ہڈی کو ماں نہیں سمجھتے..... ٹھیک ہے..... تمہاری مجبوری مگر جس طرح کی بدتمیزی آج تم نے ہڈی سے کی۔..... بھی بخت کو اپنی ماں سے کرتے دیکھا ہے؟“

”وہ کر کے تو دکھائے..... میں منہ نہ توڑاؤ لوں اس کا۔“

”اسے کہتے ہیں تربیت اور اس کا فرق..... تمہارا منہ تو نے کا دل تو بخت کا بھی بہت کیا ہوگا..... مگر وہ کیا ہے ناں کہ تربیت آؤںے آجاتی ہے جو تمہاری ماں

دیکھ کر ہلکا ہوا۔

”اسے کہتے ہیں تربیت اور اس کا فرق..... تمہارا منہ تو نے کا دل تو بخت کا بھی بہت کیا ہوگا..... مگر وہ کیا ہے ناں کہ تربیت آؤںے آجاتی ہے جو تمہاری ماں

دیکھ کر ہلکا ہوا۔

شازیہ کو تمہاری کرنی چاہیے تھے مگر انفسوں ایک عورت کی نفرت میں وہ اس قدر آگے بڑھ گئی کہ اپنی اولاد کو بھی کھا گئی۔“ وہ انفسوں سے لڑی میں بھلا رہے تھے۔  
”بخت کو کبھی غور سے دیکھا ہے؟ وہ کیا ہے؟ کس قدر مضبوط ہے اس میں اور تم..... تم بڑے بھائی ہو اس کے۔ اپنا رویہ اور انداز دیکھو ذرا۔“  
”نہیں ہے وہ میرا بھائی وائی.....“ وہ مشتعل ہوا تھا۔ اٹھ کر جانے لگا تو عبدالرزاق نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے دوبارہ کرسی پر بٹھایا تھا۔

”بخت یتیم ضرور ہے ولید..... مگر لاوارث نہیں ہے۔ وہ اس گھر، بڑس اور جائداد میں تمہارے ساتھ برابر کا شریک ہے اور یاد رکھنا یہ حق میں نہیں، اس کے دادا اسے دے کر گئے ہیں۔ وہ اپنے باپ کے حصے کا وارث ہے۔ یہ یاد رکھنا اور آئندہ اسے کبھی تھرڈ پرسن یا مجبور سمجھ کر ٹریٹ مت کرنا۔ اب تم جاسکتے ہو۔“

عبدالرزاق نے تو اپنے تئیں اسے سمجھانا چاہا تھا مگر وہ جو نفرت کا زہر تھا..... جو اس کے اندر اس کی ماں نے اتارا تھا..... وہ اتنا شدید تھا کہ ”سمجھ“ کے ہر دروازے پر عمر بھر کے لیے قفل لگا چھوڑا تھا۔

☆☆☆

اس نے شازیہ سے کبھی نفرت نہیں کی۔ اس نے ہمیشہ شازیہ کو اس کے بڑاؤ میں حق بجانب سمجھا تھا..... مگر اس دن..... اس دن ہڈی عبدالرزاق کا جی چاہا کہ وہ اس عورت کا گلا دبا دے یا پھر اس گھر، اس زندگی سے کہیں دور بھاگ جائے۔

وہ کئی دنوں سے بخت کو دیکھ رہی تھی۔ وہ پریشان تھا۔ وہ اس سے ٹھیک طرح سے بات نہیں کر رہا تھا اور اس سے کھینچا، کھینچا تھا..... مگر کیوں؟ ان دونوں ماں بیٹے میں تکلف جیسی چیز نام کو بھی نہیں تھی تو پھر کیا شے تھی جو بخت کا منہ سے جاری تھی۔

”بخت!“

”جی۔“

”کہا بات۔“

”سچ نہیں امی!“ اور امی نے گہری سانس لی۔  
”کچھ بات خطرات کی تھی جو اس سے چھپائی جا رہی تھی۔ کیا تم اچھی طرح جانتے ہو کہ بات ہے..... کیا ہے؟ تم ہی بتاؤ گے تو ذرا شرب نہیں روکے اور اگر نہیں جانتے تو پھر نتائج کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہ کرنا۔“  
وہ بارہ سال کا بچہ..... واقعی اس بات کو سہار نہیں سکتا تھا۔

”وہ ولید کہتا ہے کہ آپ اچھی عورت نہیں ہیں۔“  
”اچھا، پھر.....؟“

”پھر کیا؟ امی.....! اس نے یہ بات میرے..... بخت کا لہجہ تپا ہوا تھا۔

سارے دوستوں کو بتا دی ہے۔“ بخت کا لہجہ تپا ہوا تھا۔  
”ہڈی چکی۔“

”کون سی بات؟“  
”میری کہ..... یہی کہ.....“

”یہی کہ کیا؟“  
”کہ آپ نے بابا سے خود کہہ کر نکاح کیا تھا تو آپ اچھی عورت نہیں ہیں۔“

یہ بات ہڈی کے اندر کسی بھالے کی طرح اتری اور اسے سر سے لے کر تھک چیر گئی..... چند ثانیے وہ سفید رگت کے ساتھ جوں کی توں بیٹھی رہی..... بخت کی تیز، کھوجتی نظروں کو کھینچتی رہی۔ ولید کو یہ بات کس نے بتائی تھی، اسے چنداں تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

عبدالرحمن کے بعد آج پھر اس نے اپنے کچی، کچی وجود کو اسی طرح جمع کیا تھا جیسے اس کی وفات کے وقت کیا تھا۔

”بخت!“ اس نے بیٹے کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے۔

”ہاں! تمہارے بابا کو نکاح کا میں نے خود بولا تھا۔ خود پیغام دیا تھا..... مگر جانتے ہو کیوں؟“

”کیوں امی؟“ بخت کی آنکھوں سے آنسو بہل کر ماں کے ہاتھوں پر گرے تھے..... تو اس کی

”ہاں! تمہارے بابا کو نکاح کا میں نے خود بولا تھا۔ خود پیغام دیا تھا..... مگر جانتے ہو کیوں؟“

”کیوں امی؟“ بخت کی آنکھوں سے آنسو بہل کر ماں کے ہاتھوں پر گرے تھے..... تو اس کی

”ہاں! تمہارے بابا کو نکاح کا میں نے خود بولا تھا۔ خود پیغام دیا تھا..... مگر جانتے ہو کیوں؟“

”کیوں امی؟“ بخت کی آنکھوں سے آنسو بہل کر ماں کے ہاتھوں پر گرے تھے..... تو اس کی

میرا بخت

”تمہارے لیے..... صرف اور صرف تمہارے مستقبل کے لیے۔ تمہارا اس گھر، جائداد اور اس بڑس میں برابر کا حصہ ہے۔ میری کسی اور سے شادی کروادی جانی..... تمہیں میں اپنے ساتھ رکھ کر تمہیں تمہارے جائز حق سے دور کر کے ایک مجبوری کی یا کمپور وائزڈ زندگی نہیں دینا چاہتی تھی اور اگر تمہیں یہاں دو دھیال میں چھوڑ دیتی تو ماں کی طرح کون پالتا؟ تم یتیم ہوئے تھے..... تمہیں میں مجبور و مسکین بنانا چاہتی تھی۔

میرے ماں باپ مجھ پر شادی کا برسر ڈالتے..... میں کب تک اُن کے سامنے کھڑی رہ سکتی تھی..... تمہارے دو دھیال والے میری شادی کے بعد تمہیں مجھ سے لے لیتے..... بخت! میں کیسے تمہارے پتا جیتی؟ کیسے؟

تم میرا بخت تھے..... اور تمہارے بخت کے لیے میں نے اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا..... ہاں، میں نے خود تمہارے تایا کو نکاح کا پیغام دیا تھا..... زندگی خود تمہیں بتائے گی کہ تمہاری ماں نے غلط کیا یا صحیح..... اور وہ بخت کو سینے میں چھپا کر رو پڑی۔

تو زمانے نے اسے اپنے بچے کے لیے اٹھائے گئے ایک جائز قدم کے لیے بھی نہیں بخشا تھا اور اس رات..... اس نے ایک بار پھر اپنی روح کو پتھر تلے رکھ کر ایک فیصلہ کیا تھا۔

اس نے بخت کو بورڈنگ بھجوانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اسے خود سے دور کر دینے کا فیصلہ کیا اور اس ایک فیصلے کے بعد وہ زیادہ دیر جی نہیں سکی تھی۔

بخت میٹرک میں تھا کہ جب ہڈی نے اس دنیا کو خیر باد کہا تھا۔

☆☆☆

بخت عبدالرحمن!

ماں کے مرنے کے بعد اس نے چھٹیوں میں ایک بار گھر آنے کی غلطی کی تھی۔ حقیقت کے نام پر جتنے حجام اس کی ماں نے اسے پلائے تھے..... تو یہ طے ہوا..... اب کے حلق سے نیچے اترنے والا جام..... ان

ماں کے مرنے کے بعد اس نے چھٹیوں میں ایک بار گھر آنے کی غلطی کی تھی۔ حقیقت کے نام پر جتنے حجام اس کی ماں نے اسے پلائے تھے..... تو یہ طے ہوا..... اب کے حلق سے نیچے اترنے والا جام..... ان

ماں کے مرنے کے بعد اس نے چھٹیوں میں ایک بار گھر آنے کی غلطی کی تھی۔ حقیقت کے نام پر جتنے حجام اس کی ماں نے اسے پلائے تھے..... تو یہ طے ہوا..... اب کے حلق سے نیچے اترنے والا جام..... ان

ماں کے مرنے کے بعد اس نے چھٹیوں میں ایک بار گھر آنے کی غلطی کی تھی۔ حقیقت کے نام پر جتنے حجام اس کی ماں نے اسے پلائے تھے..... تو یہ طے ہوا..... اب کے حلق سے نیچے اترنے والا جام..... ان

ماں کے مرنے کے بعد اس نے چھٹیوں میں ایک بار گھر آنے کی غلطی کی تھی۔ حقیقت کے نام پر جتنے حجام اس کی ماں نے اسے پلائے تھے..... تو یہ طے ہوا..... اب کے حلق سے نیچے اترنے والا جام..... ان

ماں کے مرنے کے بعد اس نے چھٹیوں میں ایک بار گھر آنے کی غلطی کی تھی۔ حقیقت کے نام پر جتنے حجام اس کی ماں نے اسے پلائے تھے..... تو یہ طے ہوا..... اب کے حلق سے نیچے اترنے والا جام..... ان

ماں کے مرنے کے بعد اس نے چھٹیوں میں ایک بار گھر آنے کی غلطی کی تھی۔ حقیقت کے نام پر جتنے حجام اس کی ماں نے اسے پلائے تھے..... تو یہ طے ہوا..... اب کے حلق سے نیچے اترنے والا جام..... ان



اے اپنے ہی گھر میں کھانا نہیں ملا تھا اور وہ انتا خیران ہوا..... اتنا کہ شک سے پورا ایک دن کمرے میں بند رہا..... عبدالرزاق کے پوچھنے پر انہیں یہی بتایا گیا کہ وہ خود نیچے نہیں آیا..... جب وہ اسے دیکھنے آئے تو..... ”بابا! کیا اس وقت مری کوئی گاڑی جانی ہوگی؟“ اور اس کی حالت سے زیادہ اس کے سوال نے انہیں جھٹکا دیا تھا۔

شروعات مارگلہ کی پہاڑیوں پر ہائلنگ سے ہوئی اور پھر  
تو جیسے یہ شوق اس کے منہ کو لگ گیا تھا۔ کراٹ سے  
لے کر فیری میڈ ورننگ کہاں، کہاں کی خاک نہیں چھانی  
تھی اس نے..... پیسہ اس کا سہل نہیں تھا۔ عبدالرزاق  
اس کے اکاؤنٹ میں معقول رقم ٹرانسفر کر دیا کرتے  
تھے اور وہ..... وہ ان میں سے بھی بچتا رہتا..... اپنے  
اسی ایک شوق کے لیے۔

لے کر خاندان تک میں ایک سرومہر شخصیت کے طور پر  
 جانا جاتا..... جس سے آپ ایک کے بعد دوسری بابت  
 نہیں کر سکتے تھے۔ اسے رشتے اس طرح سے میسر نہیں  
 آتے تھے کہ جس طرح کسی بھی عام بچے کو میسر آتے  
 ہیں اور یہاں بدلی بھی مار کھا گئی..... وہ اس کی ذات  
 کے اس خلا کو پُر نہیں کر پاتی تھی۔ اور عبدالرزاق چاہ کر  
 بھی اس کی دودھ نہ کر سکے..... اور بخت وہ اس خلا کو پُر  
 کرنا ہی نہیں چاہتا تھا..... ٹھیک ہے اس زندگی میں  
 سب کو سب کچھ تو نہیں ملا..... اور جو بھی نہیں  
 ملا..... اسے اس پر صبر کرنا اور اس شے یا رشتے کے بغیر  
 چنا سکا دیا گیا تھا تو اب اگر اس کی زندگی میں کچھ  
 "نہیں" تھا تو it's ok..... وہ اس "نہیں" کے  
 ساتھ بہت آرام سے زندگی گزار سکتا تھا۔ یہ "نہ ہونا"  
 اس کو تنگ نہیں کرتا تھا بلکہ یوں کہتا چاہیے کہ سخت عبدالرحمن  
 نے کسی بھی شے کو یا رشتے کو یہ اجازت ہی کہ  
 دی تھی کہ وہ اسے تنگ کر سکے، تکلیف پہنچا سکے..... اس  
 درد کے لیے اس کے ہاں ہمیشہ ایک ہی جملہ تھا۔  
 who the hell are you

اس "I am sorry at your loss"

## میرا بخت

”یونیورسٹی کیسے جا رہی ہے؟“



”ٹھیک جا رہی ہے۔“  
”تمہارا لاهور جانے کا فیصلہ مجھے پسند نہیں آیا جنت..... یہاں اسلام آباد میں بھی تو ایک سے بڑھ کر ایک یونیورسٹی تھی۔“  
”آپ جانتے تو ہیں UET لاهور زیادہ اچھی ہے۔“  
”ہاں، جنہیں ہر دوسرا شہر اسلام آباد سے زیادہ اچھا لگے گا..... میں جانتا ہوں۔“  
اور اس بات پر وہ ایک دم چپ ہو گیا۔ وہ دونوں ہی اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ فیصلہ کیوں کیا گیا تھا..... وہ یہاں اس گھر میں رہنا نہیں چاہتا تھا۔  
”کب تک روکے گا؟“  
”دونوں دن تک تو ہوں۔“

پھر سے بری طرح الجھاتا۔

میں پھلائی جانے والی باتوں کا نتیجہ تھا۔  
یہ دوسرا نقصان تھا جو ان ماں، بیٹے نے اسے  
پہلا یقیناً اس کی اپنی ماں سے دوری  
پہلا تھا..... بورڈنگ جانا پڑا تھا..... انہی ماں،  
نہی..... جب اسے بورڈنگ جانا پڑا تھا..... انہی ماں،  
بیٹے کی وجہ سے.....

## میرا بخت



## خوب صورت بات

کچھ باتیں نہ بھی جانی ہیں نہ سنی جاتی اور نہ ہی لکھی جاتی ہیں بس محسوس کی جاتی ہیں اور ضروری نہیں کہ..... جو آپ محسوس کر رہے ہیں دوسرا بھی وہ ہی محسوس کرے..... کیونکہ پاؤں تلے چلے جانے کا دکھ ہری اور سوکھی گھاس کے لیے مختلف ہوتا ہے۔

رشتے مان ہوتے ہیں یہ ذرا سی مٹھاس پا کے ہی جی اٹھتے ہیں۔ تو ذرا سی کڑواہٹ سے مڑ جھکا بھی جاتے ہیں۔ انسان کوئی، کوئی ہی ہوگا جو کھانے کا بھوکا ہو۔ ہاں مان کا بھوکا ہر کوئی ہوتا ہے۔ چند قدم کی دوری پہ کھڑے کو اگر آپ سواری ہونے کے باوجود نظر انداز کر جاتے ہیں اور وقت اور پیسہ ہونے کے باوجود پیغام اپنی آواز میں نہیں دے سکتے تو..... کیسے توقع رکھ سکتے ہیں کہ رشتوں کے شجر اپنی جڑوں پہ سلامت رہیں گے..... پچھلے سال کی ابتدا میں یہ بات شاید کسی ٹوٹے رشتے کو جوڑنے کا سبب بن جائے۔ جزاک اللہ تعالیٰ

مرسلہ: حدیث اختر، حاصل پور

انہوں نے نرمی سے پوچھا۔

”بابا! آپ نے میری بریلنگ نیوز کا تو پوچھا ہی نہیں.....؟“ وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا..... وہ بات اڑانے کا کس قدر ماہر تھا..... انہیں اچھی طرح اندازہ ہوا تھا۔

”جنت.....“ انہوں نے اس کی کلائی پکڑ کر دیا۔ ”ہر بات سے کئی مت کترایا کرو..... کچھ بعید کھولنے کے لیے بھی ہوتے ہیں۔“ وہ برہم ہوئے، وہ چند لمحے جوتے کی نوک سے زمین کھر جتا رہا۔ ”سوال یہ نہیں بنتا..... کہ میری کوئی intention ہے یا نہیں..... سوال یہ ہے کہ دوسرے خرق کی رائے کیا ہے..... خیال کیا ہے..... میرے لیے وہ اہم ہے.....“

☆ ☆ ☆  
”رہنے والی تھی۔“  
اور پھر جس وقت ولید MS کر رہا تھا..... جنت نے اس ڈرسٹ اپنی کے ساتھ پارٹنرشپ کر لی کہ جس میں وہ ملازم تھا..... اور جب ولید اسکا رشتہ پر باہر آیا تو اس کی پارٹنرشپ ratio کی 70-30 پر آچکی تھی۔ وہ یہ ہی خوشی 50-50 سے گھرا آیا تھا۔  
”میرے پاس آپ کے لیے ایک نیوز ہے.....“  
”رات کے کھانے کے بعد جب وہ اور بابا جہاں مل گئے تھے تب اس نے کہا۔“  
”میرے پاس بھی ایک عدد نیوز تو ہے..... پر کیا پہنچنا چاہیے؟ تمہاری نیوز یا میرا خبر نامہ.....“  
”اور وہ زور سے ہنس دیا۔“  
”چلیں پہلے آپ اپنا خبر نامہ سناویں.....“  
”ولید کا رشتہ طے کر رہا ہوں میں..... باہر جانے سے پہلے اس کا نکاح کرنا چاہ رہا ہوں میں.....“  
”جس کے ساتھ، کون ہے؟“ اس نے بے ساختہ پوچھا۔

”ادا.....“  
اس کے قدم بے ساختہ رک سے گئے..... وہ ایک دم بہت خاموش ہوا تھا۔  
”جنت.....“ جانے یہ خاموشی کیسی تھی..... کچھ ٹھنک کر رہی ہوئی شاید..... یا پھر انہیں سمجھنے میں کمی ہو رہی تھی۔  
”ادا کی مرضی سے ہو رہا ہے یہ رشتہ.....؟“ وہ بار بار آواز باہل ہوا تھی۔  
”ہاں..... دونوں کا ایک دوسرے کی طرف دھان دیکھتے ہوئے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے.....“  
”ہاں تم ملگیا سا اندھیرا تھا اور اس اندھیرے میں وہ ان کے چہرے کا تناؤ محسوس کر سکتے تھے..... اس کے لہجہ کر کے جسے کوئی بات انہیں سمجھا ہی تھی۔“  
”جنت تمہارا کوئی intention تھی.....؟“

”سرمایہ کہاں سے لاؤ گے اس سب کے لیے؟“  
وہ اب پوچھ رہے تھے۔  
”لگتا ہے آپ نے میرے اکاؤنٹ کی اسٹینڈ چیک نہیں کی۔“ وہ مسکرایا۔  
”کچھ سیونگزر ہیں، کچھ آپ سے ادھار لوں گا.....“  
”ادھار کیوں؟“ انہیں برا لگا۔  
”اچھا یہ بحث پھر سنی.....“ اس نے دونوں ہاتھ اٹھائے۔  
”جار ہا ہوں.....“  
اور انہوں نے دونوں بازو پھیلا دیے۔ وہ ان کے سینے سے جا لگا۔  
”یہ سینہ، اس کی گرمی، اس گرمی میں چھپی شفقت، محبت، رشقتوں کے نام پر پورا خاندان ہونے کے باوجود اسے صرف یہ رشتہ میسر تھا۔ اس کا اکلوتا، عزیز رشتہ.....“ اس نے جوش سے بابا کو سمجھایا تھا۔

☆ ☆ ☆  
وہ اب بابا کی وجہ سے وقتاً فوقتاً گھرا رہا تھا۔ ان دو مردوں کے لیے، گھر سنبھالنے کے لیے ایک عورت چاہیے تھی۔ عبدالرزاق اب تنہا زندگی سے ولید کی شادی کا سوچ رہے تھے۔ گھر کے کاموں کے لیے ملازمین کا بندوبست تو تھا مگر کچھ بھی گھرایے تھوڑی ناں چلتے ہیں۔ جب کوئی کام چھوڑ کر چلا جاتا تو مصیبت آ جاتی وہ بھی ایسے ہی دن تھے..... وہ ویک اینڈ پر گھر آیا ہوا تھا اور بابا نے اسے ادا کے ساتھ بھیج دیا تھا..... اور ادا..... وہ حقیقت میں اس کے روتے کو سمجھ نہیں سکتی تھی..... وہ جنت کی جانب سے اس بے تکلفی کی توقع مرکبھی نہ کرتی۔  
”تو پھر.....؟“ وہ بری طرح سے ابھگی۔  
”میں موبی سنا آؤی ہے.....“  
اس نے واقعی ہی دفع کر دیا..... پر نہیں جانتی تھی کہ اس کے دفع کرنے سے کچھ حاصل نہ تھا..... وہ کسی کے نوٹس میں تھی..... کسی کے دھیان میں آگئی تھی۔ اور وہ اس بات سے قطعاً..... بے خبر تھی کہ کیا کیا کیا

کو ڈسٹ کر دیتا ہے..... پر یہ تو ہوتا رہے گا مجھے اپنا برنس بیٹھ کر لے۔ اسی لیے تو بی بی اے میں ایڈمیشن لیا تھا..... بلوی میں یہ کر سکتا ہوں..... چلیں ولید کی طرح بہت اچھے گریڈز نہ بھی..... اور مجھے یہ چاہیے بھی نہیں..... جنتی میرے کام کے لیے تعلیم ضروری ہے بابا اتنا میں پڑھ رہا ہوں..... سو پیڑ، مجھے کرنے دیں..... مجھے روکیں مت..... آپ دیکھیے گا جس عمر میں مجھے اپنی تعلیم مکمل کرتے ہیں..... اس عمر میں آپ کو اپنی کپنی بنا کر دکھاؤں گا..... چاہے وہ چھوٹے اسکیل پر کام کرے..... مگر میں بنا کر دکھاؤں گا.....“  
اور وہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گئے..... وہ کہنا چاہتے تھے کہ ”تم اپنی عمر سے زیادہ بچھڑ کیوں ہو؟ تم اتنا بڑا، بڑا کیوں سوچتے ہو..... تم باقی بچوں کی طرح سب کچھ کیسے باپ پر لا دے گا آزاد کیوں نہیں ہو جاتے..... بے فکرے تو جوان کیوں نہیں بن جاتے؟ تمہیں کس نے یہ سکھایا کہ تمہیں اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہے..... تمہیں کس نے یہ سکھایا کہ جنت..... کہ تم زندگی کو عام بچے کی طرح ٹریٹ نہیں کر سکتے.....“ ایک دکھ سا ان کے اندر گھلا تھا۔  
”ہاں..... وہ زندگی کو عام بچے کی طرح ٹریٹ نہیں کر سکتا تھا..... اسے یہ کرنے نہیں دیا گیا تھا.....“  
”آپ کیوں دگی ہو رہے ہیں..... آپ کو تو میرے ڈرن، میری سوچ پر خوش ہونا چاہیے تھا.....“  
ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر وہ نرمی سے بولا۔  
عبدالرزاق نے سر اٹھا کر دیکھا..... ان چمکتی ذہین آنکھوں کو دیکھا اور چوم لیا۔  
”مجھے تم پر فخر ہوگا جنت..... میں جانتا ہوں..... انہوں نے یہ کہہ کر تمہاری ماں یہ سب دیکھنے کے لیے نہیں ہے..... وہ کہ جس نے تمہیں یہ سب سکھول کر پلایا ہے۔“  
ماں کے نام پر تکلیف اس کے پورے بدن پر اتری تھی..... پر وہ اس تکلیف کے ساتھ بھی جینے کا عادی تھا..... سو مگر ادا.....



”اس کا رجحان ولید کی طرف ہے بخت!“

”اسی لیے میں آپ کو اپنی بریلنگ نیوز سنانے پر ای طرح تلاطمیٹھا ہوا تھا کہ جس طرح سے نیوز چینل مل جاتے ہیں۔ وہ مسکرایا۔ اور عبد الرزاق اس انداز پر بھونچکارہ گئے انہیں بخت عبد الرحمن کے ضبط سے خوف آیا تھا۔ انہیں اس کے ہم نے بری طرح سے الجھایا تھا۔ کبھی تو وہ عام، نارل لوگوں کی طرح رویہ اپنائے، کوئی دھمکوس کرے، ادا اس ہو، رنجیدگی ظاہر کرے مگر وہ زندگی کے ہر آزار کو بڑی آسانی سے گھول کر لی جاتا تھا۔ مود آن کر جاتا تھا۔ کوئی تکلیف کوئی بات جیسے اس کے لیے معنی ہی نہیں رکھتی تھی۔

”بخت تم نارل نہیں ہو۔۔۔۔۔“ ان کے تشویش سے کہنے پر وہ مسکرایا۔ ایک زخم خوردہ سی مسکراہٹ۔

”ہاں بابا۔۔۔۔۔ میں نارل نہیں ہوں۔۔۔۔۔“

اس نے اس بات کو کبھی بے حد آرام سے مان لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

کہنے کو اس نے کہہ دیا تھا کہ ”ہاں۔۔۔۔۔ میں نارل نہیں ہوں۔۔۔۔۔“ مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ اس دھچکے سے خود کو سنبھال نہیں پا رہا تھا۔ ابھی تو وہ اس کٹھنی کو سمجھا ہی نہیں پا رہا تھا کہ ادا عبد المالك کیوں نوٹس ہوئی تھی اور یہ کٹھنی کس طرح سے سلجی تھی۔ اس نے تکلیف سے ہنس کر سر جھٹک دیا۔

”بخت۔۔۔۔۔! اس کے سامنے پڑا لپ ٹاپ روشن تھا۔ مگر کام بروکس کیسے ہوتا۔ اس کا تو زندگی ہی سے فوکس مل کر رہ گیا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے میں پھنسائے، ان پر ٹھوڑی لٹکائے سوچوں میں گم تھا۔

”تو بخت عبد الرحمن! تمہاری زندگی میں جیسے ایک ایسی حادثے کی کمی۔۔۔۔۔ بس اسی کی ہی تو کمی تھی۔۔۔۔۔ تمہیں محبت کیسے مل سکتی تھی؟ کیا آج تک وہ ہوا جو تم نے چاہا۔۔۔۔۔“ ہاتھوں کو سر کی پشت پر باندھتے ہوئے۔۔۔۔۔ وہ کڑی پر ہی پیم دروازہ ہوا۔ آنکھیں اب بھی باہر کچھ ڈھونڈ رہی تھیں۔

”ادا عبد المالك، افسوس یہ نہیں کہ تمہارا رجحان میری طرف نہیں ہے۔ افسوس یہ ہے کہ تمہارا رجحان ایک غلط شخص کی طرف ہے۔ تم کبھی بھی اس کی طرف زہی کی طرف رجحان رکھیں مگر وہ شخص بخت عبد الرحمن کی نگر کا تو ہوتا۔۔۔۔۔ تمہیں بھلا کون میری طرف اشارہ کر رہا ہے۔۔۔۔۔“ اس کے دل میں ایک عجیب درد نے چلی بھری تھی۔۔۔۔۔ ایک تکلیف نے جیسے اسے کاٹا تھا۔

”تم نے غلط شخص کا انتخاب کیا۔۔۔۔۔“ اس کا افسوس تھا کہ جاتا ہی نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

سامنے اسٹیج پر وہ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھے تھے، اس نے فوکل گلاسز اتار کر آنکھوں کو مسلا تھا۔ ایک گہری سانس بھر کر اس نے زندگی کی اس کٹھنی کو بھی خود میں ضم کر دینا چاہا تھا مگر کم بخت۔۔۔۔۔ وجود پر حاوی ہوئی چلی جاتی تھی۔ دوسرے کی آزار کی طرح پیشدل ہوئی ہی نہ تھی۔

”کیا زندگی محض اس وجہ پر ان گنتے گی تھی کہ اس میں ادا عبد المالك نہیں۔۔۔۔۔ کیا محض اسی ایک وجہ سے؟“ اس نے گردن اٹھا کر اپنے ارد گرد پیلے ماحول کو دیکھا۔ لوگوں کا جھوم، رنگ برنگے اڑتے آجیل، بچوں کے قہقہے۔۔۔۔۔ اشتہا انگیز کھانوں کی خوشبو، روشنیوں سے نہایا ہوا لان۔۔۔۔۔ خوش رنگ پھول، باتیں، رنگ، خوشبو، آہ۔۔۔۔۔ یہ سب کس قدر بے معنی ہوا تھا۔۔۔۔۔ اس کے دل کو کسی نے دوا انگلیوں میں مسلا تھا۔ ہونٹ بھیج کر اس نے حلق سے نیچے کچھ اتار دینے سے ایک گہری سانس خارج کر کے اس نے دونوں ہاتھوں سے بالوں کو جکڑا اور ایک ہلکا سا جھٹکا دے کر خود کو ریلیکس کرنا چاہا۔ ہاتھ کی پشت سے گردن کو مسلا۔ جب منہ پوری ٹاپ سے نیچے نظر آتی دنیا کو دیکھا ہاں اس نے دیکھا۔۔۔۔۔ جب غیری میڈوز کی تھا دینے والی ہائیک کے بعد جس نظارے کو اس نے دیکھا تو بے اسے زندگی کس قدر خوب صورت، کس قدر حسین لگی تھی۔ کیا اب بھی۔۔۔۔۔ اب کبھی منہ پوری ٹاپ

”ایک دم مداخلت کی تھی۔۔۔۔۔“ وہ ناگ تک بیزار ہوا۔

”بخت۔۔۔۔۔“ عبد الرزاق نے اسے اشارے سے وہاں بیٹھنے کے لیے کہا تھا۔ وہ وہاں بیٹھا۔۔۔۔۔ منظر ریوائنڈ ہوا۔۔۔۔۔ اس نے گفٹ دوبارہ پکڑا دیا۔۔۔۔۔ ادا نے سر کے ہلکے سے اشارے سے شکر یہ کہا۔ اور اب اسے وہاں سے اٹھ جانا تھا مگر۔۔۔۔۔ وہ رک گیا۔۔۔۔۔ ٹھہر گیا۔

”میری دلی دعا ہے کہ یہ رشتہ تمہارے لیے خیر کا باعث ہو مگر تم نے ایک غلط شخص کا انتخاب کیا۔۔۔۔۔ ذرا سا اس کی طرف جھکتے ہوئے بظاہر مسکرا کر کہا گیا جملہ۔۔۔۔۔ ادا نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر شاکہ نظروں سے اسے دیکھا۔ مگر وہ ادا کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ گردن اٹھائے سامنے نکلتا تھا۔ ایک دم کلک ہوا، فلیش پڑا اور یہ منظر ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔

ادا کے دل میں اس شخص کے لیے غصے کا ایک ابال اٹھ رہا تھا۔ اس کی ناپسندیدگی میں اور اضافہ ہوا۔ اس کا جی چاہا یوں بد مزہ کرنے پر ساتھ بیٹھے شخص کا سر توڑ دے۔ اسے نفرت ہوئی اس شخص سے۔

”بخت عبد الرحمن، کیا تمہیں کسی نے نہیں بتایا کہ لڑکیاں اسٹریٹ فارورڈ مردوں کو زیادہ پسند نہیں کرتیں۔۔۔۔۔ اوہو۔۔۔۔۔ کوئی تو تمہیں سمجھاتا کہ لڑکیاں یوں غیر رومانوی طریقے سے ٹریٹ نہیں کی جاتیں۔۔۔۔۔ تم نے ایک لڑکی کے خاص دن پر اس کا موڈ خراب کیا۔۔۔۔۔ میاں اب یہ بات تمہیں ساری عمر بھگتنی ہے۔۔۔۔۔ کہ یہ بات وہ بھولنے والی نہیں تھی۔“

☆ ☆ ☆

”اس گدھے کو باہر نہیں جانا چاہیے تھا۔۔۔۔۔“ وہ اسے اس کا لڑکھٹا ہوا تھا۔

”جیران!۔۔۔۔۔ یوں جیسے کہتے ہوں کیا اب بھی نہ جاتا۔۔۔۔۔“ اور آپ کا خیال کون رکھے گا۔۔۔۔۔“ لہجہ بے حد کچھتا ہوا تھا۔

میدرا بخت

ایک دم مداخلت کی تھی۔۔۔۔۔ وہ ناگ تک بیزار ہوا۔

”بخت۔۔۔۔۔“ عبد الرزاق نے اسے اشارے سے وہاں بیٹھنے کے لیے کہا تھا۔ وہ وہاں بیٹھا۔۔۔۔۔ منظر ریوائنڈ ہوا۔۔۔۔۔ اس نے گفٹ دوبارہ پکڑا دیا۔۔۔۔۔ ادا نے سر کے ہلکے سے اشارے سے شکر یہ کہا۔ اور اب اسے وہاں سے اٹھ جانا تھا مگر۔۔۔۔۔ وہ رک گیا۔۔۔۔۔ ٹھہر گیا۔

”میری دلی دعا ہے کہ یہ رشتہ تمہارے لیے خیر کا باعث ہو مگر تم نے ایک غلط شخص کا انتخاب کیا۔۔۔۔۔ ذرا سا اس کی طرف جھکتے ہوئے بظاہر مسکرا کر کہا گیا جملہ۔۔۔۔۔ ادا نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر شاکہ نظروں سے اسے دیکھا۔ مگر وہ ادا کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ گردن اٹھائے سامنے نکلتا تھا۔ ایک دم کلک ہوا، فلیش پڑا اور یہ منظر ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔

ادا کے دل میں اس شخص کے لیے غصے کا ایک ابال اٹھ رہا تھا۔ اس کی ناپسندیدگی میں اور اضافہ ہوا۔ اس کا جی چاہا یوں بد مزہ کرنے پر ساتھ بیٹھے شخص کا سر توڑ دے۔ اسے نفرت ہوئی اس شخص سے۔

”بخت عبد الرحمن، کیا تمہیں کسی نے نہیں بتایا کہ لڑکیاں اسٹریٹ فارورڈ مردوں کو زیادہ پسند نہیں کرتیں۔۔۔۔۔ اوہو۔۔۔۔۔ کوئی تو تمہیں سمجھاتا کہ لڑکیاں یوں غیر رومانوی طریقے سے ٹریٹ نہیں کی جاتیں۔۔۔۔۔ تم نے ایک لڑکی کے خاص دن پر اس کا موڈ خراب کیا۔۔۔۔۔ میاں اب یہ بات تمہیں ساری عمر بھگتنی ہے۔۔۔۔۔ کہ یہ بات وہ بھولنے والی نہیں تھی۔“

☆ ☆ ☆

”اس گدھے کو باہر نہیں جانا چاہیے تھا۔۔۔۔۔“ وہ اسے اس کا لڑکھٹا ہوا تھا۔

”جیران!۔۔۔۔۔ یوں جیسے کہتے ہوں کیا اب بھی نہ جاتا۔۔۔۔۔“ اور آپ کا خیال کون رکھے گا۔۔۔۔۔“ لہجہ بے حد کچھتا ہوا تھا۔



”تم ہوتاں..... میرا دوسرا بازو.....“ یہ تو موقع تھا اسے گھبرنے کا..... وہ بڑے دل سے مسکرائے۔  
”اور کیا سارے فرض ولید کے ہیں؟“  
”سارے حق بھی تو اسی کے ہیں.....“ وہ آج کل یوں ہی غصے سے بولتا تھا۔ اس کے منہ سے بلا ارادہ پھلتا تھا۔ عبدالرزاق کے چہرے کا رنگ تیزی سے بدلا..... وہ لکھت خاموش ہوئے۔  
”آئی ایم سوری.....“ چند ثانیے بعد وہ پست

آواز میں بولا۔  
”کوئی بات نہیں..... ادا آجایا کرے گی..... شازیہ کے بعد بھی اس بچی نے بڑا خیال کیا..... اب بھی جیسے تیسے گزارہ ہو ہی جائے گا.....“  
اس نے ایک گہری سانس بھر کر انہیں دیکھا۔ وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے تھے۔ انہیں دیکھ کر اسے تکلف ہوئی..... وہ ہنسنے لگیں انہیں جانتا دیکھتا رہا۔ وہ ٹھیک کہتے تھے کہ سارے فرض ولید کے ہیں کیا؟ اسے فیصلہ کرنا تھا باپ یا اس کا خواب۔

☆ ☆ ☆  
مانیگریشن کروانے میں کچھ وقت تو لگا تھا مگر ہو گئی تھی۔ اب فرق اس بات سے نہیں پڑتا تھا جو تعلیم پانچ چھ سالوں میں ختم ہوئی تھی..... چلو اب ایک آدھ سال اور لگ جاتا۔ فرق اسے اپنی پانٹن شپ متاثر ہونے سے پڑا تھا۔ کہاں وہ 50، 50 پر چلی گئی تھی مگر اس کے یوں آنے کے فیصلے نے اسے متاثر کیا تھا وہ پھر سے 70-30 پر پہنچی تھی۔ اتنے سالوں کی محنت سے بنائے گئے تعلقات، پی آر..... نام..... محنت..... سب جیسے ڈوبنے کو تھا۔ وہ اسلام آباد میں بیٹھ کر کیسے اس 30 فیصد کو بھی maintain رکھ سکتا تھا۔ اسے اب یہ ہو جاتا تھا، نئے سرے سے تعلقات بنانے تھے، نام بنانا تھا..... اور یہ سب آسان نہیں تھا..... اس میں وقت اور پیسہ لگنا تھا۔ سارا سارا دن وہ نوں پر بڑی رہتا۔ وہاں سے جان چھوٹی تو ملا تو ان کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ اس کی کوشش تھی کہ اس 30 فیصد پانٹن شپ کے

16 مہینہ باکس.....

ساتھ، ساتھ وہ اپنا بھی کوئی نو رائج کرکٹ کلب بھی قسم کی سپورٹ کے بغیر..... ابھی وہ کسی سے مل کر رہا تھا..... بیٹھا بھی نہیں تھا کہ فون لگے گا۔ کل رات کرتے ہوئے اس نے جوتے اتار دیے اور جوتوں سے سن کر فارغ ہوا تو عبدالرزاق اس کی طرف متوجہ ہوئے۔  
”تم نے جانا نہیں؟“  
”کہاں؟“ وہ عجیب غائب دماغی کی کیفیت میں تھا۔  
”لاہور واپس.....“ اور اس کی یادداشت واپس آئی تھی۔ اس نے آرام دہ انداز میں کرکٹ پشٹ سے ٹیک لگائی۔ اس تمام عمر میں وہ ایک لڑکے جلدی واپسی پر حیران تو ہوئے مگر سوچ کر جب سمجھا کہ شاید وہ ان کے خیال سے آیا ہے مگر اب تو دیکھ کر گزرے بھی تین دن ہو چکے تھے۔  
”بجٹ!“  
”میری پانٹن شپ پھر سے 70-30 پر آگئی ہے۔“ اس نے یوں اطلاع پہنچائی جیسے یہ سب سے اہم بات تھی اور انہوں نے یوں ہی جیسے یہ سب سے غیر اہم بات تھی۔  
”تو.....؟“  
”تو کیا؟“ وہ پھر سے غائب دماغی کی کیفیت میں شکار ہوا۔  
”افوہ..... اب پڑھائی کا کیا؟“ وہ جھنجھلائے۔  
”مانیگریشن کروانی ہے۔“ اس نے یہ اطلاع یوں پہنچائی جیسے یہ سب سے غیر اہم بات تھی۔ انہوں نے یہ اطلاع یوں ہی جیسے یہی تو سب سے اہم بات تھی۔ آف..... وہ ہلپ بیٹا۔  
”کیوں؟“ وہ شدید حیران ہوئے۔  
”سارے فرض ولید کے ہی ہیں کیا؟“ وہ فٹے اور پھر بڑے جوش سے اسے گلے لگا تھا۔ ایک عمر کے بعد وہ گھر لوٹ کر آیا تھا۔ اس کے پیروں میں پڑا چکر جیسے ختم ہوا تھا۔ ان کا خوش ہونا بیٹا تھا۔

”بجٹ!“  
”میری پانٹن شپ پھر سے 70-30 پر آگئی ہے۔“ اس نے یوں اطلاع پہنچائی جیسے یہ سب سے اہم بات تھی اور انہوں نے یوں ہی جیسے یہ سب سے غیر اہم بات تھی۔  
”تو.....؟“  
”تو کیا؟“ وہ پھر سے غائب دماغی کی کیفیت میں شکار ہوا۔  
”افوہ..... اب پڑھائی کا کیا؟“ وہ جھنجھلائے۔  
”مانیگریشن کروانی ہے۔“ اس نے یہ اطلاع یوں پہنچائی جیسے یہ سب سے غیر اہم بات تھی۔ انہوں نے یہ اطلاع یوں ہی جیسے یہی تو سب سے اہم بات تھی۔ آف..... وہ ہلپ بیٹا۔  
”کیوں؟“ وہ شدید حیران ہوئے۔  
”سارے فرض ولید کے ہی ہیں کیا؟“ وہ فٹے اور پھر بڑے جوش سے اسے گلے لگا تھا۔ ایک عمر کے بعد وہ گھر لوٹ کر آیا تھا۔ اس کے پیروں میں پڑا چکر جیسے ختم ہوا تھا۔ ان کا خوش ہونا بیٹا تھا۔

”بجٹ!“  
”میری پانٹن شپ پھر سے 70-30 پر آگئی ہے۔“ اس نے یوں اطلاع پہنچائی جیسے یہ سب سے اہم بات تھی اور انہوں نے یوں ہی جیسے یہ سب سے غیر اہم بات تھی۔  
”تو.....؟“  
”تو کیا؟“ وہ پھر سے غائب دماغی کی کیفیت میں شکار ہوا۔  
”افوہ..... اب پڑھائی کا کیا؟“ وہ جھنجھلائے۔  
”مانیگریشن کروانی ہے۔“ اس نے یہ اطلاع یوں پہنچائی جیسے یہ سب سے غیر اہم بات تھی۔ انہوں نے یہ اطلاع یوں ہی جیسے یہی تو سب سے اہم بات تھی۔ آف..... وہ ہلپ بیٹا۔  
”کیوں؟“ وہ شدید حیران ہوئے۔  
”سارے فرض ولید کے ہی ہیں کیا؟“ وہ فٹے اور پھر بڑے جوش سے اسے گلے لگا تھا۔ ایک عمر کے بعد وہ گھر لوٹ کر آیا تھا۔ اس کے پیروں میں پڑا چکر جیسے ختم ہوا تھا۔ ان کا خوش ہونا بیٹا تھا۔

16 مہینہ باکس.....

میرا بخت  
مل لیے وہ درشت لہجے میں بول رہا تھا۔ یہ اس کا انداز تو نہ تھا۔  
”کیا ہوا ہے؟“  
”ضروری ہے یہ بات میں کچھ ہونے پر ہی آپ سے کہوں؟“ وہ اور بگڑا۔  
”میں ضروری تو نہیں..... مگر تمہارا انداز بتلا رہا ہے کہ کچھ ہوا ہے۔“  
”جلیں جو بھی ہوا ہے، اسے چھوڑیں۔ وہ اتنی اہم بات نہیں ہے۔ میں جو آپ سے کہہ رہا ہوں بہتر ہے یہ بات آپ خود اس سے کہہ دیں۔ میں نے کہا تو اسے برا لگے گا۔“  
”وہ میرے خیال سے آتی ہے بجٹ!“  
”آپ کے خیال کے لیے میں کم ہوں بابا؟“ وہ لا جواب ہوئے اور اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئے۔  
کیا ہوا تھا جو وہ یوں براہم تھا۔  
☆ ☆ ☆  
”ادا!“ وہ ان کی الماری سیٹ کر رہی تھی۔ ان کے بلانے پر ہاتھ روک کر بیٹھی تھی۔  
”بجٹ سے کوئی بات ہوئی ہے تمہاری؟“  
”میری بات؟..... نہیں تو.....“ کہنے والے کو کب یاد رہتا ہے کہ اس کے لفظوں نے کیا کمال کیا ہے، سو وہ بھی بھولی بیٹھی تھی۔  
”اچھا!“ وہ ذرا حیران ہوئے۔  
”کیوں..... آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟“ وہ ایک بار پھر سے اپنے کام میں مگن ہو کر بولی۔  
”آئیے ہی..... بجٹ کا موڈ ٹھیک نہیں تھا کہہ رہا تھا کہ ادا کو کہیں روز، روز یوں تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“  
اور چمن سے وہ منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آگرا۔ اس کے ہاتھ ساکت ہوئے تو دل ایک دم دھڑکا تھا۔  
”ہیں! اس نے تاپا ابو کو بتا دیا۔“ وہ اپنی جگہ پر چوری ہوئی۔ اس نے چاہا کہ وہ بتا دے کہ کیا ہوا تھا۔

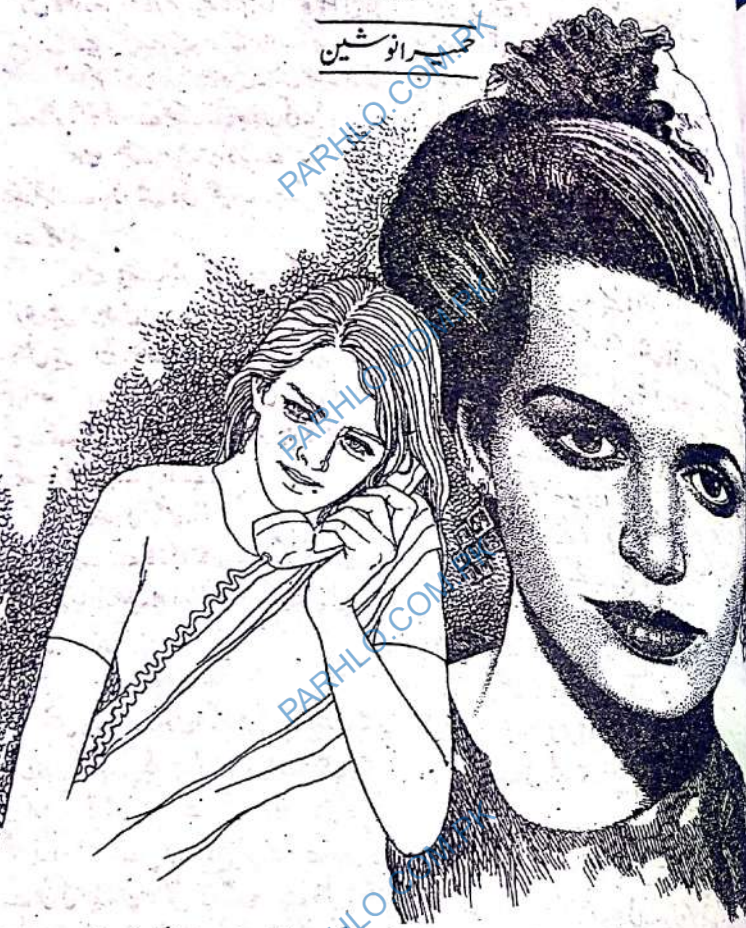
”بجٹ!“  
”میری پانٹن شپ پھر سے 70-30 پر آگئی ہے۔“ اس نے یوں اطلاع پہنچائی جیسے یہ سب سے اہم بات تھی اور انہوں نے یوں ہی جیسے یہ سب سے غیر اہم بات تھی۔  
”تو.....؟“  
”تو کیا؟“ وہ پھر سے غائب دماغی کی کیفیت میں شکار ہوا۔  
”افوہ..... اب پڑھائی کا کیا؟“ وہ جھنجھلائے۔  
”مانیگریشن کروانی ہے۔“ اس نے یہ اطلاع یوں پہنچائی جیسے یہ سب سے غیر اہم بات تھی۔ انہوں نے یہ اطلاع یوں ہی جیسے یہی تو سب سے اہم بات تھی۔ آف..... وہ ہلپ بیٹا۔  
”کیوں؟“ وہ شدید حیران ہوئے۔  
”سارے فرض ولید کے ہی ہیں کیا؟“ وہ فٹے اور پھر بڑے جوش سے اسے گلے لگا تھا۔ ایک عمر کے بعد وہ گھر لوٹ کر آیا تھا۔ اس کے پیروں میں پڑا چکر جیسے ختم ہوا تھا۔ ان کا خوش ہونا بیٹا تھا۔

16 مہینہ باکس.....



## زادِ راہ

حسین انوشین



تھوڑی گھون خم کر کے اسے مسکرا کر دیکھا اور پیچکڑائے جو کریمہ نے فوراً پکڑ لے۔  
چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے، کریمہ برتن میٹھے لگی۔  
”اچھا سنو.....“

”جی سائیں.....“ وہ ادا سے بولی۔ تکلیف میں بھی اس کی مستی عروج پر تھی۔ اس میں ایک اچھی عادت تھی کہ اپنی تکلیف خود پر سہنے کی عادت تھی۔ کسی

رات سے ہونے والے بازو کے شدید درد نے اسے بے چین کر رکھا تھا۔ جیسے تیسے کر کے رات آنکھوں پر پٹی لگا کر سو گیا۔ ناشائستہ بچوں کو کوئی وغیرہ دے کر کھانا کھا رہا تھا۔ بچوں کو اس کا مطالبہ کیا۔  
”تھی تکلیف میں ہو مگر خرچ لینا نہیں بھولتیں۔“

بہانے بہتے ہوئے والٹ کھولا۔  
”بول کر مجھے اپنا نقصان کرنا ہے کیا؟“ وہ نے بولی تھی۔

”اگر میں کہوں کہ اس نے مجھ سے ایک سیلا بھی نہیں لیا تو؟“

”ہونہ.....“ یہ کہنے ممکن ہے؟“ کیا تاروں اپنے خزانے کی بجائے اس کے ہاتھ کے سر اٹھا؟“  
”ولید اب سب کچھ بتاتا تھا اسے اتنا اس کا بھی ہے۔ اس بارے میں تمہیں پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ آئندہ مجھ سے ایسی بات نہ کرنا۔“ دو ٹوک لہجے میں بات کہتے ہوئے انہوں نے فون بند کر دیا تھا۔

☆☆☆  
”ٹرن..... ٹرن..... ٹرن.....“  
آواز بھی یا صبر اسرار مل، سیدی کی دل پر پڑتی تھی۔  
”ٹرن..... ٹرن..... ٹرن.....“

اتنے بڑے گھر کی خاموشی اس آواز سے ایک چھانکے سے ٹوٹی تھی۔  
”ہیلو!“ اور ریسپور اس کے ہاتھ سے گر گیا۔

اس نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ کر خوف زدہ اعلان میں ریسپور کو دیکھا کہ جہاں سے ابھی آواز کے ہاتھ پر ایک شور سنا کی دیتا تھا۔

کہنے والے نے کیا اسے گمان و یقین کی دنیا سے پرے کسی کوہ قاف کی کہانی سنا لی تھی جو وہ یوں ہوش و حواس سے بیگانہ نظر آتی تھی؟ پھر ٹرانس کی سی کیفیت میں اس نے ایک تصویر نکالی..... وہ چہرہ..... وہ چند لمحوں پر چہرے کو کتنی رہی اور پھر نفرت سے یک دم اس چہرے پر تھوک دیا۔ تصویر اس کے لرزے ہاتھوں سے نیچے جا گری اور اب وہ ہڈیانی انداز میں پھری جوتی ہے اس چہرے کو چکل رہی تھی کہ لکھت وہ ساکت ہوئی، اسے پانی نہ مل پر حیران ہوئی اور پھر تیزی سے تصویر کو اٹھایا، پیار سے دوپٹے سے اس کا چہرہ صاف کیا۔ پھر اس تصویر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر سینے میں بچھتے ہوئے ایک نام جیج کی صورت اس کے لبوں سے آزاد ہوا تھا۔  
”ولید.....!“

(باقی آئندہ)

مگر نہ جانے کیوں وہ خاموش ہو گئی تھی۔  
”یہ بخت!“ اس نے دانت پیسے تھے۔ اس کی ناپسندیدگی میں کچھ اور اضافہ ہوا تھا۔

☆☆☆  
زندگی چل رہی تھی۔ دوڑ رہی تھی۔ ولید کی کامیابیوں کا سلسلہ جاری تھا اور ادھر بخت کی اسٹڈیز تھی کہ بات کئی سالوں پر جا رہی تھی۔ لیکن..... اس نے اپنی ٹورازم سہنی بنا لی تھی۔ چھوٹے اسکیل پر ہی تھی۔ وہ اس خوشی کو سلیم ریٹ کرنا چاہتا تھا اسی لیے عبدالرزاقی نے پورے خاندان کو مدعو کیا تھا جس نے سنا حیران ہوا۔ خاندان والے جس بخت کو جانتے تھے وہ اس سے یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ وہ یوں..... ایک دن اپنی کسی بھی کچنی کا مالک ہوگا۔ جو بھی تھا بہر حال یہ ایک خوش آئند بات تھی جسے ٹھیک طور پر سلیم ریٹ کیا گیا تھا اور جب تصاویر ولید کے پاس پہنچیں تو.....

”بابا! یہ کیا کرتا پھر رہا ہے؟ اور سب سے افسوس کی بات یہ کہ اس کی حقائق کو سلیم ریٹ کرتے پھر رہے ہیں؟“

”اپنا بزنس شروع کرنا تمہیں حماقت لگتا ہے ولید؟“  
”یہ..... یہ بزنس ہے اس کا؟ فرا پیسے کا زباں..... چار دن بھی نہیں چلا پائے گا۔ ایک BS تو چار سالوں میں مکمل ہوا نہیں اس سے..... وہ کرے گا بزنس.....“ وہ اس قدر متغیر سے بولا کہ عبدالرزاقی شاکہ زدہ ہوئے۔ لیکن انہیں اس طرح شاکہ ہونا نہیں چاہیے تھا۔ انہیں پتا ہونا چاہیے تھا کہ ولید کے اندر بخت کے لیے کس قدر زہر موجود ہے۔

”جو بھی کر رہا ہے ولید! اپنی زندگی کے ساتھ کر رہا ہے تمہیں اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں.....“ وہ صدمہ لگے میں بولے۔

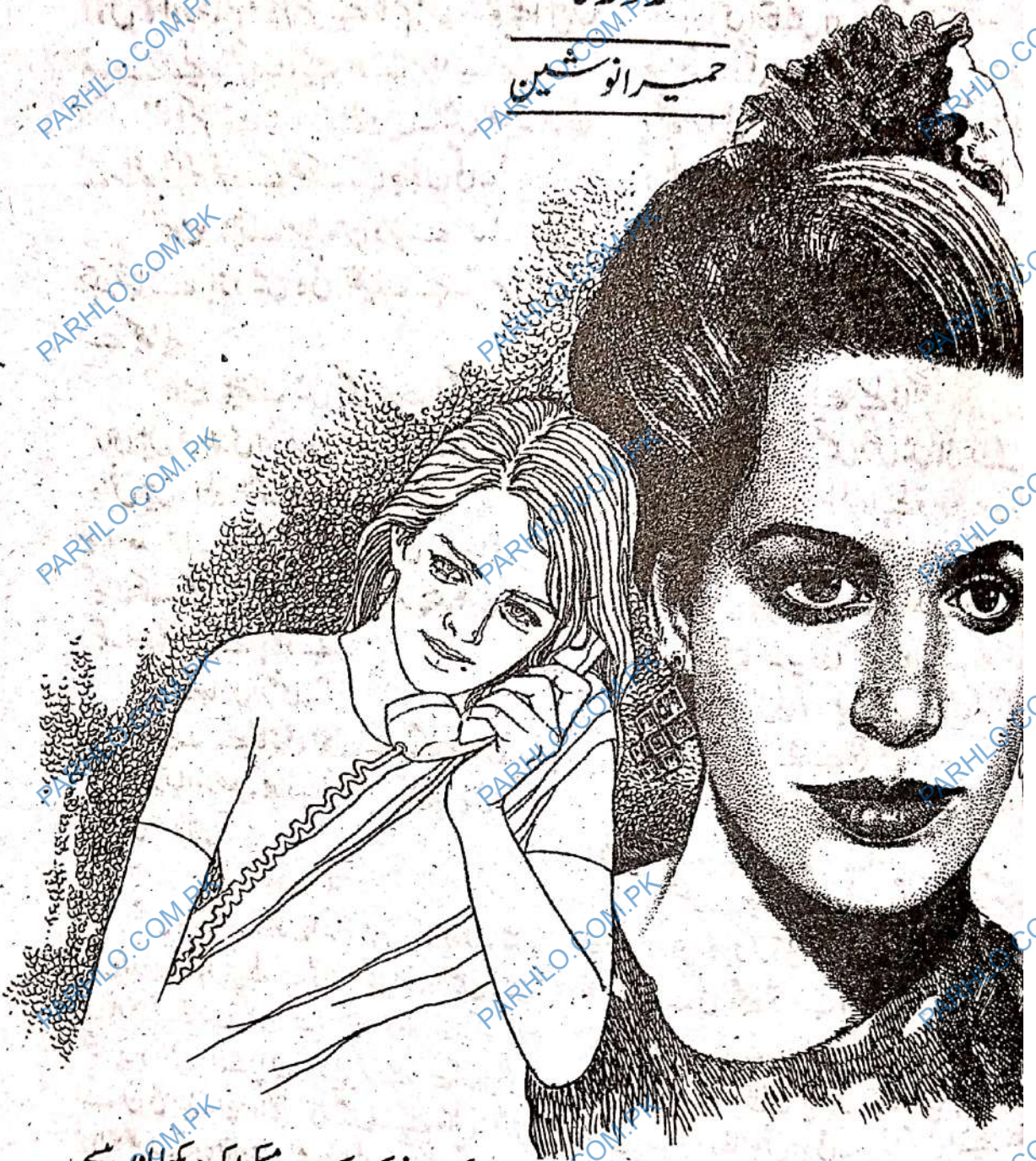
”کیوں..... کیوں نہیں ہے ضرورت..... وہ میرے باپ کا پیسہ اڑا رہا ہے اپنی حقائق کی نذر کر رہا ہے۔“  
”اوه..... تو اس قدر تملانے کی وجہ یہ تھی۔“

انہیں یہ سمجھنا چاہیے تھا۔



# ناڈراہ

حمیرا نوشین



تھوڑی گردن خم کر کے اسے مسکرا کر دیکھا اور پیچھے پکڑنے جو کریمہ نے فوراً پکڑ لیا۔  
چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے، کریمہ برتن سمیٹنے لگی۔  
”اچھا سنو.....“

”جی سائیں.....“ وہ ادا سے بولی۔ تکلیف میں بھی اس کی مستی عروج پر تھی۔ اس میں ایک اچھی عادت تھی کہ اپنی تکلیف خود پر سہنے کی عادت تھی۔ کسی دوسرے کو پریشان نہیں کرتی تھی۔  
ماہنامہ پاکیزہ — دسمبر 2022ء — 165

رات سے ہونے والے بازو کے شدید درد نے سے بے چین کر رکھا تھا۔ جیسے تیسے کر کے رات آنکھوں میں جاتے گز اری۔ ناشتا بنا کر بچوں کو لٹچ وغیرہ دے کر اسکول روانہ کیا اور مراد سے روز کے خرچے کا مطالبہ کیا۔  
”کتنی تکلیف میں ہو مگر خرچہ لینا نہیں بھولتیں۔“ انہوں نے ہنستے ہوئے والٹ کھولا۔

”بھول کر مجھے اپنا نقصان کرنا ہے کیا؟“ وہ جھٹ سے بولی تھی۔  
”بڑی ہوشیار ہو۔“ انہوں نے ابو اچکا کر



”آج کھانے میں کچھ نہ بنانا، میں واپسی پر لیتا ہوں گا اور شام کو ڈاکٹر سے ٹائم بھی لے لیتا ہوں۔“ کوٹ پہنچے ہوئے مراد نے کہا۔  
 ”ڈاکٹر سے ٹائم زبے دیں۔ میں عطیہ بھابی کے ساتھ ڈاکٹر فروا کے کلینک چلی جاؤں گی۔“  
 ”ہومیو پیٹھک میڈیسن دیر سے اثر کرتی ہیں جبکہ تمہارے بازو میں کافی تکلیف ہے۔“ مراد نے اسے سمجھایا۔  
 ”ہومیو پیٹھک میں بھی بہت اچھی میڈیسن آ رہی ہیں جو جلدی اثر کرتی ہیں اور مجھے یہی میڈیسن موافق ہیں۔ ایڈجسٹنگ میڈیسن سے آپ کو ہوتا ہے، میرا معذہ خراب ہو جاتا ہے۔“ وہ ان کے ساتھ باہر میٹ تک چلی آئی۔ مراد نے رک کر چند ٹاپے اسے دیکھا اور پھر کندھے اچکا دیے۔  
 ”جیسے تمہاری مرضی۔“  
 وہ میٹ سے گاڑی نکال لے گئے تو اس نے میٹ بند کیا اور عطیہ بھابی کو فون کر کے بیڈ پر لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔

☆ ☆ ☆  
 جس وقت وہ دونوں ڈاکٹر فروا کے کلینک میں داخل ہوئیں، وہاں پہلے سے کئی خواتین موجود تھیں۔ ان کی باری آنے میں کچھ وقت لگنا تھا سو وہ انتظار کرنے لگیں۔ ڈاکٹر فروا کے پاس وہ کافی عرصے سے آ رہی تھی اسے ان کی میڈیسن موافق آتی تھی۔ پہلے پہل ڈاکٹر فروا کا کلینک چھوٹا تھا چند مریض خواتین آتی تھیں مگر اب تو کلینک بھی خاصا بڑا کر لیا تھا انہوں نے اور مریضوں کا بھی کافی رش ہوتا تھا۔ ایک بات جس پر انہیں حیرت ہوتی تھی۔ گوری جٹی، جتنکے نین نقوش والی ڈاکٹر فروا سمجھا لیں تواری تھیں۔ ان دونوں دیورانی، جیٹھانی کے ذرائع میں کئی سوال سر اٹھاتے کہ اتنی پیاری، پڑھی لکھی ہونے کے باوجود ان کی شادی کیوں نہیں ہوئی؟  
 ”ہو سکتا ہے پسند کی شادی کرنا چاہتی ہوں اور

مگر والد نے انہیں ہوا باجھ کر رکھ دیا۔“  
 ”ماہی مہا پتہ کیڑہ۔“

نہ اترتا ہو۔“ وہ قیاس آرائیاں کرنے لگیں۔  
 اسی اثنا میں اس کی باری آگئی کیونکہ ہمارے ہاں خاموش ہوگئی اور ڈاکٹر فروا نے اس کی میڈیسن پر پتہ رکھ کر راجی پہلے لڑکی کے حوالے کیا اور دوسری مریض کی طرف متوجہ ہو گئیں۔  
 ”شکر ہے جو انہوں نے یہ لڑکی رکھ لی ورنہ کون

مزید لگ جاتا۔“ عطیہ بھابی نے اس اٹھارہ انیس سالہ پرکشش لڑکی کو بغور دیکھا جو نسخہ دیکھ کر میڈیسن تیار کر رہی تھی۔ اس سے پہلے ڈاکٹر فروا خود ہی مریض کی میڈیسن تیار کرتی تھیں جس میں کافی وقت لگ جاتا تھا۔ دھان پانی ڈاکٹر فروا پہلے تو سوچ، سوچ کر لپٹیں۔ مریض بیزار ہو جاتے۔ عطیہ بھابی کو تو ان بہت ہی غصہ آتا کہ یہ کوئی پہلیر کیوں نہیں رکھ لیتیں کہ آج وہ اس پہلیر لڑکی کو دیکھ کر خوش ہو گئیں کہ انتظار کی کیفیت میں مبتلا ہونے سے بچ گئی تھیں۔  
 کریم نے لڑکی سے پوچھ کر پیسے پکڑائے اور دونوں کلینک سے باہر نکل آئیں۔

”شکر ہے جلدی فارغ ہو گئے سارے گھر کے کام ایسے ہی چھوڑ کر آئی تھی، تمہاری کام والی سارے کام کر دیے گی مجھے تو سب کام خود ہی کرنے ہوتے ہیں۔ بچوں کے آنے سے پہلے کھانا بھی تیار کرتا ہے۔“ اپنی عادت کے مطابق انہوں نے اس پر قدرے احسان جنایا تو وہ خاموش ہو گئی۔ وہ کیا کرنی اکیلے اسے کہیں آنے جانے کی عادت نہ تھی سو اکثر وہ ان کا احسان لینے پر مجبور ہو جاتی یہ اور بات کہ وہ خود جب اسے اپنے ساتھ شاپنگ پر لے کر جاتیں تو من سے شام کر دیتیں جب انہیں کسی وقت کا احساس نہ ہوتا۔  
 کریمہ جلدی سے رکشہ، ٹیکسی کو ہاتھ کے اشارے سے روکنے لگی تو عطیہ بھابی نے فوراً اس کا ہاتھ نیچے کیا۔  
 ”ایسی بھی کیا جلدی؟ ادھر ایک جگہ فکٹی پرینٹ آف ہے۔ آ جاؤ چلتے ہیں۔ اب روز، روز تو گھر سے نکلا نہیں جاتا۔“

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر سامنے مال کی طرف چل دیں تو وہ جھان رہی تھی۔  
 کہاں تو انہیں گھر جانے کی جلدی تھی اور اب مال میں خریداری۔ گھر کے کام اور کھانا کھیں پس منظر میں چلے گئے تھے۔ وہ مسکراتی ہوئی ان کے ہمراہ مال میں داخل ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆  
 وہ کچن میں بچوں کے لیے پاستا بنا رہی تھی۔ دوران صفائی میں مصروف تھی۔ کریمہ گاہے گاہے دروازے پر بھی نظر ڈال جاتی اور ساتھ اوپنی آواز میں ”ہی بی بی“ کی بات کرنا۔ کی ہدایت بھی دے رہی تھی۔  
 ”جی بی بی جی“  
 دوران اس کی ہر بات کے جواب میں۔ ”جی بی بی جی“  
 دوران میں کچن میں ہونے لگا۔  
 ”زبردست۔“ باؤل میں پاستا ڈال کر اس نے جیج بھر کر منہ میں ڈالا تو پانی کی کمی محنت پر مسکرا کر باؤل کو صحنی نظروں سے دیکھا اور ڈسٹنگ ٹیبل پر رکھ دیا۔ بچوں کے اسکول سے آنے کا وقت ہو رہا تھا۔  
 ”آج تو بچے اپنی من پسند ڈش دیکھ کر خوش ہو جائیں گے۔“  
 وہ سوچتی ہوئی لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ گئی۔  
 دوران بھی صفائی کر کے وہیں آکر کارپٹ پر اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔  
 ”بی بی جی!۔۔۔۔۔!“ دوران نے کچھ ہچکچاتے پکارا۔  
 ”ہاں کہو۔۔۔۔۔!“ کریمہ بیڑاری سے بولی۔ وہ دوران کے اس انداز سے خائف تھی۔  
 ”وہ دراصل۔۔۔۔۔!“ چالیس، پچاس سالہ دوران کے چہرے پر کچھ پشیمانی کے آثار نمایاں تھے۔ زبان بگڑنے سے لکڑھڑاہی تھی۔  
 کریمہ اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ ضرور آج پھر بیسوں کا مطالبہ ہوگا۔ روز، روز اس کے پیسے مانگنے سے عاجز آ چکی تھی۔  
 ”دیکھو دوران اگر تمہیں مجھ سے پیسے چاہئیں تو نہارا مطالبہ بیکار ہے۔ مہنگائی اس قدر ہو چکی ہے۔“

مگر کے اخراجات بڑھ گئے ہیں۔ بچوں کی اسکول کی فیسیں، رشتے داری مہانا سب ہمارے لیے بہت مشکل ہو گیا ہے سو چپ چاپ مہینہ ختم ہونے کا انتظار کرو۔ تمہاری خواہ وقت آنے پر ہی ملے گی۔“ وہ کہتی ہوئی صوفے پر نیم دراز ہو گئی۔  
 ”آپ کی بات ٹھیک ہے بی بی جی۔ مگر میری بیٹی ضرورت ہے۔ مجھے اس کے لیے کچھ بھل لینے ہیں۔“  
 ”حد ہوگئی نورال، جب تمہیں پتا ہے تمہارے حالات اس قابل نہیں ہیں کہ بیٹی کو کچھ کھلا یا اسکول پتے گھر لانا ضروری تھا؟ اچھی تو تم نے اس کی شادی کا قرضہ نہیں اتارا لوگوں کا۔ اب اس کے پیسے پیدا کرنے میں پیسہ لگاؤ گی۔ بیٹی کا بوجھ تم سے اتارا ہے تو اسے اس کے شوہر کے پاس رہنے دو۔ وہ آپ ہی خرچے پورے کرے گا۔“ کریمہ کو فٹ سے کہہ رہی تھی۔  
 ”بیٹی کا بوجھ تم سے نہیں اتارا جاتا کریمہ بی بی۔ یہ تو رب کی رحمت ہے۔ اسے دوسرے گھر بھیجنا مال باپ کا فرض بن جاتا ہے اور فرض جلدی ادا ہو جائے تو اچھا ہے۔ اور بیٹی اپنے نصیب کا کھاتی ہے، رب کھلاتا ہے اسے۔ اب یہاں آئی ہے تو رب سوہنا کچھ بندوبست کر ہی دے گا۔“ نورال بہت دھیرے سے بولی تھی۔  
 کریمہ کو اس کی بات سن کر پچھتے لگ گئے۔  
 ”فی الحال تو میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ ہے نہیں۔“ وہ اسے نکاسا جواب دے کر پھر سے کچن میں گھس گئی، یہ دیکھے بغیر کہ اس کے انگارے ایک مال کے چہرے پر کسی اداسی بکھر دی ہے۔  
 نورال ٹھنڈی سانس بھر کر نیچے کارپٹ سے اٹھی اور کچن کی طرف حسرت سے دیکھتی لاؤنج سے نکل گئی۔  
 کریمہ نے اسے جاتے ہوئے کچن دنگڑے ہر بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ ”ہاتھ تو ایسے ہتاتی ہے جیسے سارے حقوق و فرائض اسی کو پتا ہیں باقی تو عقل سے بے بہرہ ہیں، کھانے پینے کی ہر چیز پر نظر رکھتی ہے۔ اب ان بچوں کو کھاکر ہمارے پیٹ میں درد ہی

زادراہ

مگر کے اخراجات بڑھ گئے ہیں۔ بچوں کی اسکول کی فیسیں، رشتے داری مہانا سب ہمارے لیے بہت مشکل ہو گیا ہے سو چپ چاپ مہینہ ختم ہونے کا انتظار کرو۔ تمہاری خواہ وقت آنے پر ہی ملے گی۔“ وہ کہتی ہوئی صوفے پر نیم دراز ہو گئی۔  
 ”آپ کی بات ٹھیک ہے بی بی جی۔ مگر میری بیٹی ضرورت ہے۔ مجھے اس کے لیے کچھ بھل لینے ہیں۔“  
 ”حد ہوگئی نورال، جب تمہیں پتا ہے تمہارے حالات اس قابل نہیں ہیں کہ بیٹی کو کچھ کھلا یا اسکول پتے گھر لانا ضروری تھا؟ اچھی تو تم نے اس کی شادی کا قرضہ نہیں اتارا لوگوں کا۔ اب اس کے پیسے پیدا کرنے میں پیسہ لگاؤ گی۔ بیٹی کا بوجھ تم سے اتارا ہے تو اسے اس کے شوہر کے پاس رہنے دو۔ وہ آپ ہی خرچے پورے کرے گا۔“ کریمہ کو فٹ سے کہہ رہی تھی۔  
 ”بیٹی کا بوجھ تم سے نہیں اتارا جاتا کریمہ بی بی۔ یہ تو رب کی رحمت ہے۔ اسے دوسرے گھر بھیجنا مال باپ کا فرض بن جاتا ہے اور فرض جلدی ادا ہو جائے تو اچھا ہے۔ اور بیٹی اپنے نصیب کا کھاتی ہے، رب کھلاتا ہے اسے۔ اب یہاں آئی ہے تو رب سوہنا کچھ بندوبست کر ہی دے گا۔“ نورال بہت دھیرے سے بولی تھی۔  
 کریمہ کو اس کی بات سن کر پچھتے لگ گئے۔  
 ”فی الحال تو میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ ہے نہیں۔“ وہ اسے نکاسا جواب دے کر پھر سے کچن میں گھس گئی، یہ دیکھے بغیر کہ اس کے انگارے ایک مال کے چہرے پر کسی اداسی بکھر دی ہے۔  
 نورال ٹھنڈی سانس بھر کر نیچے کارپٹ سے اٹھی اور کچن کی طرف حسرت سے دیکھتی لاؤنج سے نکل گئی۔  
 کریمہ نے اسے جاتے ہوئے کچن دنگڑے ہر بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ ”ہاتھ تو ایسے ہتاتی ہے جیسے سارے حقوق و فرائض اسی کو پتا ہیں باقی تو عقل سے بے بہرہ ہیں، کھانے پینے کی ہر چیز پر نظر رکھتی ہے۔ اب ان بچوں کو کھاکر ہمارے پیٹ میں درد ہی



زادراہ

### تحفہ خاص

گفتہ خبر مردوں کے خالق، معروف مفت معر نام کی زندگی کے واقعات خود انہی کے کلم سے ایک ایسی آپ بیتی ہے آپ بیتی میں ہے آخر میں کہ پڑتے پڑتے جانیں گے ساری چیزیں دینے والی شے کا منظر آپ بیتیاں بہت کم لکھی گئی ہیں۔

شعر و شریف

کے شمارہ اکتوبر 2022ء

شروع ہونے والا یہ سلسلہ آپ کو رویداد کر لگا

ہے۔ ”کریمہ اثبات میں سر ہلا کر اپنے گھر کے گیت میں داخل ہو گئی۔

☆☆☆

ڈاکٹر فروا کے ہاتھ میں اللہ نے اتنی شفا کر دی تھی کہ آدھا مرض تو ان کا محبت و نرمی سے بھر الجھتی دور کر دیتا اور باقی مرض دو خورا کوں سے اڑ چھو جاتا۔ اس کی دیکھا دیکھی مٹنے کی کئی خواتین ان کے پاس جانے لگی تھیں۔ کریمہ، مراد کے آفس جانے کے بعد اپنی کپڑوں کی الماری کی طرف متوجہ ہوئی اس کا ارادہ آج اسے سیٹ کرنے کا تھا۔ بھی ڈور تیل نے اسے اپنی جانب متوجہ کر لیا وہ گیت کھولنے کی تو اس کی پردہ عظمیٰ پریشان صورت اور آنکھوں میں آنسو لیے کھڑی تھی۔

”کیا عظمیٰ کیوں پریشان ہو؟“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آئی۔

”کریمہ ابھی ابھی شہزاد کا فون آیا ہے، تمہیں بتا ہے ناں ان کی دکان ڈاکٹر فروا کے کلینک کے قریب ہی ہے۔“ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی اور آنکھوں سے ٹپک ٹپک آنسو بہانے لگی۔

”ہاں تو پھر.....؟“ کریمہ اچھٹکی۔

”کریمہ ابھی ابھی شہزاد کا فون آیا ہے، تمہیں بتا ہے ناں ان کی دکان ڈاکٹر فروا کے کلینک کے قریب ہی ہے۔“ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی اور آنکھوں سے ٹپک ٹپک آنسو بہانے لگی۔

”ہاں تو پھر.....؟“ کریمہ اچھٹکی۔

”کریمہ ابھی ابھی شہزاد کا فون آیا ہے، تمہیں بتا ہے ناں ان کی دکان ڈاکٹر فروا کے کلینک کے قریب ہی ہے۔“ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی اور آنکھوں سے ٹپک ٹپک آنسو بہانے لگی۔

”کریمہ ابھی ابھی شہزاد کا فون آیا ہے، تمہیں بتا ہے ناں ان کی دکان ڈاکٹر فروا کے کلینک کے قریب ہی ہے۔“ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی اور آنکھوں سے ٹپک ٹپک آنسو بہانے لگی۔

”کریمہ ابھی ابھی شہزاد کا فون آیا ہے، تمہیں بتا ہے ناں ان کی دکان ڈاکٹر فروا کے کلینک کے قریب ہی ہے۔“ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی اور آنکھوں سے ٹپک ٹپک آنسو بہانے لگی۔

”کریمہ ابھی ابھی شہزاد کا فون آیا ہے، تمہیں بتا ہے ناں ان کی دکان ڈاکٹر فروا کے کلینک کے قریب ہی ہے۔“ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی اور آنکھوں سے ٹپک ٹپک آنسو بہانے لگی۔

”کریمہ ابھی ابھی شہزاد کا فون آیا ہے، تمہیں بتا ہے ناں ان کی دکان ڈاکٹر فروا کے کلینک کے قریب ہی ہے۔“ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی اور آنکھوں سے ٹپک ٹپک آنسو بہانے لگی۔

ختم ہوتی۔ کلینک کی کمائی کیا کم تھی جو کپڑے بھی بیچے گئی۔ وہ دونوں آہستگی سے باتیں کرتی بونیک والے حصے میں آگئیں۔ خواتین اور بچوں کے بہت ہی خوب صورت اور مناسب قیمت کے کپڑے تھے۔ ایک کارنر میں بچوں کے کھلونے اور اسٹیشنری دیکھ کر کریمہ اور عطیہ کی آنکھیں ہی ابل پڑیں۔

”سچ کہتے ہیں انسان کی ہوس ختم نہیں ہوتی۔ شادی کی نہ سچے، پتا نہیں اتنی دولت کا یہ عورت کرے گی کیا؟ بونیک میں اتنے خوب صورت کپڑے سجا رکھے ہیں اور خود گھسے پئے، پرانے ڈیزائن کے کپڑے پہنتی ہے۔ آج تک میں نے اس ڈاکٹر کے تن پر اچھا جدید لباس نہیں دیکھا۔“ عطیہ بھابی نے ڈاکٹر فروا پر دوسرے ایک نظر ڈالی جو پینل منہ میں دبائے کچھ سوچ کر رخ لکھ رہی تھیں۔

”اللہ بس پیسہ دے تو خرچ کرنے کا حوصلہ بھی دے۔ اب ہمیں دیکھ لیں، ہمارے شوہروں کی کمائی ہی کتنی ہے مگر ہر برائے کا سوٹ ہماری الماریوں میں جا رہا ہے۔ گھروں کو کتنا مینگین رکھا ہوا ہے، ہم نے سچے اچھے اسکولوں میں پڑھ رہے ہیں۔ سچی دنیا سے لے کر کیا جانا ہے سب کچھ ہمیں چھوڑ چھاڑ خالی ہاتھ نکل جائیں گے۔ جا رہی کی زندگی ہے بندہ پیش کرے۔“ کریمہ بہت آہستگی سے بول رہی تھی۔

”کوئی ڈریس پسند آیا میم آپ کو؟“ سیلز گرل کاؤنٹر سے اٹھ کر خندہ لب ان کے پاس چلی آئی تو انہوں نے اپنے لیے دو، دوسوٹ پسند کر کے مل بنوایا۔

”یہاں پر اتنی سیل ہو جاتی ہے کہ دکانوں کا کریمہ بھی نکل آئے اور منافع بھی ہو جائے؟“

کریمہ نے پونی سرسری سا سیلز گرل سے پوچھ لیا۔ کیونکہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد کلینک سے کتنی دکانوں کلینک کے ساتھ شامل کر لیا جاتا تھا۔

”کریمہ.....؟“ سیلز گرل نے نہ سمجھنے والے انداز میں دیکھا۔

”دیکھیں یہ کرشل جگہ ہے اور کافی مہنگے علاقے میں

نہ ہو جائے۔“ اس نے فروٹ سے بھری باسکٹ کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ اسی دم بچوں کے اسکول سے آنے کی آوازیں آئیں تو وہ ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

☆☆☆

کریمہ کار کا دروازہ کھول کر نیچے اتری اور اس میں سے چیزوں سے بھرے شاپنگ بیگز نکال کر کچھ بچوں اور مراد کو پکڑائے اور کچھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تمام لیے۔ وہ گھر کی ڈھیر ساری اشیائے کر آئی تھیں۔ پردے، بیڈ شیٹس، ہوم ڈیکور کئی گھنٹوں کی خوراک سے خریدی گئیں دیگر اشیاء..... اب وہ ایک، ایک چیز نکال کر دکھ رہی تھی۔

”مراد دیکھیں پردے کتنے شاندار ہیں۔“

گولڈن نیٹ کے پردے بہت ہی دیدہ زیب تھے۔ مراد نے بس ایک ستائی نظر ڈال کر اثبات میں گردن ہلائی تھی اور اپنے موبائل میں بڑی ہو گئے تھے وہ اپنی کئی شاپنگ پر خود ہی مسرور ہو رہی تھی۔

”عطیہ بھابی تو میری اتنی شاندار چیزوں کو دیکھ کر یقیناً سمجھ ہی جائیں گی۔“ وہ من ہی من میں مسکراتی تھی۔ دونوں دیواریں جھٹھانی میں مقابلے کی فضا قائم رہتی۔ عطیہ اپنے سے بہتر کسی کو گرد اتنی نہیں اور کریمہ ان کو زیر کرنے کے لیے ہر طریقہ آزما رہی تھی۔

وہ مسکراتی ہوئی سب چیزوں کو ٹھکانے پر رکھ کر اپنے اور مراد کے لیے چائے بنانے کچن میں چل دی۔

☆☆☆

صبح ہی عطیہ بھابی کے آئے فون نے اسے مستعد کر دیا تھا۔ انہوں نے اسے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تھا۔ اس نے جلدی سے کھانا بنایا اور ان کی طرف آگئی۔ ان کے معدے میں شدید جلن تھی اور انہوں نے ڈاکٹر فروا سے میڈیسن لی تھی وہ دونوں ڈاکٹر فروا کے کلینک پہنچیں تو حسب معمول خاصا رش تھا۔ وہ انتظار کی کوفت میں جٹلا ہونے ہی لگی تھیں کہ انہیں کلینک کے ایک حصے میں بلاؤٹیک دیکھ کر حیرت کا شہید جھکا لگا۔

”ہائے کریمہ، یہ دیکھو اس عورت کی ہوس نہیں



اپنے کلینک کی ساری کمائی، دکانوں کا کرایہ سب ملنے کے کاموں میں خرچ کر دیتی تھیں۔ یہ جو آج عورتیں آپ کو بین کر کے روتی دکھائی دے رہی ہیں ناں۔ ان کی بیٹیوں کو شاہانہ طریقے سے جہیز دے کر رخصت کیا تھا۔ کتنے ہی سفید پوش گھروں میں مہینے کا راشن پہلی تاریخ کو ان کے گھر پہنچ جاتا تھا۔ موذی امراض میں مبتلا لوگوں کا علاج کرواتی تھیں۔ میرے ابو کی وفات کے بعد باجی نے مجھے یہ بوتیک کھول دی تاکہ عزت کے ساتھ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو پال سکوں۔ یتیم بچوں کی کفالت کر کے انہوں نے اپنے لیے نیکیوں کے انبار لگا لیے۔ وہ ذرا دیر تو وقف کر کے آنسو پونچھنے لگی۔

”کچھ دن پہلے باجی نے وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد ان کے حصے میں آئی تین دکانوں کا کرایہ اور بوتیک کی آمدن انہی غریب لوگوں پر خرچ کی جائے۔ باجی نے ہم ملازموں کو کبھی ملازم نہیں سمجھا۔ پہلے ہمیں کھلاتیں، ہماری ضرورت پوری کرتیں۔ میرے بھائی کو پڑھایا پھر ملازمت بھی دلوائی، مجھے بھی ہو میو پیٹھک کالج سے ٹریننگ کروا کر اپنے ساتھ لگا لیا۔“ وہ لڑکی روتی جاتی اور بتاتی جاتی تھی۔

کریمہ اور عطیہ بھابی منجھد ہو چکی تھیں۔ رخساروں پر پھیلے آنسو ندامت اور شرمندگی کے تھے۔ ڈاکٹر فروا کو حد درجہ بخیل و مسک سمجھنے والی آج ان کے نخی ہونے کا جان کر آنسو بہا رہی تھیں۔ کوئی چار دن کی عیش کی زندگی جی کر دنیا سے خالی ہاتھ چلا جاتا ہے اور کوئی چار دن کی زندگی میں دوسروں کی زندگی میں خوشیاں اور راحت بانٹ کر اپنے دامن کو نیکیوں سے بھر کر لے جاتا ہے۔ اپنی خواہشات کو کچل کر لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنا ہی تو انسانیت کی تکمیل ہے۔ وہ دونوں ڈاکٹر فروا کو عقیدت سے دیکھتی جاتی تھیں اور آنسو بہاتی جاتی تھیں۔ لوگوں کی تکلیفیں دور کرنے والی نے اپنی قبر میں راحت کا سامان کر لیا تھا۔ اپنی اور اپنے والدین کی بھی عاقبت سنوار لی تھی۔



”انہوں نے بتایا کہ ان کے سامنے والی پوری مارکیٹ بند ہے۔ پتا کرنے پر معلوم ہوا کہ ڈاکٹر فروا کا انتقال ہو گیا ہے۔“

”کیا.....؟“ یہ خبر سن کر اس کا کلیجا دھک سے رہ گیا۔

”مگر وہ تو اچھی بھلی تھیں چند دن پہلے ہی تو میں ان کے کلینک سے ہو کر آئی ہوں۔“

”نا ہے رات ہارٹ فیل ہوا ہے۔ ظہر کے بعد جنازہ ہے۔ میں تو ضرور جاؤں گی، تم نے چلنا ہے تو بتاؤ۔“

”ہاں، ہاں میں بھی جاؤں گی بلکہ عطیہ بھابی بھی۔“ کریمہ کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔



سفید لباس میں لپٹا وہ نازک سا وجود پُر سکون خاموش پڑا تھا۔ بند آنکھیں دیکھ کر یوں لگتا تھا عرصے کے بعد اپنی نیند پوری کر رہی ہوں۔ ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کی لکیر تھی۔ چہرہ یوں مطمئن تھا جیسے اپنے رب کے پاس دنیا سے سرخرو ہو کر جا رہی ہوں۔

لوگوں کا جم غفیر تھا، ہر آنکھ اشک بار تھی۔

”ہائے باجی ہم یتیم ہو گئے، بے آسرا ہو گئے، ہمیں یوں چھوڑ کر نہ جاؤ۔“ کسی خاتون نے سینے پر دو ہتھ مارے تھے۔

”کیسا عالیشان گھر ہے، کروڑوں کی جائیداد، اتنا روپیہ پیسہ سب چھوڑ کر آج خالی ہاتھ جا رہی ہیں۔ اپنی جان پر ہی لگا لیتیں۔“ عطیہ بھابی نے تاسف سے سرگوشی کی۔

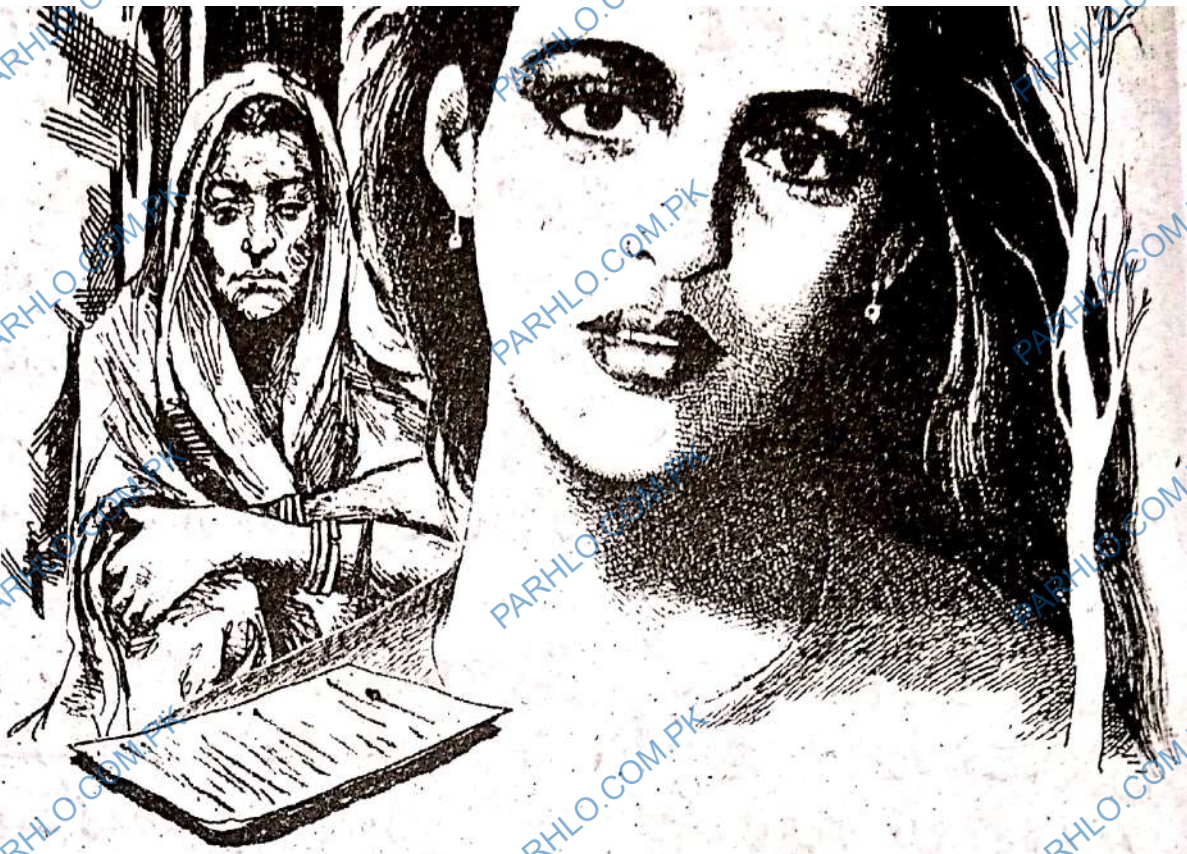
”کیا بات کر رہی ہیں آپ؟ باجی خالی ہاتھ نہیں جا رہیں، وہ تو بہت کچھ اپنے ساتھ لے کر جا رہی ہیں۔“ ان کے ساتھ بیٹھی وہی سیلز گرل جلدی سے بولی تھی۔ عطیہ بھابی کی سرگوشی اس نے سن لی تھی۔

”کیا مطلب..... کیا ساتھ لے کر جا رہی ہیں؟“

وہ حیران ہوئیں۔

”ان سب غریب عورتوں کی دعائیں ان کا توشہ آخرت ہیں۔ باجی نے کبھی اپنے کھانے، پہننے پر توجہ نہ دی۔ پہلے ماں کی خدمت میں کسر نہ چھوڑی جب وہ چلی گئیں تو غریب و بیوہ عورتوں کی خدمت میں جت گئیں۔“





## سبزی والے کی آواز دامن کی آواز فہرست

سبزی والے کی آواز پر لاونج میں صوفے پر پیر  
پیارے بیٹھی زرنگار فوراً چونکی اور ٹی وی پر چلتے مارننگ  
شو کو جھٹ ریموٹ سے آف کر دیا۔ پھر پاس پڑا دوپٹا  
اوڑھ کر چیل پیروں میں ڈالی اور عجلت میں مین گیٹ کی  
طرف بڑھی۔  
”آلو والے، بیگن والے مہنڈی والے۔“

سبزی والے کی پاٹ دار آواز کانوں کے پردے ہلا  
رہی تھی۔

اس نے دروازہ کھولنے سے قبل حسبِ عادت  
گیٹ کی ”آئی“ سے باہر جھانکا۔

سامنے چوہدری صاحب کی نوجوان لڑکی مینا  
اپنے گیٹ پر کھڑی سبزی والے سے بھاؤ تاؤ میں



اتنے میں ساتھ والے گھر کا دروازہ کھلا اور شیخ  
ہاؤس کا فرزند بیٹپو، بکھرے بالوں اور نیند بھری آنکھیں  
لیے باہر نکلا۔

مینا اور بیوی نے نظر ایک ساتھ اس پر پڑی تھی۔ اور دونوں کی جیسے کوئی چوری پکڑی گئی۔ مینا کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی اور وہ بدحواسی میں ریزھی سے بیٹھن اٹھا کر خود ہی ترازو میں ڈالنے لگی۔

”باجی آج بہت تازہ جبری لایا ہوں۔ منڈی سے۔ بتائیے کیا تولوں؟“ سبزی والا زنگار کو دیکھ کر خوش دلی سے بولا۔

☆☆☆

”کیا ہوا باقی جی؟“ وہ کام سے ہاتھ روک کر شتیاق سے زرنگار کو دیکھنے لگا۔ جو سلب پر سزا کا

مزید از خبر برآمد ہوتی ہے اس لیے یہ تاب نگی۔  
 ”وہ سامنے والے چوہدری صاحب کی بیوی بیٹی  
 ہے ناں مینا۔“ وہ دانستہ خاموش ہوئی۔

”کہا ہا۔۔۔ ماں! اچھے رشتوں کی تلاش میں اپنے بچے پھونک رہی ہے۔ اور بیٹی بغل میں عاشق چھپائے تھی ہے۔“ زور نگار نے مصنوعی انوس ظاہر کیا۔  
”کیا؟“ خیرال کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”یائے کعبہ“ خیراں کو گمراہی سی ہوا آخر

”یہی ہے خدا کا لاکھ، لاکھ شکر ہے کہ میری لڑکی  
 ایسی نہیں۔“ زرنگار کی مسکراہٹ اپنی بیٹی کے ذکر پر  
 میٹھی سی ہوئی۔  
 ”شکر خدا کا۔“ خیراں نے زور شور سے جملہ

”ہر وقت میری بیٹی پر حنائی کی فکر میں ہلکان رہتی ہے۔ آج کل بھی بس امتحانوں کی فکر سوار ہے۔ کالج کے بعد سارا دن کمرے میں کھسی پڑھتی رہتی ہے یا کبائن اسٹڈی کو کسی سہیلے کے گھر چلی جاتی ہے۔ میں تو

”ہنسی ہے امی مجھے تو بس ڈاکٹر بنانا ہے۔ اس نے  
دادا ابھی ڈاکٹر تھے ناں۔“ اس نے خیراں کو فخر سے بتایا۔  
”میں بھی چاہتی ہوں بچی کچھ بن جائے۔ تبھی تو  
بچپن کے ادھر گھر کے کاموں سے اسے دور رکھتی ہوں۔  
اب دیکھو مکمل دودھ ابا لے لے بے دھیانی میں ہاتھ جلا بیٹھی  
ہوں۔ کتنے چھالے بڑ گئے ہیں۔ پھر بھی خود ہی ہانڈی  
دوٹی کر لوں گی، بچی کو نہیں کہوں گی میں۔“ زنگار نے  
ناخوشانہ لہجہ میں کہا۔

انہوں نے دیکھا۔  
 ”بس اب کیا کریں۔ میری بہن زویہ کا امریکا  
 سے فون آیا تھا اسی سے باتوں میں مگن ہوئی تھی۔“ وہ  
 کھیا کر رہی تھی۔  
 ”اچھا یہ زویہ باجی وہی ہیں ناں۔ جن کے بیٹے  
 اچھارے کا رشتہ طے ہوا ہے۔“ خیراں کے سوال پر

”اُف اتنا وقت گزر گیا اور تم نے ابھی تک برتن بھی نہیں دھوئے۔ بہت کامل عورت ہو۔“ اچانک زرنگار کی نگاہ والہلاک پر پڑی تو وہ خیراں پرچہ دوڑی۔

خیراں جو باتوں کے مزے لے رہی تھی منہ بنا کر پھر سے برتن دھونا شروع کر دیے۔

☆☆☆  
 زرنگار فطرتا پر کا پرندہ بنانے والی عورت تھی۔  
 لوگوں کی ٹوہ میں رہنا ان کی کمزوریاں اچھالنا اس کا  
 پسندیدہ مشغلہ تھا۔ سسرال میں بھی اسی فطرت کے  
 ہاتھوں وہ کئی دفعہ جنگ عظیم کروا چکی تھی۔  
 وہ بیاہ کر اپنی سگی چھوٹی کے گھر آئی تھی۔ خاندان  
 ایک تھا تو سب کی خامیاں، خوبیاں بھی پہلے سے عیاں  
 تھیں۔ دوہم عمر کزنز جن سے شادی سے پہلے زرنگار کی  
 گاڑی چھٹی تھی اور کبھی وہ زرنگار کی راز دار سہیلی کی  
 حشمت رکھتی تھیں۔ شادی کے بعد ان دونوں سے ہی



اس کی ٹھن گئی۔ ان مندوں کے وہ راز جو سہیلیاں عموماً ایک دوسرے کو بتاتی رہتی ہیں زرنگار نے شوہر کے سامنے بڑے مزے سے کہہ سنائے۔

”افشاں کا معاشرہ بڑی قدوس کے ساتھ چل رہا ہے۔ وہ اپنے ماموں زاد حسن سے بھی شادی نہیں کرے گی۔“ نوبیا بتا دہن نے جب اولین غمار آلودوں میں ہی اپنے میاں راشد کے کانوں میں اسی کی بہن کا راز اگل دیا تو راشد حیرت کی زیادتی سے بت بن گیا۔

”دونوں چھت پر میل ملاقات کرتے ہیں۔“ وہ راز داری سے اور قریب ہوئی۔ راشد کا چہرہ اسے لطف دے رہا تھا۔ بے چینی، بے چینی اور بے تحاشا غصہ۔ راشد فن کرتا بہن کے سر پہنچ گیا اور بہن کو کچھنوں سے لال کر دیا۔

”ابھی نکلتا ہوں تیرا عشق۔“ وہ حیران پریشان چٹی رہی۔

پھر اس کی نظر اپنی دوست اور بھابی کے رتبے پر تازہ، تازہ فائر ہوئی زرنگار پر پڑی اور بس ایک لمحہ لگا اس کو صورت حال سمجھنے میں۔

راشد نے اسی شام مندوں کی بھی اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر اچھی خاصی ٹھکانی کر دی۔ اور آنا فانا افشاں کا چٹ منگنی اور پٹ بیاہ والا معاملہ ہو گیا۔ افشاں دل میں زرنگار کو کوسئی، گالیاں دیتی حسن کے ساتھ بیاہ کر چلی گئی۔

دوسری نند درخشاں کی زندقہ بھی بھائی نے تنگ کر کے رکھ دی، اس کے بھی کردہ تا کردہ گناہوں کی فہرست زرنگار نے راشد کے ہاتھ میں تھما دی۔

”کالج میں فلاں کلرک سے بہت بے تکلفی دکھائی تھی فلاں دکان دار سے بہت فری ہوئی تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔“

زرنگار میں یہ سمجھ بہت پہلے سے ہی تھی کہ کبھی اپنا خال دل کی کوئیں کہا نہ بھی اپنی کوئی قابل گرفت بات کسی کے سامنے آئے دی۔ حالانکہ اسے وقت میں اس نے بھی اپنے طور پر لڑکوں سے ہلکے چٹکے مراسم رکھے تھے۔ مگر بظاہر بار سامنے کی بھرپور اداکاری کرتی۔

مندوں کو کوئی ایک سہ ماہی بات اس کے خلاف نہ تھی۔

تھی اور دونوں اس بات پر چلبلا بھی تھیں۔ پھر جلد ہی درخشاں کی شادی بھی ہو گئی اور سسرال کے نام پر ایک ضعیف ساس ہی رہ گئی جو لڑکیوں سے کچھ کتنی تو زرنگار ان کا اگلا پچھلا سب حساب ایک کر کے رکھ دیتی۔

دو ہی سالوں کے اندر اندر دونوں مندوں سے چھٹکارا حاصل کر کے اب وہ مطمئن تھی۔ پھر جلد ہی ساس بھی چل بسی اور گھر میں زرنگار کی حکمرانی ہو گئی۔

افشاں اور درخشاں جو بھی دو گھڑی ماں سے ملنے آتی تھیں اب بالکل ہی آنا جانا چھوڑ بیٹھیں۔ لیکن یہاں پروا کسے تھی۔ راشد تو پورا زرنگار کی مٹھی میں تھا اسی کی آنکھوں سے دیکھتا اور اسی کے کانوں سے سنتا تھا۔

زرنگار کو خدا نے یکے بعد دیگرے دو بیٹے اور ایک بیٹی سے نوازا تھا۔ جب تک بچے چھوٹے تھے زرنگار کافی حد تک ان میں ابھی رہی۔ پھر ان کے کچھ سمجھدار ہوتے ہی اس نے کچھ سکون کی سانس لی اور پھر سے اپنے من پسند مشغلے میں جت گئی۔ اس بار اس پڑوس کے گھروں میں بیٹے افراد اس کا ہدف تھے۔

وہ پڑوس کی عورتوں سے میل جول بڑھا کر بھناپا جوڑ لیتی۔ دن رات کا آنا جانا۔ اٹھنا بیٹھنا اس وقت دشمنی میں بدلتا جب ایک پڑوس کے راز کی باتیں دوسری پڑوس کو مریج سالانہ گرسنائی اور بات محلہ میں آگ کی طرح پھیل جاتی پھر یادگار رنگ برپا ہوتا۔

یوں پڑوس کی عورتوں نے زرنگار سے کتنا شروع کر دیا کہ اپنی عزت سب کو پیاری تھی۔ کچھ شرمندہ خواتین جو زرنگار جیسی فطرت رکھتی تھیں۔ اس سے مل گئیں یا پھر گھر بیلو ملازما میں جو ہر گھر کی خبر دوسرے گھر میں پہنچانا اپنا فرض سمجھتی تھیں۔

راشد صبح اپنے جنرل اسٹور پر جاتا تو رات گئے ہی واپس آتا۔ پیچھے زرنگار سارا دن اسی طرح کی سرگرمیوں میں مشغول رہتی۔

☆☆☆  
زرنگار گرم دودھ کا گلاس لے کر گڑیا کے کمرے میں آئی تو وہ ہنر بھئی لپٹ پٹ پٹ پٹ دھکائی دی۔

زرنگار نے گلاس ساؤنڈ نیل پر رکھا تو گڑیا چونک اٹھی۔ ”ای امی وہ میں پڑھائی کر کے تھکی گئی تو فیس بک کھول لی۔ وہ کچھ وضاحت دینے لگی مگر زرنگار کی نگاہیں تو لپٹ پٹ کی اسکرین پر جم گئیں۔

”ارے یہ افشاں کی بیٹی نہیں ہے ناں۔“ وہ بیٹھ پڑی مگر بغور اس کی تصویر کو دیکھنے لگی۔

”جی امی۔“ گڑیا نے مری مری سی آواز نکالی۔ ”تیری دوستی ہے کیا اس سے؟“ زرنگار نے بیٹی کو گھورا۔

”نہیں، ہم بس فیس بک فرینڈز ہیں۔“ گڑیا نے لب کاٹے۔

”یہ کس طرح کا لباس پہنا ہے اس نے اور یہ لڑکے کون ہیں؟“ زرنگار کا بس نہیں چل رہا تھا کہ لپٹ پٹ کے اندر جا گئے۔ جہاں سنڈریلا کے لباس میں نمبرہ کافی حسین نظر آ رہی تھی اور ساتھ دیمپنا اور بیٹ

مین کا روپ دھارے چند لڑکے کھڑے تھے۔ ”ان تجوس ماروں نے اپنے چہروں پر کیا لیا پوتی کی ہے اور یہ اسے خوف ک کیوں نظر آ رہے ہیں؟“ وہ تار پوتوں سوالات کے جاری تھی۔

”امی نمبرہ میڈیکل کالج میں پڑھتی ہے ناں تو اس کے کالج میں کریزی ڈے منایا جا رہا تھا اسی لیے سارے اسٹوڈنٹ مختلف گیسٹ اپ کر کے آئے ہیں۔“ گڑیا نے بتایا تو زرنگار نے بھوس بھوس کی۔

”لو جی اب مخلوط تعلیمی ادارے میں پڑھ رہی ہے کیا یہ کافی نہیں۔ جو یار دوستوں کے ساتھ مون منی بھی کرتا فرض ہے۔ بالکل اپنی یاں پر پڑی ہے۔ اس کو بھی لڑکوں کی دوستی بڑی بھائی تھی۔“ زرنگار نے گے ہاتھوں تند کے کردار کو گھبراہٹ۔

”امی بس کریں یہ تو عام بات ہے آج کل۔“ گڑیا نے بے بسی سے لپٹ پٹ پر نظر کیا، بجائے بیٹی ماں کو دیکھا۔

”کیا کہا یہ عام بات ہے۔ لڑکی ہوش کے ناخن لو۔ اگر میڈیکل کالج میں یہی یاری دوستیاں کرنی ہیں لڑکوں سے تو یہی تو یہی بھلی۔“ اس نے فوراً بھڑک

## احساس زیاں

آپریشن کے بعد جب وہ ذرا ہوش میں آیا تو بہت خوش ہوا۔

اس نے کہا۔ ”اللہ کا لاکھ، لاکھ شکر ہے کہ یہ مرحلہ بھی بخیر و خوبی انجام پڑا۔“ اس کے ساتھ والے مریض نے کہا۔ ”آپریشن کے معاملے میں کوئی منزل بھی وجہ تسلی نہیں ہوتی۔ میرے اپنے آپریشن کے دوران میں ڈاکٹر میرے جسم کے اندر ایک اشخ بھول گیا تھا۔“

”تو پھر کیا ہوا تھا؟“

”دوبارہ زخم کھولنا پڑا اور پھر اشخ باہر نکالا۔“ یہ کہانی سن کر ایک تیسرے مریض نے کہا۔

”حیران ہونے کی کون سی بات ہے۔ یہ حادثہ میرے ساتھ بھی ہو چکا ہے۔ میرا بھی دوبارہ آپریشن ہوا تھا۔ میرے جسم کے اندر ایک اور لورہ گیا تھا۔“

اسنے میں وہی ڈاکٹر جس نے اس کا آپریشن کیا تھا کمرے کے اندر داخل ہوا اور کہنے لگا۔ ”کسی شخص نے میرا ہیٹ تو نہیں دیکھا؟“

ڈاکٹر کی بات سنتے ہی مریض پھر سے ہوش ہو گیا۔

مرسلہ: نمبرہ فہم عطاری، کراچی

کر دونوں ہاتھ جوڑے اور ماتھے تک لے گئی۔

”آف امی یہ خاص دن ہوتے ہیں صرف ایکٹیوٹی کے لیے تاکہ شاگرد نصابی تعلیم سے کچھ ریلیکس حاصل کریں۔“ گڑیا اب بے ہیزار ہونے لگی تھی۔

”امی اب مجھے نیند آ رہی ہے۔“ اس نے ہاتھ بڑھا کر لپٹ پٹ آف کیا تو زرنگار بد مزہ ہو کر سیدی ہوئی۔

”اچھا اب یہ دودھ پی کر سو جانا۔“ وہ اس کو ہدایت دے کر کمرے سے نکل آئی۔

☆☆☆



انہی دنوں ان کے گھر کے ساتھ والے بنگلے میں نئی چلی شٹ ہوئی تھی۔ سو آج زرنگار ان سے ملنے کے ارادے سے تیار ہو کر گھر سے نکلی۔

اس سے پہلے کہ اس بڑوس کی دوسری عورتیں ان لوگوں سے مراسم بڑھا کر زرنگار کے حلق الٹی سیدھی ہائیں۔ وہ ان کو محض بھری عورتوں کے اخلاق و کردار کی سب خامیاں بتا دینا چاہتی تھی۔ تاکہ وہ کسی اور کی باتوں میں نہ آئیں۔

کال بیل بجا کر وہ اس شاندار جدید طرز پر بنے بنگلے کو دیکھنے لگی۔ جس میں پہلے کوئی اور فیملی رہائش پزیر تھی۔ پھر وہ گھر بچ کر کہیں اور شٹ ہو گئے۔ اور نئے خریدار نے پرانے گھر کو گرا کر یہ شاندار بنگلا تیار کروا دیا جو ان کے علاقے کا بلاشبہ سب سے بہترین مکان تھا۔ دروازہ چوکیدار نے کھولا تو وہ اپنا مختصر تعارف کروا کر اندر چلی آئی۔ لان کے سچ بنی روش پر چلتے ہوئے وہ گھر کے اندرونی حصے کی خوب صورتی سے بھی متاثر ہوئی تھی۔

ملازم نے اس کو ایک آراستہ و پیراستہ ڈرائنگ روم میں لا بٹھایا تھا۔ وہ نرم و گداز صوفے پر بیٹھی کمرے کا جائزہ لے رہی تھی کہ ایک باوقار و خوب صورت خاتون ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔

”السلام علیکم“ خاتون کے سلام پر زرنگار صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور ان سے گرم جوشی سے بغل گیر ہو کر سلام کا جواب دیا۔

”میرا نام زرنگار ہے آپ کے گھر کے بالکل ساتھ والا گھر میرا ہے۔“ اس نے بتایا تو وہ خاتون خوش دلی سے مسکرا دیں۔

”بہت خوش ہوئی آپ سے مل کے پلیز تشریف رکھیے۔“ خاتون نے شاہجی سے کہا اور خود بھی زرنگار کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

”آپ نے گھر ماشاء اللہ بہت اچھا بنوایا ہے۔ مجھے تو بڑی خوشی ہوئی کہ میرے برابر میں کوئی پریمی لکھی

اچھی فیملی آکر رہی ہے۔ ورنہ تو محلے میں اکثر بہت جاہل اور بدترین لوگوں کی ہے۔ آپ سے پہلے جو فیملی یہاں رہتی تھی وہ تو بہت ہی ان پڑھ اور لڑا کو لوگ تھے۔ میں تو دعا کرتی تھی کہ خدایا ان شر پسندوں کو یہاں سے نکال۔ آخر میری دعا رنگ لائی۔“ زرنگار نے نان اسٹاپ بولتے پر یک لگایا۔

”اوہ..... تو کیا اس علاقے کے لوگ ان پڑھ اور لڑا کا ہیں۔“ خاتون فوراً پریشان ہو اٹھیں۔

”سب نہیں لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں آپ بس ان سے بچ کر رہیے گا۔ میں ہوں ناں آپ کو گناہ نہ کرنی رہوں گی تاکہ آپ ان لوگوں کو اچھی طرح جان لیں اور ان کے شر سے محفوظ رہیں۔“ اس نے جیسے ان کو کولی دی مگر خاتون کا چہرہ اب بھی پریشان دکھ رہا تھا۔ اور زرنگار بھی چاہتی تھی۔

”میں نے کہا ناں آپ بے فکر رہیں، میں ہوں ناں، آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ویسے آپ کے میاں کیا کرتے ہیں۔“ زرنگار نے پھر پورا اعتماد دلایا پھر کچھ محسوس ہو چھا۔

”میرے سہیل بزنس میں ہیں۔“ ”اوہ اچھا!“ ان کے جواب پر زرنگار نے سر ہلایا۔ اسنے میں ملازم پر تکلف لوازمات سے بھری ٹرائی دکھایا ہوا آیا تھا۔

”آپ چائے اور اسٹیکس لیں ناں۔“ خاتون نے حق میز بانی بھجایا تو زرنگار بھی بے تکلفی سے چڑوس سے انصاف کرنے لگی۔

”یہ آپ کا بیٹا ہے؟“ زرنگار نے نازک شیشے کے ریک پر رکھی ایک خوب صورت نوجوان کی تصویر کی جانب اشارہ کیا۔

”جی، یہ میرا بڑا بیٹا عماد ہے ماشاء اللہ اپنے پاپا کے ساتھ بزنس کرتا ہے۔“ خاتون کے چہرے پر ممتا کے رنگ بکھر گئے۔

”ماشاء اللہ بہت خوب صورت ہے۔“ زرنگار نے فوراً کہا۔ اسے لڑا اچھا لگا تھا۔

خاتون مسکرا دیں۔ ”میرے ماشاء اللہ تینوں بیٹے خوب صورت اور قابل ہیں۔“ خاتون کے لہجے میں فخر تھا۔

”اللہ نے بیٹی کی رحمت نہیں دی بس تین لعلیں دی ہیں۔“ ”اوہ اچھا..... کوئی بات نہیں، بیٹی کی حسرت بہوؤں میں پوری ہو جاتی ہے۔“ بیٹی ہوئیں ہیں آپ کی؟“ زرنگار نے استفسار کیا۔

”ابھی تو عماد کی ہی منگنی کی ہے۔ دعا کریں کہ میری ہونے والی بیوی میری بیٹی ہی بن جائے۔ میں تو اپنی طرف سے اسے سبکی ماں کی طرح پیار کرتی ہوں۔“ خاتون کی بات پر زرنگار نے رنگ سے انہیں دیکھا۔ ”بہت خوش قسمت لڑکی ہے وہ جسے آپ بھی ساس ملے گی۔ آپ نے انہوں میں رشتہ جوڑا ہے یا غیر وہ ہیں؟“

”غیروں میں رشتہ کیا ہے اسی لیے تو سناں ہوں۔“ لڑکی بیٹے پنہ کی ہے۔ ورنہ میرا رخاں تو اپنی بہن کی بیٹی کی طرف تھا لیکن میرے زندگی تو بیٹے نے گزارنی ہے۔“ انہوں نے بتایا تو زرنگار نے براسانہ بنایا۔

”بہن جی خدا معاف کرے، یہ آج کل کی لڑکیاں سیدھا لڑکے کو پھانس لیتی ہیں۔ پیدا کرنے والے ماں باپ ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔ ویسے کہاں کے رہنے والے ہیں آپ کے سہیلانے والے؟“ زرنگار نے برائے بات پوچھا۔

”اسی شہر کے ہیں۔ لڑکی میڈیکل کے فاسل ایئر میں پڑھتی ہے۔“ خاتون کی بات پر زرنگار بھی کچھ رہ گئی۔

”کوئی تصویر ہو تو دکھائیے گا۔“ اور اس کے ساتھ ہی وہ خاتون باہر لاؤنج میں لگی منگنی کی تصویر اتار لائیں۔

”افشاں کی بیٹی نمبرہ؟“ ان کی آواز کسی کنوین سے برآمد ہوئی۔

”جی ہاں، بچہ، نام ہے میری سمدھن کا۔ آپ

دامن سے لگی آگ

انہیں جانتی ہیں؟“ خاتون کے سوال پر ایک زہریلی مسکراہٹ زرنگار کے چہرے پر بیک گئی۔

”بہت اچھے۔ دراصل افشاں میری منہ ہے۔“ ”ارے پھر تو آپ ہماری رشتے دار نکل آئیں۔“

بہت خوشی کی بات ہے۔“ خاتون نے گرم جوشی کا اظہار کیا۔ ”لیکن معاف کیجئے گا آپ کو منگنی کے فکشن میں یا اس کے بعد بھی میں نے کبھی دیکھا نہیں۔ حالانکہ آپ کا تو بہت قریبی رشتہ ہے۔“ انہوں نے اچھی سے کہا

تو زرنگار کا شاطر ذہن فوراً جاگ اٹھا۔ اور اس نے معصوم سے شکل بنالی۔

”ہاں جی، یہ بھی ایک المیہ ہے کہ جو رشتے دار آئینہ دکھا دے وہ برا بن جاتا ہے اور اس کے ساتھ فوراً میل جول ختم کر دیا جاتا ہے۔“

”کیا مطلب؟“ خاتون واضح چوکی تھیں۔ ”بس بہن نہ ہی پوچھیں تو اچھا ہے..... خواہ خواہ آپ کا دل برا ہوگا اور میں بھی بری بنوں گی۔“ اس نے

تجامل عارفانہ سے کام لیا جس پر ان خاتون کا جھس جھونک پھٹ گیا۔

”پلیز مجھے بتادیں اگر کوئی ایسی ویسی بات ہے اس فیملی میں۔ مجھے ویسے بھی غیروں میں رشتہ جوڑنے سے کافی تحفظات ہیں۔“ خاتون نے بچپن ہونے سے ”وہ دراصل بات یہ ہے کہ.....“

خاتون کے اصرار پر زرنگار نے معنوی بے بسی سے انہیں دیکھا۔

”آپ مجھے حقیقت بتائیں، میں وعدہ کرتی ہوں آپ کا نام نہیں آئے گا۔“ خاتون نے بے صبری سے اسے حوصلہ دیا۔

پھر زرنگار جو شروع ہوئی تو افشاں کی جوانی کی فاش غلطی سے لے کر نمبرہ کی کھلی ڈلی ناعرموں سے دوستی کی جھوٹی جی داستانیں مریج مسالے لگا کر کہہ سنائیں۔ جیسے جیسے اس کی بات آگے بڑھتی گئی خاتون کے چہرے کے تاثرات میں نرمی کی جگہ گرمی نے لے لی۔ پیشانی پر لاتعداد شکنیں پڑ گئیں اور اشتعال آنکھوں

”جی ہاں، بچہ، نام ہے میری سمدھن کا۔ آپ

محکم دلائل سے مزین و متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



سے جھلکنے لگا۔

عاقبت کیم کا بی بی ہائی ہو چکا تھا۔

”اچھا جی میں چلتی ہوں آپ کے حق میں بہتری کی دعا کروں گی۔“

زرنگار نے آگ لگا کر اجازت چاہی تو انہوں نے موقوف ہوتے دماغ کے ساتھ سر ہلا دیا۔

☆☆☆

پھر کئی روز گزر گئے زرنگار بے چینی سے منتظر تھی کہ نمبرہ کی منگنی کو سننے کی خبر خاندان میں پھیلے اور اس تک پہنچے بھی۔ زرنگار نے اس کی منگنی کے متعلق سن تو رکھا تھا مگر ہونی کس سے تھی یہ نہیں جانتی تھی۔

لیکن ابھی تک کچھ ظاہر نہیں ہوا تھا حالانکہ زرنگار نے اپنے طور پر کئی ایک سرسالی خواتین سے کریدنے کی کوشش بھی کی پر کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ یہ تو زرنگار کو پورا یقین تھا کہ اس کی کل افشانی کے بعد یہ رشتہ ضرور ٹوٹے گا مگر خاندان بھر میں جس طرح کے تماشے کی وہ منتظر تھی وہ ابھی نظر نہیں آیا تھا۔

اس دن بھی وہ یہی سوچ لے بیٹھی تھی کہ رنگ ٹون بننے پر ہاتھ بڑھا کر پاس رکھا موبائل اٹھالیا۔

”بڑی شہنشاہی کلچر میں کر لیا اپنا مقصد پورا۔“ موبائل سے جانی پہچانی آواز ابھری تو زرنگار چونک کر سیدھی ہوئی۔

”زبان سنجال کر بات کرو افشاں۔“ اس نے ماتھے پر ہل ڈال کر ٹوکا۔

”ارے میں کیا زبان سنجالوں۔ میری بی بی کا نصیب خراب کرنے والی ڈائن کے آگے۔“ افشاں پھٹکاری مچی۔

”پہلے مجھے ذلیل کیا بھائی کی نظروں میں۔ مجھے اپنے میکے میں پر اپنا کرونا۔ ہم ماں بہنوں کا جینا حرام کیا اور اب میری بی بی کا اچھا بھلا رشتہ توڑا کر زمانے میں رسوا کر رہی ہو کم ظرف عورت۔ ہم سے کیا دشمنی ہے تمہیں۔“ افشاں کا ضبط جواب دے چکا تھا۔ وہ اوپر کی

”بس بہت سن لیا میں نے۔ ہمارے ایک لفظ کا تو بہت برا ہوگا۔“ زرنگار کا غیر آسان چہرہ تھا۔

”جیسی تم کردار کی ہلکی سیل چینی تمہاری بی بی ہے۔ سارا زمانہ جانتا ہے تم جیسیوں کو۔ کام اپنے غلط الزام دوسروں پر۔“ زرنگار کی بات پر افشاں تڑپ اٹھی۔

پوچھے۔ دیکھنا ایک دن اور دوں گے لیے لنگائی آگ میں تیرا اپنا دامن جھلے گا، اس دن تو اپنے کے پر ضرور پھٹسائے گی۔“

”ہنہ بڑی آئی بد دعائیں دینے والی۔“ زرنگار نے نفرت سے سر جھٹکا تھا۔

اسی وقت راشد لاؤنج میں چلے آئے۔ زرنگار نے فوراً اپنے چہرے کا رویہ درست کیا۔

”ایک کپ چائے تو پلاؤ زرنگار۔“ وہ اپنا کنبلیاں دبانتے صوفے پر بیٹھے تو زرنگار نے تشویش سے متعلق نظر آتے شوہر کو دیکھا۔

”خیریت تو ہے جی۔۔۔۔۔ میں دروہے کیا؟“

”کام کا بوجھ ہے ہیگم۔ ایک اکیلا آدمی گھر سے باہر سو باتوں کو منہ دے رہا ہوں۔ تمہارے صاحبزادوں کو تو توفیق نہیں ہوئی باپ کا ہاتھ بٹانے کی۔“ راشد بھرے بیٹھے تھے جی سے بولے۔

”کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ وہ دونوں تو خیر سے آدھا دن یونیورسٹی سے تھکے ہوئے گھر آتے ہیں پھر سو رہتے ہیں۔ آج کل کی پڑھائی بھی تو نچوڑ دیتی ہے بچوں کو، ایسے میں وہ کیا ہاتھ بٹائیں آپ کا۔“ زرنگار نے فوراً بیٹوں کی سانس ڈی۔

”یہ خوب کبھی ہیگم۔ یار دوستیاں نبھانے موج مستیاں کرنے کا وقت مل جاتا ہے پڑھائی کے ساتھ، ساتھ بس باپ کا ہاتھ بٹانے سستی چڑھتی ہے۔“ راشد کا پارہ ایک دم ہائی ہو گیا۔

”دودن سے ان تا بنجاروں کو کہہ رہا ہوں کہ شہر سے باہر جاؤ مجھے کام سے۔“ پچھلے ہر اس کی عمرانی

کلی، پاپے صاحب بھی ہے۔ وہ میں ملازموں پر

دامن سے لگی آگ

”آج تک پوزیشن ہی تو جی آئی ہے ناں

اسکول کالج میں۔ میٹرک تک بمشکل پاسنگ مارکس ملے رہے ہیں ہر سیکٹ میں اسے۔ اچانک کہاں سے اتنی ذہانت آگئی کہ ڈاکٹری میں جائے گی۔“

راشد کہتے جا رہے تھے اور زرنگار منہ کھولے یہی سوچ رہی تھی کہ راشد کو اپنی اولاد کے خلاف اتنا بھڑکانے والی کون ہستی ہو سکتی ہے۔

”ہونہ ہو یہ افشاں کا کارنامہ ہے۔ بھائی کو کھڑا کر بیوی بچوں سے متنفر کرنے کو ذرا ہی نے اگلا ہے یا

پھر کچھ جادو جادو کر دیا ہے۔“ جیسی یہ اتنا غصہ ہوئے ہیں ورنہ تو میرے سامنے بھی اونچا بھی نہیں بولتے۔۔۔۔۔ آج فون پر کیے ناگن کی طرح بل کھا رہی تھی۔ اپنا بدلہ اب

یہ اس طرح مجھ سے لے گی۔“ زرنگار نے ذہن کے جھوٹے دوڑائے اور نتیجہ اخذ کیا۔ ”خیر میرا نام بھی

زرنگار ہے ایسا کام کروں گی کہ یہ جادو افشاں کو ہی الٹا پڑے گا۔“ زرنگار نے تنفر سے سوچا۔

☆☆☆

پھر اگلے ہی دن وہ اپنے خاص بابا کے پاس جا پہنچی۔ جو پہلے بھی اس طرح کے کئی جادو ٹونوں سے اسے نجات دلوا چکے تھے یہ الگ بات کہ پیسہ خوب

بڑرتے تھے۔ گھر آکر زرنگار سیدھا اپنے بیڈروم میں آئی اور

الماری کے اندر بنا سیف کھول کر اپنے بیچ کیے گئے روپوں کا جائزہ لینے لگی۔ یہ زرنگار کا ذاتی سیف تھا۔

جس میں وہ کچھ ہلکا زیور، چوڑیاں وغیرہ رکھتی تھی کہ ضرورت پڑنے پر بینک جا کر لا کر سے نکلا نا مشکل لگتا

تھا۔ اس کے علاوہ اس کا راشد سے نظر بچا کر رکھا گیا جمع جتنا جواب لاکھوں میں تھا ہر وقت موجود رہتا۔ جس

کو وہ اسی قسم کی سرگرمیوں میں استعمال کرتی۔ زرنگار پیسے گنتے میں مصروف تھی کہ آہٹ پر

چونک گئی۔ پلٹ کر دیکھا تو گڑیا اس کے پیچھے کھڑی اشتیاق سے سیف میں جھانک رہی تھی۔

”نہیں چھو سکتا ناں۔۔۔۔۔ دونوں میں سے کوئی بھائی نہیں ہے

ڈنٹے داری اٹھانے کو۔“ کہتے ہیں ابو ہم نے اکیلی اے، بی بی اے کر کے اسٹور نہیں چلانا۔ ملازمتیں کرنی

ہیں۔ پوچھو ذرا عقل کے اندھوں سے کیا ملازمت کی ہمدردی خواہ سے اتنا کما سکیں گے جتنا میں کاروبار سے

کما تا ہوں۔ پچیس سال سے خون پسینہ ایک کر کے اس جزل اسٹور کو پھر اسٹور تک لے کر آیا ہوں۔ اسی امید

پر کہ ایک دن میرے بیٹے اس کو اور ترتی دیں گے۔ اب باپ کا پھلتا پھول کا کاروبار ملا ہے تو ناشکری کر

رہے ہیں۔ میرے ابا نے تو دو دن کی دکان چھوڑی تھی میرے لیے جس کو میں نے میر اور محنت سے اتنا بڑھا

لیا۔“ راشد غصے سے بولتے چلے گئے۔ ”چھوڑیں جی ابھی بچے ہیں آگے خود ہی سمجھ

جائیں گے۔ آپ اپنا بلڈ پریشر ناول رہیں۔“ زرنگار نے ہلکے ہلکے انداز میں کہا۔

”بچے ہیں۔۔۔۔۔ ان کی عمر میں، میں دو بچوں کا باپ تھا۔

جی عمر ہے ڈنٹے داری سنہالنے کی۔ آئندہ زندگی کا لاکھ ملے طرے کرنی۔۔۔۔۔ سب تمہاری ذمیل کا نتیجہ ہے۔“ راشد نے زرنگار کو ہی الزام دیا۔

”میں نے کیا، کیا ہے بھلا؟“ وہ جھلکا اٹھی۔ ”تم اپنے گھر اور بچوں سے زیادہ دوسروں کی

زندگی میں دلچسپی لیتی آئی ہو فلاں کی بی بی فلاں کی بی بی یہ ایسی وہ دیسی۔ سارا دن بس اوروں کی فکر میں رہتی

ہو۔ کبھی اپنی اولاد پر توجہ نہیں دی۔ بیٹے ہاتھوں سے لٹکے جا رہے ہیں۔ بی بی ہے تو کمر باندھ کیے پڑی رہتی ہے، دو گھڑی مال باپ کے پاس نہیں بیٹھتی۔“

انہوں نے زرنگار کی کلاس لے ڈالی۔ زرنگار حیران رہی ہوئی راشد نے ایسے لہجے میں پہلے کبھی بات نہیں کی تھی۔

”اُف خدایا آج آپ کو ہو گیا گیا ہے۔ میری بی بی پڑھتی رہتی ہے بیکاری۔ سیکنڈ انیر کے پیسے ہونے والے

ہیں اس کے۔ ڈاکٹر بن گئی تو ہمارا ہی سراو بچا ہوگا۔“







تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے  
کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی  
کا گوشت کھانا پسند کرے گا دیکھو تم خود ادا سے کھاتے  
ہو اللہ سے ڈرو اللہ توبہ قبول کرنے والا رحیم ہے۔“  
(سورہ ہجرات)

دل مسلسل توبہ کا ورد کر رہا تھا۔ آنکھیں پچھتاوے سے پانی بن کر بہہ رہی تھیں۔ ایک حادثہ صرف ایک چھوٹا سا حادثہ اسے بہت بڑا سبق سکھا گیا تھا۔ اس دن اگر معاذ کو گڑیا نہ ملتی تو گڑیا کے ساتھ کیا انہونی ہو سکتی تھی۔ یہ سوچ جزدہ نگار کے اعصاب مَن کر دیتی تھی۔ یہ اس کے باب راشد کی نیکی تھی جو اس کی عزت بچائی تھی۔

دل بدل جانا اللہ کی عنایت تھی۔ سیدھے اس کا  
برآ جانا اسی کا کرم تھا اور بدایت بھی تو قسمت والوں کو  
ملتی ہے۔ اس نے کڑیا کی شادی اپنی بہن کے بیٹے سے  
بجیر و خو بی کر دی تھی۔ معاذ کی گھٹی اپنی نند کی اسی بیٹی  
سے کی جس کا رشتہ اس نے تو دایا تھا۔  
بے شک وہی بدل دل لئے پورا قدر ہے انسان کو

ed 2

معاذ اس پر جھکا ہوا کچھ کہہ رہا تھا زنگار نے  
معاذ اس کی کوشش کا پر الفاظ لیے نہ پڑے..... پھر معاذ  
نے کچھ نظر اٹھوا کر اس کی پوری آنکھیں کھل گئیں۔  
"اس نے ایک دبی دبی....."۔

”آئی ایم سوری.....“ گڑیا اس سے کہہ کر اونچا، اونچا رونے لگی۔ زرنگار کی اسے دیکھ کر ہنسی۔

[illegible]

ہو۔ اکیلی لڑکی کے ساتھ کیا کچھ ہو جاتا ہے؟“  
 نے اسے بری طرح گھورا۔  
 ”بھائی مجھے معاف کر دو مجھ سے غلطی ہو گئی۔“  
 دہسی ہوئی آواز میں کہا۔ مجاز نے لب بھینچ لیے۔

”گھڑیا..... تیری عطیہ ہیں، میری کسی ہے۔“  
 بھنگان میں بچوں کے آگے آ رہا ہے۔ میں  
 ہوں میں برا کیا، ہمیشہ دوسروں کا بچوں  
 ساتھ۔ ہائے کیڑے پڑیں میری زبان میں۔ کیا  
 دل دکھائے لوگوں کے۔“ زورنگار اٹھ کر بیٹھ گئی  
 بیٹ بیٹھ کر روتی گئی۔

مگر کیا نے حیرت ہے ماں کو دیکھا جو اسے ڈ  
کے بجائے خود کو کوس رہی تھی۔  
معاذ بھی ماں کی ذہنی کیفیت پر پریشان ہوگا  
وہ دونوں سب بھول کر اب زرنگار کو  
رہے تھے۔

☆☆☆

”اے لہ گوا، حوا ایمان لائے ہو بہت گمان

Version 0.1.0

اتنا دلیرانہ اقدام اس کے اوسان خطا کر گیا تھا۔  
 ”کہاں“ آخر کہاں غلطی ہوئی مجھ سے؟“ وہ خشک  
 ہونٹوں اور ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ رگڑ رگڑیٹھ گئی۔  
 ”تم اپنے گھراور بچوں سے زیادہ دوسروں کی  
 زندگی میں دلچسپی لیتی آئی ہو۔ فلاں کی بیٹی فلاں کی  
 بہو۔“ اچانک جیسے راشد ان کے سامنے آکھڑے  
 ہوئے بے حد غصے میں۔ زرنگار کو جھٹکا سا لگا۔  
 ”ایک دن اوروں کے لیے لگائی آگ میں تیرا  
 پناہ دامن جھلے گا دیکھ لیتا۔“  
 نہ جانے کہاں سے افشاں آنکھوں کے سامنے  
 چلا آئی تھی۔  
 زرنگار ڈر کر پیچھے ہوئی۔

ہمیری بچیوں کو اپنے بھائی کی نظروں سے گرانے والی چیزیں۔ اب ساس اپنی خنیدہ کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر اچانک سو اور ہوئیں۔  
رفتہ، رفتہ پورا کمر ایک، ایک کے لوگوں سے بھرتا گیا۔

زرد نگار کے شر سے متاثر ہر فرد اس کے سامنے  
آکر اس پر انگلیاں اٹھانے لگا۔ بھانت، بھانت کی  
آوازیں کمرے میں گونجنے لگیں۔

”بس کرو خاموش ہو جاؤ تم لوگ..... سمجھتے  
ہیں۔ میری بچی گھر سے چلی گئی ہے۔ رحم کھاؤ مجھ پر۔  
رفع ہو جاؤ۔ دفع ہو جاؤ۔“

زرنگار بیڈ سے کھڑی ہوئی اور اپنے کانوں پر  
تھرکھڑکیاں باندھ کر ہڈیاں انداز میں چلانے لگی۔  
لیکن وہ بیولے مسلسل بولتے رہے۔

”جاؤ خدا رانجھے ایلا چھوڑ دو۔ مت ذلیل کرو مجھے۔“  
 اوچی آواز سے چیخ، چیخ کر اس کا گلہ راندھ گیا۔  
 وحشت کے مارے ایک، ایک کو مارنے دوڑی۔ مگر  
 تھک کوئی نہ آیا۔ آخر وہ تھک مار کر زمین پر گر پڑی۔

نہ جانے کتنا وقت بیت گیا۔ اس کے گل پر کوئی لکے سے تھپتھپا رہا تھا۔ زہر نگار نے بمشکل اپنے ہماری

وہ ہنسی لہجے میں بولی تو دونوں بھائی سوچ میں پڑ گئے۔  
 پولیس کو اطلاع کرنی ہوگی۔ ”معیز نے گھڑی  
 پر نظر دوڑائی جو سات کے دس بج رہی تھی۔  
 ”نہیں، اس طرح تو لوگوں کو اس کی گمشدگی کا پتا  
 چل جائے گا۔“ زرنگار نے فوراً انکار کیا۔  
 ”تو پھر ہم کہاں سے ڈھونڈیں؟“ معیز نے زنج  
 ہو کر ماں کو دیکھا۔

”ابھی تم اپنے طور پر اس سے ڈھونڈو۔ اتنی دیر سے میرا منہ دیکے جا رہے ہو۔ جاؤ باہر ہاتھ پیر چلاؤ میری بچی کو دیکھو کہاں بچھن گئی ہے۔ نہ جانے کس حال میں ہوگی۔ ہائے کوئی راسخ کو تباؤ۔“ وہ سینے پر ہاتھ مارنے لگی تو دونوں لڑکے ایک دوسرے سے مشورہ کرتے تھے ورنہ دروازے کی طرف بڑھے۔

وہ نگار جلے پیر کی بنا کی طرح کھر میں چکرانے لگی۔  
 ”ہائے میری بچی، میری نگریا۔“  
 وہ نگریا کے بیڈ روم میں آ کر اس کے بیڈ پر بیٹھ  
 مئی۔ پھر بستر پر اتھ پھیر کر اس کے نادیہ لہس کو محسوس  
 کرتے اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

دفعہ اس کا ہاتھ تکیے کے نیچے سے جھانکتے ایک  
کاغذ سے ٹکرایا۔ وہ غائب دماغی سے اسے اٹھا کر  
دیکھنے لگی۔

”پیارے اہلی، میں اسید سے پیار کرتی ہوں اور اسی سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے زوہبہ خالہ کے بیٹے سے شادی نہیں کرنی۔ اسی لیے آج میں اپنے پیار کے لیے یہ گھر ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ آپ کے زیور اور روپے اپنے ساتھ رکھ لیے ہیں۔ اسید سے برا نہیں مانیں گی۔ جب تک آپ کو میرا یہ خط ملے گا میں آپ کے شہر سے دور جا چکی ہوں گی، اسی لیے مجھے تلاش کرنے کی کوشش مت کیجیے گا۔“

فقط آپ کی گڑیا،  
کاغذ پر لکے الفاظ تھے ایک کے شعلے زرخیز کر کو  
سرتاپا جلا کر راکھ کر گئے۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ اس  
کی دنیا جس کا وہ چھوٹا سا



## شرح ہدایت

### اختر شجاعت



## ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اے اللہ! رحمت و برکت نازل فرما ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کی آل پر اور ان کے اصحاب پر..... کروڑوں درود و سلام.....

☆☆☆

اہل علم کے نزدیک سیرت سے مراد کسی فرد بشر کا وہ طرز زندگی ہے جو وہ اپنے گرد و پیش کے لوگوں کے درمیان رہ کر ان سے برتاؤ کرنے اور اپنے ماحول میں لین دین اور بول چال اختیار کرتا ہے۔ وہ اپنے گرد و پیش اور ماحول سے متاثر بھی ہوتا ہے اور اس پر اثر بھی ڈالتا ہے عمل اور توکل کے ان ہی مظاہر کی کہانی اس فرد کی سیرت کہلاتی ہے۔

خواتین اسلام میں سے جن کو آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا انہیں اللہ جل شانہ نے امہات المؤمنین کا خطاب عطا فرمایا..... اور وہ امت مسلمہ کی مقدس مائیں بن گئیں..... مگر امت نے ان کے لیے "ازواج مطہرات" کا خطاب بھی پسند کیا لیکن یہ خطابات خالی خوی خطابات نہ تھے بلکہ ان کے پس منظر میں ایک بہت بڑی حکمت کار فرما تھی۔ ان مقدس ماؤں نے امت کی تعلیم و تربیت اور رہنمائی کا فریضہ انجام دینا تھا جو انہوں نے کما حقہ ادا کیا۔ انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ تائیدی حکم تھا کہ میری گھریلو اور ذاتی زندگی کی تمام باتیں امت تک پہنچائیں جیسا کہ صحابہ کرامؓ کو تائیدی حکم تھا کہ میری ہر بات دوسرے لوگوں تک پہنچاؤ..... چنانچہ امہات المؤمنین، ازواج مطہرات نے دینی مسائل اور احکام شریعت کے متعلق ہر بات کو آواز دیا۔

تمام تر تعریف تمام تر حمد و ثناء اللہ رب العزت کے لیے ہے۔ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ ہمارا مالک، خالق اور رازق ہے..... وہی اللہ ہمارا معبود حقیقی ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں.....

میرا اللہ وہ ہے جسے روزِ ازل میں ہر روح نے مانا کہ تو ہمارا اللہ ہے۔ اے اللہ! تو اس لیے اللہ ہے کہ ہر کوئی تیرا طالب ہے اور تو اس کا مطلوب ہے۔ اور ہر شخص تجھے کسی نہ کسی رنگ میں اپنا محبوب بنائے بیٹھا ہے..... ہر کوئی تیری تلاش میں سرگرداں ہے کہ ہر بندے کی منزل تو ہی ہے۔ ہم تیرے ہیں اور تو ہمارا ہے..... اے اللہ! تیرا خوب صورت نام یوں پر لانے سے دل سکون کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے اور ایسا سکون جو تیرے ہوا کہیں اور سے نہیں مل سکتا..... جسے تو نے چاہا اسے اپنی معرفت سے مالا مال کر دیا..... تیری شان اعلیٰ ہے تو اتنا حسین و جمیل ہے کہ ہمارے ہم و ادراک سے بلند بالا ہے۔ ہر چیز تیری تسبیح خواں ہے اور ہر چیز تیری بارگاہ میں سجدہ کر رہی ہے۔

اے میرے رب.....! تو اپنے خاکی بندوں کو اپنے نوری ملائکہ سے بڑھ کر شان عطا فرما دیتا ہے..... میرا مالک میرا خالق جب کسی چیز کو کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو کہتا ہے..... "کن" تو بس وہ اسی وقت جس طرح چاہتا ہے ہو جاتی ہے۔ تو بس اس کائنات کو گہری نظر سے دیکھتے تو رب العزت کے جلوہ دہن کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا تو بس دل و جان سے اسے مان لیں اور اسی کے ہو کر رہ جائیں اور زندگی کا ہر لمحہ اس کی یاد میں گزاریں..... اے اللہ! ہمیں اپنی توفیق عطا فرمائے، آمین.....

## شمع ہدایت

تھا..... ان کو ایسی کھلی آزادی نہیں دی جاتی تھی جو خاندان کے دامن کو انداز کرے اور شرفا کے لیے باعث بدنامی ہو..... آپ کے والد خصوصیت سے بہت حیا دار، غیر متند اور با اخلاق تھے..... آپ کے والد ایک اچھے تاجر تھے۔ ان کی تجارت کی سادہ دوسرے مالک میں بھی قائم تھی، اپنا مال غیر مالک میں لے جاتے اور غیر مالک کا مال حجاز میں لا کر فروخت کرتے اور اس کاروبار میں معقول منافع حاصل کرتے۔ عرب کے قبائل میں ان کی بہت عزت تھی اور خوشحال اور مالدار ہونے کی وجہ سے امیرانہ مگر سادہ زندگی بسر کرتے تھے..... جناب خویلد بن اسد نے اپنی بیٹی کی بہت توجہ سے پرورش کی اور ان کو بہترین تربیت دی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ مخلوق خدا کی ہمدرد، خدمت گزار، غریب پرور، متواضع، خلیق، مہذب، محسن، سخی، خود دار بنا دیا اور بخیر خاتون تھیں۔

قدرت نے بھی ان کی بہت راہنمائی فرمائی اور چونکہ ایک دن انہیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں جانا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور خاندان کی معروف خوبیوں سے بڑھ کر ان میں اوصاف پیدا کر دیے..... سیدہ خدیجہ الکبریٰ کو بھی اپنے والد کی طرح تجارتی کاروبار کا شوق پیدا ہوا اس کے لیے وہ دوسرے لوگوں کو قوم دیتیں اور معقولیٰ نفع حاصل کرتی تھیں..... اس تجارتی کاروبار کی برکت سے آپ کو ایک عظیم اور معزز ترین خاتون بننے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت خدیجہؓ قبل از اسلام بھی مودعہ اور سچ العقیدہ تھیں اور شرک و کفر ایسی سے انہیں گھٹی نفرت تھی۔ جب سیدہ خدیجہ الکبریٰؓ جوان ہوئیں تو ان کے والدین کو ان کی شادی کی فکر ہوئی چنانچہ ان کی منگنی ان کے چچا زاد بھائی ورت بن نوفل سے کی گئی لیکن یہ منگنی کسی وجہ سے برقرار نہ رہ سکی..... پھر آپ کی شادی کنز بن حذافہ کے ایک ممتاز اور باوقار جوان ابو ہالہ النباش سے کی گئی..... حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے پہلے خاوند ابو ہالہ شادی کے بعد کچھ ہی برس زندہ رہے پھر وفات پا گئے۔ ان سے جنم نامی صرف ایک لڑکا پیدا ہوا جس کی پرورش اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی۔

پہنچا دیے..... سیرت طیبہ کے تمام پہلو ان مسلم خواتین کے ذریعہ نمایاں کر دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت کاملہ تھی کہ سنت و سیرت کا پورا ہر پہلو کیا عوامی کیا ذاتی امت کے تمام مرد و زن تک پہنچانے کے لیے نیک دل و پاک طینت خواتین کی ایک معقول تعداد ازواج مطہرات کی شکل میں موجود ہو جو تمام مکمل شریعت سے سب کو آگاہ کر دیں۔ ہر مہرام المؤمنین ماں کے ساتھ، ساتھ امت کی معلمہ بھی بنیں۔ حجر وں سے درس گاہیں بن گئیں جہاں مسلم خواتین آئیں حدیث و سیرت کے درس ہوتے اور وہ مستفید ہو کر واپس جاتیں۔ ان نیک دل و پاک طینت ماؤں نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر بات امت کے حافظے کے پیر کر دی۔

☆☆☆

ازواج مطہرات میں سب سے پہلے سیدہ خدیجہ بنت خویلد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں آئیں اور جب تک حضرت خدیجہ الکبریٰؓ زندہ رہیں آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ یہ سیدہ خدیجہ الکبریٰؓ کی خصوصیت ہے۔

حضرت خدیجہ الکبریٰؓ قریش کے شریف اور معزز خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ کا قبیلہ بنو اسد کہلاتا تھا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بنو ہاشم۔ حضرت خدیجہؓ کے والد جناب خویلد بن اسد تمام برے اور ذلیل کاموں اور مشاغل کو سخت خوارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اخلاقی برائیاں..... شراب خوری، حرام کاری، جوئے بازی، ڈنکی، غارت گری، بے حیائی ان کے خاندان میں نام کو نہ تھی..... بلکہ خویلد بن اسد کی سب سے میل ملاپ کو بھی سخت ناپسندیدہ اور قابل نفرت گردانتے تھے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب میں لڑکیوں کی پیدائش کو خوش سمجھتے اور ان کو پیدا ہوتے ہی زندہ گاڑ دیتے کی عادی بن چکے تھے۔ لیکن سیدہ خدیجہ الکبریٰؓ جیسے شریف گھرانے اس عیوض گناہ سے بھی مبرا تھے۔ آپ کے خاندان میں نور و شخص نہیں سمجھا جاتا تھا، بچوں کی پرورش و محبت اور شفقت سے کی جاتی تھی..... ان کا تعلق نہ تھا.....



ابو ہالہ کی وفات کے بعد حضرت خدیجہؓ والدہ نے آپ کی شادی ایک شریف انیس قریشی شفیق بن عامر خزومی سے کر دی۔ ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ کے یہ دوسرے شوہر بھی ان کا زیادہ دیر ساتھ نہ رہ سکے۔ اور حرب بن اوسؓ نے حضرت خدیجہ الکبریٰ کے والد خدیج بن اسد اور ان کے خاوند شفیق بن عامر خزومی مخالف فرق سے لڑتے ہوئے قتل ہو گئے۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ نے اپنے دوسرے شوہر کی وفات کے بعد یوگی کے ایام نہایت مہر و سکون سے گزارے۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ کے والد اور دونوں خاوند انتقال کر چکے تھے اس لیے انہیں اپنے والد اور شوہر کے بیٹے تجارت کی خود گمرانی کرنی پڑی۔ اور انہوں نے تجارت کو اپنا موروثی کاروبار سمجھ کر اختیار کیا۔ اور یوگی کے دس سال دور میں کاروبار کو خوب ترقی دی۔

اس زمانے میں یمن و شام دو بڑی تجارتی منڈیاں تھیں۔ آپؓ جاؤں ہونے کے ناتے خود تو قافلوں میں شامل نہیں ہو سکتی تھیں مگر بڑے، بڑے تاجروں کو مضاربت کے اصولوں کے مطابق اپنا مال دے دیتیں۔ اللہ کریم نے ان کے مال میں خوب برکت دے رکھی تھی۔ آپؓ نہایت سمجھدار، فہم و فراست والی، محاسبہ فہم اور عقل مند خاتون تھیں۔ ہمیشہ ایک اچھے ایماندار اور سمجھدار تاجر کی تلاش میں رہتیں۔

آپؓ نے اپنا کاروبار تجارت چلانے کے لیے بہت سا علم رکھا ہوا تھا جو کہ عرب، یہود و عیسائیوں پر مشتمل تھا۔ آپ کے روانہ شام و یمن میں تھے چونکہ آپ کا مال تجارت ان ملازموں کے رحم و کرم پر تھا جو شام و یمن کے قافلے کے ساتھ جاتے تھے۔ ان تمام کی گمرانی کے لیے آپ کو ایک ایسے شخص کی تلاش تھی جو فہم و فراست اور عقلندی میں بے مثال ہو اور امانت و دیانت کی صفات اس میں موجود ہوں۔

☆☆☆

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس زمانے میں پہچان ایک بے حد ایماندار اور اصول تاجر کے طور پر ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی نبوت سے پہلے کا یہ دور تھا کہ اس زمانے میں

ہر بھی انتہائی پاکیزہ تھی۔ اس وقت مکہ کے ہر گھر میں اور ہر محلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چرچا تھا، امانت و دیانت کا ہر کوئی گواہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانیت اور مروت کے اعتبار سے اپنی قوم میں سب سے زیادہ ممتاز، اخلاق میں سب سے اعلیٰ، عمل جہل میں سب سے زیادہ فرحت بخش، ہمسائیگی میں سب سے زیادہ کریم، علم و عمل کا پیکر، گفتگو میں صادق اور راست گو، خوش گوئی اور ایثار ساری سے کوسوں دور۔ ہر ایک کے ہمدرد و مدد سے کچھ کاروبار انتہائی درجے کے امانت دار تھے۔

کاروباری معاملات میں نری اختیار کرتا اور چھوڑا نہ کرتا بہت اعلیٰ وصف ہے۔ مصطفیٰ کریم ﷺ کے ان اوصاف کی خبر سیدہ خدیجہ الکبریٰؓ تک بھی پہنچی تھی۔ آپ کی دلی خواہش ہوئی کہ بھی کریم ان کا مال لے کر شام جائیں۔ ان ہی دنوں آپ کا قافلہ شام کے لیے تیار تھا۔ اس تجارتی قافلے کی خبر جب آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت ابوطالب کو پہنچی تو انہوں نے بھی آپ کو بلا کر کہا۔ ”تجارتی قافلہ شام کی طرف جا رہا ہے میری خواہش ہے کہ تم بھی اس قافلے کے ساتھ تجارت لے کر جاؤ مگر میرے پاس سرمایہ نہیں ہے کہ آپ کو سامان تجارت لے کر دے سکوں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدیجہ الکبریٰؓ سے مل گئے اور ان کا سامان لے کر قافلے کے ساتھ جائیں۔“

ابوطالب کی اس گفتگو کا جب سیدہ خدیجہؓ کو علم ہوا تو انہوں نے خود ہی آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر جائیں۔ جتنا معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں اس سے دینا آپ کو دوں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو قبول کر لیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شام کی طرف چلے تو اس وقت سیدہ خدیجہؓ نے اپنا ایک خاص غلام ”میسرہ“ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کر دیا۔ کہ ”میسرہ“ کو بھی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی چاہے اور راستے میں جو حالات و واقعات دیکھو وہ مجھے بتانا۔“ اس کے علاوہ سیدہ نے اپنے قریشی رشتے دار خزیمہ بن عقیل کو بھی آپ کے مدد کے

## شمار ہدایت

بطور ہدایت کا یقین اور بڑھ گیا۔ بطور ہدایت نے اپنی کتاب نکلی اور ورق گردانی شروع کر دی اور وہ ایک نظر کتاب دیکھا وہ سابقہ آسمانی کتاب میں موجود آخری نبی کے لیے کو آقا کریم کے لیے سے مل رہا تھا۔ جب تمام نقوش ملائے تو مسرت سے نکلا تھا۔ ”اللہ کی قسم۔“ ایسے شخص وہی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جس کی بشارت عیسیٰ ابن مریمؑ نے انجیل میں دی ہے۔“

پھر حضورؐ نے خزیمہ کو اپنے پاس بلایا اور پردے سے راز دارانہ طور پر کہا۔ ”دیکھو یہاں! وہ شخص جو درخت تلے قیام پزیر ہے وہ خاتم النبیین اور بڑی شان والا نبی ہے، ایک دن تمام ممالک پر غلبہ پائے گا اور ساری دنیا میں اس کا دین پھیلے گا کوئی جابر سے جابر یا شاہ بھی اس پر فتح نہ پاسکے گا۔“ ہاں یہود اس کی جان کے دشمن ہوں گے ہماری مذہبی کتابوں میں اس کی نشانیاں لکھی ہیں۔ تمہارا فرض ہے کہ تم دشمنوں سے ان کی حفاظت کرو۔ اس راز کو کسی پر نہ کھولنا تاکہ لوگ اس قریشی نوجوان کے دشمن نہ بن جائیں۔“ مصطفیٰ کریم ﷺ کی برکت سے نہ صرف حضرت خدیجہؓ کا سارا سامان پہلے سے کئی گنا منافع پر فروخت ہوا بلکہ تمام قافلے کو بھی کئی گنا زیادہ منافع حاصل ہوا۔ جب یہ قافلہ کامیابی کے ساتھ واپس آیا تو حضرت خدیجہؓ پہلے ہی آپ ﷺ کے استقبال کے لیے اپنی ہجو کیوں کے ہمراہ اپنے بالا خانے میں موجود تھیں۔ آپ کا غلام میسرہ جلدی، جلدی اپنی مالک کے پاس پہنچا اور سفر میں ہونے والے تمام واقعات اور کئی گنا منافع اور آپ کے معجزات بیان کیے۔ سیدہ بن کر آپ ﷺ کی عظمت و شان کی قائل اور گرویدہ ہو گئیں۔

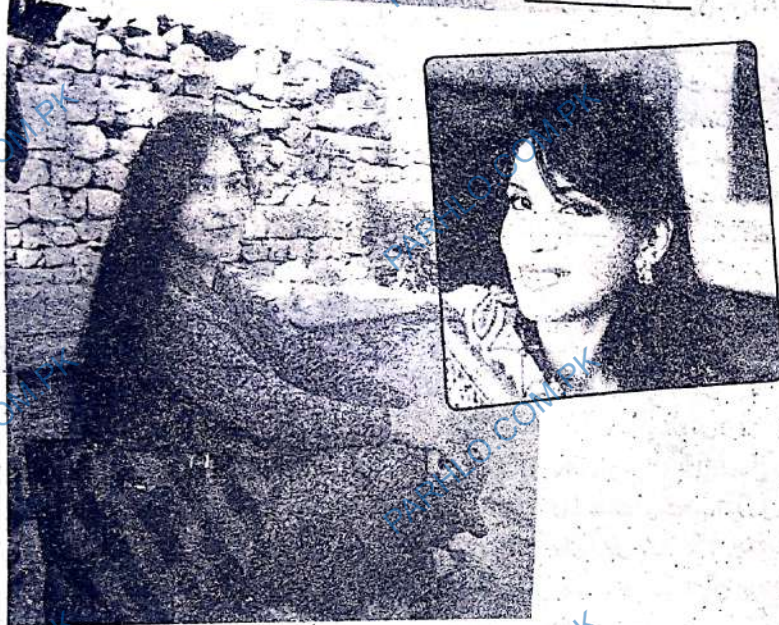
☆☆☆

حضرت خدیجہ الکبریٰؓ ایک مالدار اور حسین و جمیل خاتون تھیں۔ بڑے، بڑے سردار اور اہل ثروت آپ کو پیغام نکاح بھیجتے تھے لیکن آپ نے کسی کا پیغام نکاح قبول نہیں کیا جب سیدہ خدیجہؓ نے آقا کریم کے اخلاق، عالم، نہایت، احسان، و بہت تہذیب، صفت سے پابند ہو کر

لے روانہ کیا۔ جب قافلے نے کوچ کیا تو میسرہ نے بڑی باریک بینی کے ساتھ صادق و امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال کا جائزہ لیتا شروع کیا۔ ہر دن میسرہ آپ ﷺ کی صداقت، امانت، کرامت و حسن سلوک اور معاملہ نبی کے انوکھے واقعات دیکھتا رہا۔ اس نے کھانے پینے کی چیزوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کی برکت کے عجائبات اور خدیجہؓ فرحت میں خیر و برکت کو دیکھا پھر وہ بال بھی دیکھا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلتا تھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شریف فرماہوئے تو آپ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھا جو پر سایہ کر دیتا تھا۔ اس نے اس درخت کا بھی معائنہ کیا جو اپنے سے سب سے سبب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چمک گیا اور اپنا سایہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پھیر دیا۔ سیدہ خدیجہؓ نے میسرہ اور خزیمہ کو آقا کریم ﷺ کی خدمت کے لیے بھیجا تھا لیکن یہاں معاملہ الٹ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی دونوں کی ضروریات کا خیال رکھتے، ان کی تکلیفوں کو رفع کرتے اور ان کے لیے آرام و آسائش کی کوشش فرماتے۔ حضور اکرم ﷺ کے اخلاق نے خزیمہ اور میسرہ کے دلوں کو مہلایا۔

جب یہ قافلہ شام کے سرحدی شہر ”تہما“ (بصری کے راستے میں) پہنچا تو وہاں راستے کے کنارے پر عیسائیوں کا گرجا تھا۔ گرجے کے قریب ہی ایک درخت تھا۔ یہ قافلہ سب معمول اس درخت کے نیچے اتر آتا کہ کچھ دیر آرام کیا جاسکے۔ گرجے کا پادری باہر آیا جو میسرہ کو پہلے سے جانتا تھا۔ کیونکہ میسرہ اکثر تجارتی قافلوں کے ساتھ آتا رہتا تھا۔ پادری نے آقا کریم کی طرف اشارہ کیا اور میسرہ سے دریافت کیا۔ ”تمہارے ساتھ یہ نوجوان کون ہے؟“ اس نے بتایا۔ ”یہ قریش خاندان کے نہایت شریف اور دیانت دار نوجوان ہیں۔“ غصہ روہ نامی پادری نے کہا۔ ”علامات بتا رہی ہیں کہ یہ نوجوان اللہ تعالیٰ کا نبی ہوگا۔“ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جس درخت کے نیچے آپ ﷺ آرام فرما رہے تھے وہ مدت سے خشک ہو چکا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام فرماتے ہی پھر تازہ ہو گیا۔ اس پر





**مستوع اور مسحور کن موضوعات کو زیرِ قلم**

**لانے والی دلکش قلم کار منفرد اسکرپٹ رائٹر**

**مدیحہ شاہد سے خوشگوار نشست**

عزیز قارئین..... آپ کی پسندیدہ بزمِ جہاں ہے اور آج جس ہستی کو مدعو کیا ہے وہ ایک وقت ناول و ناول نگار، اسکرپٹ رائٹر اور بھی سفر نامہ نگار بھی ہیں۔ جی، ہم بات کر رہے ہیں خوب صورت و دلکش انداز بیان رکھنے والی پرجوش قلم کار مدیحہ شاہد کی۔ پرجوش اس لیے کہا کہ ہر وقت وہ کسی نہ کسی تصویر کی کام میں مشغول رہتی ہیں اور دوسروں کو بھی متحرک کرتی رہتی ہیں..... کبھی سینگ، کوئٹہ، ڈیرا اننگ کے ساتھ ساتھ مختلف ٹورز مرتب کرنا اور پھر اپنی تحریروں کے ذریعے سب سے منفرد اور مسحور کن انداز میں تصویر کی کہانی بیان کرنا جس سے پڑھنے والی قاری لطف اندوز بھی ہوتا ہے اور اس کی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے تو عزیز دوستو! اب مزید باتیں تو مدیحہ سے گفتگو

مصنفہ نے بہت تحقیق کے بعد انتہائی جامعیت سے یہ مضمون تیار کیا ہے۔ صفحات کی تنگی کے باعث اس ایمان افروز سیرت کا بقیہ احوال آپ سالانہ نو ماہ جنوری کے شمارے میں پڑھیں گے۔

### حرفِ آخر:

اپنے رب کی عظیم بارگاہ میں دھڑکتے دل اور خوف کے جذبات کے ساتھ التجا کرتی ہوں کہ اے رب کریم! تیرے محبوب آقا کریم کی محبوب ترین ہستی حضرت خدیجہ کی سیرت پر جو کچھ ٹوٹا پھوٹا لکھا ٹھاٹھیں مارتے سمندر سے چند قطرے لیے تو اس سیرت مبارکہ پر لکھتے ہوئے کہیں کوئی غلطی نہ ہوگی کیونکہ کوئی بے ادبی، دانستہ یا نادانستہ ہوئی ہو تو اسے میرے کریم رب! مجھ کو تم اور کمزور ہستی کو معاف کر دے، آمین..... میں الحمد للہ بین الاقوامی طور پر سند یافتہ کتب سے استفادہ کرتی ہوں اللہ پاک اس کو اپنی بارگاہ میں اور آقا کریم کو سیدہ خدیجہ کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے، آمین، واللہ اعلم۔

☆☆☆

مندرجہ ذیل قابلِ احترام ہستیوں کی کتب سے مضامین کا انتخاب کیا۔

۱۔ سیرت سیدہ خدیجہ الکبریٰؓ - شیخ محمد بن طلوی المالکی الحسینی

۲۔ سیرت طیبہ امہات المؤمنین - مؤلف و مترجم پروفیسر مفتی محمد وسیم اکرم القادری

۳۔ سیرت طیبہ امہات المؤمنین - جلیب منصور احمد بٹ (صدر اربا اوارڈ یافتہ)

۴۔ سیرت طیبہ اور ازواجِ مطہرات - ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

۵۔ ازواجِ مطہرات، بیحیات و خدمات - ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری

☆☆☆

اللہ کریم ان شخصیات سمیت تمام مرحومین کے درجات بلند فرمائے۔ آمین.....

روداداری اور فیوض و برکات کے بارے میں سنا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردیدہ ہو گئیں اور آپ ﷺ کی رفاقت میں آنے کا ارادہ کر لیا۔

حضرت خدیجہ الکبریٰؓ نے اپنی سبکی نفسیہ کے ذریعہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغامِ نکاح بھیجا۔ جسے آقا کریم ﷺ نے قبول کر لیا۔ نبوت کی یہ خبر سن کر آپ انتہائی سرور ہو گئے..... آقا کریم کے تمام چچا اس خبر سے بہت خوش تھے۔ مقررہ دن حضور نبی کریم ﷺ، آپ کے چچا حضرت ابوطالب، سیدنا میر حجازہ سیدنا صدیق اکبرؓ اور دیگر روضا قریش کے ساتھ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے گھر شریف لائے۔ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی طرف سے آپ کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل اور آپ کے چچا عمرو بن اسد اور دیگر رشتے دار موجود تھے۔ سب سے پہلے آپ کے چچا ابوطالب نے خطِ نکاح پڑھا۔

ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ شادی کے وقت عمر چالیس سال کی اور آقا کریم ﷺ کی اس وقت عمر مبارک پچیس سال کی تھی۔ حضرت خدیجہ کا حق مہر ساڑھے بارہ اونچہ جو کہ پانچ سو طلانی درہم بنتا ہے مقرر ہوا..... اس کے علاوہ بعض مورخین نے چار سو شتال کی مہر بیان کیا ہے اور کچھ نے بیس اونٹ یہ شادی اعلانِ نبوت سے پندرہ سال قبل ہوئی۔

سیدہ کے نکاح میں جو حق مہر بیس اونٹ مقرر ہوا تھا حضور کریم ﷺ کی طرف سے اس کی ادائیگی فوراً کی گئی۔ سیدہ خدیجہؓ نے انہی اونٹوں (میں سے کچھ یا سب اونٹ) ذبح کر کے فخراء میں گوشت تقسیم کرنے اور کچھ گوشت پکا کر حاضرین کی تواضع کا حکم دیا۔

نکاح کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ کی فرمائش پر ان ہی کے گھر میں قیام پزیر ہو گئے..... شادی کی اس تقریب میں آپ کی رضاعی والدہ حضرت لبیٰ حبیبہؓ بھی شریک تھیں اور جب وہ واپس جانے لگیں تو انہیں مبارک جوڑے نے انہیں چالیس بکریوں کا تحفہ بھی دیا تھا۔

(عزیز قارئین! ان پاک ہستیوں کی سیرت پاک پر کچھ بھی لکھنا بہت مشکل کام ہے اس لیے کہ دریا کو گونے میں بند کرنے کے مترادف ہوتا ہے پھر بھی



آنے والے نئے چینجر۔ لوگوں کو علم ہونا چاہیے کہ انہیں کیسے ترقی کرنی چاہیے۔ زندگی کے چینجر کا سامنا کیسے کرنا چاہیے۔ اگر زندگی میں کبھی برا وقت آجائے تو حالات کا عکس طرح مقابلہ کرنا چاہیے۔ پچھلے بیس سالوں میں راسٹرز نے یہ کوشش ضرور کی ہے کہ وہ موضوعات میں جدت لائیں۔ کہانی ایک گھر سے شروع ہو کر دوسرے گھر میں ختم نہ ہو جائے۔ کہانی میں ادوار ہوں۔ پرانی کہانیتوں کو نئے پیرائے میں بیان کیا جائے۔ ایک کے بعد ایک راسٹرز نے اتنا اچھا لکھا کہ پرانے لوگوں کی جگہ لے لی۔ دنیا کا اصول بھی ہے، نئے لوگ پرانے لوگوں کی جگہ لے لیتے ہیں۔ بے شمار راسٹرز انجسٹ سے ٹی وی اور فلم کی طرف گئے اور وہاں انہوں نے خوب شہرت کمائی۔ (شہرت کے ساتھ، ساتھ آئندہ نسلوں کے لیے یادگار تحریریں بھی چھوڑ جائیں مدیحہ یہ اہم ہے۔ آج ادب کے کلاسیک نام جو ہیں انہی سے ہم کمر رہے ہیں انہی کی تحریریں ایک درس گاہ ہیں) پاکیزہ ♦..... آپ کو اسکرپٹ رائٹنگ میں زیادہ

پاکیزہ ♦..... اچھا یہ تو بتائیں کہ پچھلے تیس سالوں میں کیسا ادب تخلیق ہوا ہے، خاص طور پر ڈائجسٹوں، ماہناموں اور سالوں کے حوالے سے؟

تھیں۔ وہ خیر ایجنسی سوات اسکاؤٹس وار سبک کا علاقہ تھا۔ کہیں باہر آتا جانا تھا۔ کوئی سوشل لائف، گھر والے، رشتے دار، دوست سب لاہور میں..... گھر میں کام کرنے کے لیے ملازم تھے اور میں سارا دن فارغ رہتی۔ کبھی بھار میں اپنی ہمسائی مسز کرل انور کے گھر چلی جاتی دو دو اکڑ تھیں تو ان سے میں بچوں کی پرورش کے حوالے سے بہت ساری چیزیں پوچھ لیا کرتی۔ اسی فراغت کے عالم میں، میں نے چند کہانیاں لکھیں۔ لفظ کہانیاں کا روپ دھار لیتے اور مجھے اپنے ارد گرد کراہ جلتے پھرتے دکھائی دیتے۔ میرے آس پاس ان کی آوازوں کی بازگشت کو جتنی اور کاغذ پر لکھے لفظوں میں مجھے بے شمار رنگ نظر آتے۔ ایک دن میری ہمسائی میرے گھر آئیں تو سائڈ ٹیبل پر رکھی کاغذات سے بھری فائل دیکھ کر حیران ہوئیں۔ ”یہ..... یہ کیا ہے؟“ میں نے بتایا کہ یونہی فارغ اوقات میں کہانیاں لکھتی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ انہیں کسی میگزین میں شائع بھی کراؤ تبھی میں نے پابیکرہ میں جو کالج کے زمانے سے پڑھتی آئی ہوں ایک کہانی بھیجی جو کہ شائع بھی ہوگئی۔ یہ 2010ء کی بات ہے مگر مجھے اب اس کہانی کا نام یاد نہیں ہے۔ مجھے ان لوگوں پر رشک آتا ہے جنہیں اپنی میں، پچیس سال پرانی کہانیوں کے نام بھی یاد رہتے ہیں۔ (بہت خوب داستان ہے)

کے دوران آپ جان لیں گے۔ اس بزم پر اپنے تاثرات کا اظہار کرنا محبت بھولے گا۔ آئیے آپ کی پسندیدہ مصنفہ سے بات چیت کا آغاز کرتے ہیں۔

پاکیزہ ♣..... آپ سے پہلے تو آپ کو بزم میں خوش آمدید کہتے ہیں، آپ کے کیا تاثرات ہیں؟

مدیحہ شاہد ♣..... جزاک اللہ آپ کا سوال نامہ دیکھ کر خوشی ہوئی۔ قلم کار کو قلم سے منسلک ہر رابطہ اور ہر رشتہ عزیز ہوتا ہے۔ قلم میں ایسی روشنی ہوتی ہے جو شہر، شہر، مگر، مگر اور دور درازی تک پھیل جاتی ہے جو لوگوں کے دلوں تک پہنچ جاتی ہے اور جو فاصلوں کو سمیٹ دیتی ہے۔ رابطوں کو تعلق بنا دیتی ہے اور خواہوں کو تعبیر میں بدل دیتی ہے۔ (بہت خوب)

ہے۔ (بہت خوب) ..... میری آپ کچھ اپنے کاغذ قلم تھامنے کا  
احوال بتائیں کہ پہلی تحریر کب لکھی اور وہ شائع بھی ہوئی؟  
میرے شاہد ..... مجھے بچپن سے ہی لکھنے اور  
پڑھنے کا شوق تھا۔ مطالعے سے محبت عادت بن گئی۔ مجھے  
پڑھنے لکھنے والے لوگ ہمیشہ اچھے لگتے۔ ہمارے گھر میں  
بھی تعلیم کو بہت اہمیت دی جاتی۔ گھر میں کتابیں پڑھنا  
اک رواج تھا، اک چلچل تھا۔ میں ایسی اسٹوڈنٹ تھی جو  
روزانہ لائبریری ضرور جاتی، بعض دفعہ میری سیکیل ارم اکتا  
جاتی اور کبھی آج لائبریری نہیں جانا مگر میں اس کا ہاتھ  
تھامے اسے زبردستی لے جاتی۔ جب میں اسکول میں بھی تو  
فیئر ویل میں جوش کیے جانے والے ڈرامے بھی خود لکھتی  
تھی۔ نوں جماعت میں ہی میں اپنے اسکول کی اسکرپٹ  
رائٹر بن گئی تھی، لوگ وہ ڈرامے دیکھ کر حیران ہوتے اور  
سمجھتے کہ شاید میں نے گھر میں کسی بڑے سے لکھوایا ہے۔  
پھر کالج میں بہت سے تحریری مقابلے جیتے پھر جب میں  
ہفتاب یونیورسٹی آئی تو وہاں لکھنے، پڑھنے اور مختلف  
مقابلوں کے بے شمار مواقع ملے۔ مگر اس وقت میں نے  
کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ میں کبھی کسی میگزین یا ڈائجسٹ  
میں اپنی کہانیاں نیچوں گی یا کبھی ٹی وی کے لیے ڈرامے  
لکھوں گی۔ پھر میں شادی کے بعد قانا کے دور دراز





ہمارے سب کزنز باہر رہتے ہیں تو ہزاروں پر سب کی یاد بھی آتی ہے۔ ایک بہن دینی میں ہوتی ہے۔ دوسری بہن کے میاں بھی آری آفسر ہیں سو ان کی پوسٹنگ بھی دور دراز علاقوں میں ہوتی ہے۔ جب تک والد صاحب زندہ رہے گھر کی چھت اک سا بن گئی۔ جب والد صاحب کا انتقال ہوا تو گھر کی چھت صرف ایک جائداد بن کر رہ گئی۔ دنیا کے قانون دل کے قانون سے مختلف ہوتے ہیں۔ ہمارے گھر میں تعلیم کی بہت اہمیت تھی، گھر میں سب گھر والوں کا رجحان علم کی طرف تھا۔ میرے دو بچے ہیں، ایک بیٹا اور ایک بیٹی، والد صاحب نے بیٹی فرمائش کرتی ہے کہ ماما آپ بچوں کے لیے بھی کہانیاں لکھیں۔ تو اب میں بچوں کے لیے بھی کہانیوں کی ایک کتاب لکھ رہی ہوں۔ ہمارے ہاں بچوں کی کتابیں بہت کم شائع ہوتی ہیں۔ پوری فیملی میرے ذمے شوق سے دیکھتی ہے اور فخر کرتی ہے۔ (بہت تفصیلی تعارف ہو گیا ماما، والد صاحب اچھا لگا آپ کے سب پیاروں کو صحت و سلامتی عطا ہو آمین) پاکیزہ! کچھ اپنی تعلیمی اسناد کے بارے میں بتائیں؟

مدیر شہاب! والد صاحب کا تعلق چونکہ فوج سے تھا اس لیے ان کے جادلوں کی وجہ سے ہم بہت سے شہروں میں رہے اور بہت سے تعلیمی اداروں سے تعلیم حاصل کی۔ البو کی آخری پوسٹنگ HIT یعنی Heavy Industries Taxila میں تھی۔ میں ایک ذہین طالبہ تھی اور میں نے بی اے میں پورے کالج میں ٹاپ کیا تھا۔ پورے کینٹ سے لوگ مبارک بازو دینے کے لیے آتے تھے۔ میں نے پنجاب یونیورسٹی والا کالج سے ایل

کے ہر موڑ پر ہماری راہنمائی کی اور کہانی میں نکھار آتا گیا۔ اسکرپٹ رائٹنگ میں بہت وقت لگتا ہے جس وجہ سے پرنٹ میڈیا کے لیے لکھنے کا وقت نہیں مل پاتا۔ اسکرپٹ رائٹنگ میں معاوضہ اچھا ملتا ہے (ہم)۔ ہم، اس پر کیا تبصرہ بنتا ہے (صاحبو) اور فی وی ڈراما دنیا بھر میں نشر کیا جاتا ہے۔ جس سے رائٹر کو شہرت، عزت اور پچان ملتی ہے اس وجہ سے لوگ اسکرپٹ رائٹنگ کی طرف آنا چاہتے ہیں۔ بہت سے لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ آپ کی کامیابی کا کیا راز ہے تو میں کہتی ہوں کہ میری کامیابی کا راز ”تہذیب“ ہے۔ (اچھا، بڑی اچھی بات ہے)

پاکیزہ! اپنی پیاری بیٹی سے بھی متعارف کروادیں؟

مدیر شہاب! میرے والد صاحب آری آفسر تھے۔ ان کا تعلق پاکستان آری کی کور ای ایم ای (EME) سے تھا۔ یہ پاک فوج کی الیکٹریکل اور میٹیکل انجینئرز کی کور ہے۔ والد صاحب میٹیکل انجینئر تھے، والدہ کالج میں پڑھاتی تھیں، ہم نقل ہیں۔ میرے دادا بھی آری آفسر تھے۔ میرے چچا بھی آری میں تھے۔ ایک چچا برسوں پہلے ابوظہبی میں کار کے حادثے میں انتقال کر گئے تھے جس دن ابو نے اپنے جوان بھائی کو اپنے ہاتھوں سے دفنایا تھا اس دن ان کے دل کا ایک حصہ بھائی کے ساتھ ہی دفن ہو گیا تھا۔ ابو جب تک زندہ رہے اپنے مرحوم بھائی کو یاد کرتے رہے۔ مرحوم چچا کی بیٹی ڈاکٹر ہے اور کینیڈا میں مقیم ہے۔ چچی میرے والد کی چھوٹی زاد بہن بھی ہیں اور چائلڈ اسپیشلسٹ ہیں۔ جب میرے بچے چھوٹے تھے تو میں انہیں ہر وقت مجھے چائلڈ اسپیشلسٹ کی مسائل بتاتی رہتی تھی اسی وقت مجھے چائلڈ اسپیشلسٹ کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ دوسرے چچا امریکا میں مقیم ہیں اور ان کی بیٹی بھی امریکا میں ڈاکٹر ہے۔ میری نانی منتر خنی جیلانی وقار التسا کالج راولپنڈی اور کینٹ کالج لاہور کی پرنسپل رہ چکی ہیں، میری خالہ بھی پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہیں اور خالہ زاد بہن بھائی کینیڈا میں مقیم ہیں۔ لوگ خوش قسمت ہوتے ہیں جن سے سب کزنز و سس میں ہی نہ رہ جائے۔

آگئی اور پہلا ڈراما ڈائجسٹ رائٹر لکھا ہے بے انتہا شہرت اور مقبولیت کی اور آج بھی ڈائجسٹ رائٹر ہم فی وی میں ایک کلاسک کا دورہ دیکھتا ہے۔ بڑے، بڑے رائٹرز نے یہ ڈراما دیکھا اور پسند بھی کیا۔ آج فی وی ڈائجسٹ رائٹرز کا راج ہے۔ اس سے پہلے اس موضوع پر کوئی ڈراما نہیں بنا تھا۔ ڈائجسٹ میں چند کہانیاں لکھنے کے بعد فی وی پر کامیابی حاصل کرنا، حیرت انگیز تھا اور یہ سب اللہ رب العزت کا کرم ہے، اسی کی عطا ہے، وہ جب چاہے جسے چاہے تو اڑدے۔ اس کے بعد میں نے دیکر ڈرامے بھی تحریر کیے جن میں خوبصورت، ایک بھی رانیہ، میری امی اور دل آویز شامل ہیں۔ دو ڈرامے مزید آن ایئر ہونے والے ہیں ان شاء اللہ۔ ناول رائٹر اپنی مرضی سے لکھتا ہے مگر اسکرپٹ رائٹنگ ایک مشکل کام ہے کہ رائٹر کو صرف اپنی مرضی سے کام نہیں کرنا ہوتا بلکہ ایک ٹیم کے ساتھ ان کی مشاورت سے کام کرنا پڑتا ہے۔ اپنی ٹیم کے ساتھ اپنی ایڈرائسنگ ڈیولپ کرنی پڑتی ہے۔ رائٹر میں بڑی اتنا ہوتی ہے مگر اسکرپٹ رائٹنگ میں رائٹر کو اپنی اتنا کو اسٹوڈنٹ بنانا پڑتا ہے۔ نئی چیزیں سیکھنی پڑتی ہیں اور اپنی قوت ارادی کو مضبوط بنانا ہوتا ہے، میں نے یہ کام ہر حال میں مکمل کرنا ہے اور اپنے پرفیشن سے منسلک سب چیلنجز اور مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہے۔ میری پہلی استاد عمیرہ احمد ہیں ان سے میں نے بہت کچھ سیکھا۔ شاگرد دراصل استاد کا تعارف بھی ہوتے ہیں۔ اس انٹرویو میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو اس انٹرویو کا اٹاش ہیں۔ میں نے زیادہ کام سر عبداللہ کادوانی اور سر اسد قریشی کی پروڈکشن کے ساتھ کیا۔ یہ پاکستان کے بہترین پروڈیوسرز ہونے کے ساتھ بہت اچھے انسان بھی ہیں کوئی مسئلہ ہو جائے تو اسے نرمی اور تدبیر سے حل کرتے ہیں۔ معاوضہ وقت پر مل جاتا ہے اور سب رائٹرز کو بہت عزت اور مان دیتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ معاوضہ تو سب جگہوں سے مل جاتا ہے مگر اہم بات عزت دینے کی ہوتی ہے۔ (جی بالکل) ابھی میں ایک پراجیکٹ مومنٹ ریڈ صلحہ کے بارے میں بتا رہی ہوں۔

ایل بی کیا اور وکالت کی ڈگری حاصل کی۔ چونکہ والد صاحب کی جائداد بہت تھی اور ہمارا کوئی بھائی نہیں تھا اس لیے والد صاحب چاہتے تھے کہ گھر میں کوئی وکیل ہو اور کسی کو قانون کی آگاہی بھی ہو۔ مجھے وکیل بننے کا شوق نہیں تھا مگر والد صاحب نے سمجھایا کہ جہاں جائدادیں ہوں اس گھر میں ایک وکیل ضرور ہونا چاہیے تاکہ اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے سہارا بن سکے اور وقت آنے پر ان کے حقوق کے لیے لڑ سکے۔ (بڑی پتے کی بات کی انہوں نے) والدین کے فیصلے بہترین ہوتے ہیں۔ (بے شک) پاکیزہ! کئی انجمنی سے ملاقات کے وقت کیا بات متاثر کرتی ہے؟

مدیر شہاب! میں لوگوں سے متاثر نہیں ہوتی ہوں۔ (آف)۔ اب اس پر کیا کہیں تارین؟ پاکیزہ! کئی انجمنی سے ملاقات کے وقت کیا بات متاثر کرتی ہے؟





میں ٹینس کورٹ میں ٹینس کھیلنے کی پکٹش کرتے، ابو نے اسپورٹس میں ہم سب کا نام لکھوایا ہوتا تھا۔ ان کا اصول تھا۔ دن کو پڑھائی، سہ پہر کو ہوم ورک اور شام کو اسپورٹس۔ گرمیوں میں ہم شام کو سوئمنگ پول جا کر کرتے۔ اگر ہم کسی مقابلے میں ہار جاتے تو افسردہ ہونے کی اجازت بھی نہیں تھی۔ ابو کہتے زندگی ایک سپاہی کی طرح گزارنی چاہیے جو مشکلات کے

میدان میں کبھی ہار نہیں مانتا، پتھیا نہیں ڈالتا، ہر حال میں اپنے حاذر پروٹا رہتا ہے۔ زندگی میں ہمیشہ عقل سے کام لینا چاہیے، پہلے دوسرے کی بات سنیں پھر اپنی سنائیں، ابو میں جرأت اور بہادری کے ساتھ حکمت اور تدبیر بھی تھا۔ وہ بے حد مہمان نواز اور لوگوں کو عزت دینے والے شخص تھے۔ ان کی آنکھ میں رعب تھا اور آواز میں لوگوں کو جاکرت کر دینے والی گرج تھی۔ ساری زندگی ہم نے انہیں کبھی نماز نفا کرتے دیکھا نہ کسی روزہ قضا کرتے دیکھا۔ آخری دنوں میں جب وہ بیمار تھے تب بھی خود پیدل چل کر مسجد جایا کرتے تھے۔ وہ دل کے مریض تھے اور شوگر کے بھی مگر جب بھی کسی نے ان سے حال پوچھا تو یہی کہتے تھے میں ٹھیک ہوں، بیمار نہیں ہوں۔ ہم نے ساری زندگی کبھی ان کے منہ سے ناشکری کا کوئی لفظ نہیں سنا۔ جب ابو شیر کے بارڈر پونٹ کی کمانڈ کر رہے تھے تو سارا دن سرحد پر رہتے جہاں اکثر فائرنگ ہوتی رہتی۔ ہمیں مظفر آباد میں گھر ملا تھا، ابو آواز دشمن کے بارڈر پر ہوتے تھے اور ہمیں بعد گھر آتے تھے۔ برف باری کے موسم میں جب راستے بند ہو جاتے تو بارڈر پر لوگوں کو مشکلات بھی ہوتی تھیں۔ ابو کی عادت تھی اپنے جوانوں کا خیال رکھنے، ان کے مسائل سننے اور ان کے ساتھ ہی کھانا کھاتے۔ ہر جوان ہر شخص ان کی بے پناہ عزت کرتا تھا۔ برف باری شروع ہوتی تو وہ مہینوں گھر نہ آ سکتے سرحد پر اپنے جوانوں کے ساتھ خود بھی جا گئے رات اور جوانوں کے دستے میں سب سے

آگے ہوتے۔ اچانک ایک رات ابو اپنی وردی پر سبز برہائی پہنے برف میں راستہ بناتے ہوئے گھر آ گئے۔ ان کی وردی پر جھانکی کے نشان تھے اور ان کے بالوں میں سفیدی اتر آئی تھی۔ شہیدوں کے جنازے اٹھاتے ہوئے وہ کب بوڑھے ہو گئے تھے انہیں پتا ہی نہ چلا۔ رنجیوں کے باعث ان کی آنکھوں کے پونے سوچ گئے تھے مگر ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ وہ قوم کے ہیرو ہی نہیں تھے بلکہ ہمارے خاندان کا اثاثہ بھی تھے۔ ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد ہمیں پتا چلا کہ وہ کتنے لوگوں کی خاموشی سے مدد کیا کرتے تھے۔ میں ان خطوط پر اپنے بچوں کی تربیت نہ کر سکی۔ کوشش بھی کروں تب بھی شاید کامیاب نہ ہو پاؤں۔ ہم نے زندگی میں کبھی ابو کو جواب نہیں دیا تھا مگر میں کسی کی اتنی جرأت ہی نہ تھی۔ اب لوگوں کو والدین کے ساتھ برا سلوک کرتے دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔ ہمیں اپنے بچوں کی تربیت ایسی کرنی چاہیے کہ وہ دین کے قریب رہیں اور دنیا کے تقاضوں کو بھی سمجھ سکیں۔ وہ باخیر بین اور بڑے ہو کر حالات اور چیلنجز کا مقابلہ کر سکیں۔ وہ علم اور تعلیم کی اہمیت کو سمجھ سکیں اور مشکل وقت میں اپنی قوم، اپنے لوگوں کے ساتھ کھڑے ہوں۔ وہ خوش رہنا اور کامیاب ہونا سیکھیں۔ (مدیحہ بہت پیاری یادیں اور باتیں آپ نے ابو کی بتائیں۔ اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائے، آمین۔ بے شک تربیت اولاد ایک مشکل کام ہے مگر بہترین اولاد دنیا میں چھوڑ کر جانا یقیناً صدقہ جاریہ ہے)

بھیج دیں، ہم پڑھنا چاہتے ہیں مگر میں کوشش کے باوجود ان تک اپنی تحریریں پہنچا پائی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ رسالوں اور ڈائجسٹوں کی سب سائٹ بنائی جائے اور بیرون ملک رہنے والے پاکستانی subscription حاصل کریں اور بینک ڈرافٹ کے ذریعے رقم بھیجیں اور پورے سال کے لیے کمپیوٹر یا لپ ٹاپ پر ڈائجسٹ پڑھ سکیں۔ (آپ نے صحیح کہا ہے یہاں تو غیر قانونی طور پر یہ چیزیں فوری شروع ہو جاتی ہیں۔ مثبت انداز اختیار کریں جیسی ڈائجسٹ کی ترقی دراصل رائٹرز، ایڈیٹرز اور اردو کے فروغ کی ترقی ہے۔ اس ڈیجیٹل دور میں ہر شے کو وقت کے تقاضوں کے ساتھ چلنا ہوگا۔ اس ترقی سے ملک میں نہ صرف ریونیو آئے گا بلکہ لکھنے والوں کی زندگی میں بھی انقلاب آئے گا۔ ملک کو معاشی استحکام ملے گا۔ ان چیزوں کے لیے بہترین مارکیٹنگ ضروری ہے کہ لوگوں کو علم ہو کہ وہ کب، کہاں اور کیسے اردو کے ڈائجسٹ رسالے آن لائن پڑھ سکتے ہیں۔ (وہ بھی نہیں ادا کر کے ڈیئر) پائیرہ؟ بچوں کی تربیت کس انداز میں کی جانی چاہیے؟

مدیحہ شاہد: کاش میں اپنے بچوں کی ایسی تربیت کر سکتی جیسی میرے والدین نے ہماری تربیت کی۔ میرے والد فوجی تھے تو گھر میں ڈسپلن تھا اور یہ ڈسپلن ہمارے گھر میں ہمیشہ رہا۔ ہمیں چھوٹی موٹی باتوں پر رونے دھونے کی اجازت نہیں تھی بلکہ ہمارے گھر میں رونے دھونے، ضد کرنے کا رواج ہی نہیں تھا۔ گھر کی بھی ایک کمانڈ ہوتی ہے، گھر ویسا ہوتا ہے جیسا کمانڈ کرنے والا بندہ ہوتا ہے۔ ہمارا گھرانا خاندان بھر میں مثالی جانا جاتا تھا۔ (بہت اچھی بات ہے) ادب و آداب، تعلیم و تربیت، علم و مطالعہ، تہذیب، رکھ رکھاؤ، مہمان نوازی کا گہوارہ تھا۔ ہمارے گھر میں ہر چیز کے اصول تھے۔ ملازموں کی بے حد عزت تھی۔ انہیں ملازم نہیں بلکہ گھر کا فرد سمجھا جاتا تھا اور کسی کو ان کے ساتھ بدتمیزی کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ رات دس بجے گھر کی سب بتیاں بجھا دی جاتیں، گرہ کو لا کر جاتا، صبح ۶ بجے اٹھ جاتے۔ شام کو

ایسی جو دو تین سال سے منظر عام پر آئی ہیں؟ مدیحہ شاہد:..... کم لکھیں مگر اچھا لکھیں۔ مسلسل اور لگا تار نہ لکھیں اور رات کو دیر تک نہ لکھیں۔ اس سے بیانی پر اثر پڑتا ہے۔ لکھتے ہوئے اپنا Posture صحیح رکھیں۔ مسلسل کئی گھنٹوں تک نہ لکھیں، درمیان میں بریک لیں اور اٹھ کر چلیں پھریں۔ مسلسل لکھنے سے نہ صرف نظر پر اثر پڑتا ہے بلکہ پتھوں اور گردن کے درد کی شکایت ہو جاتی ہے۔ مسلسل لکھنے کی وجہ سے ہاتھ اور بازو متاثر بھی ہوتے ہیں۔ میں بھی وہ رائٹر نہیں ہوں جو ہر وقت لکھتا رہتا ہے۔ میری دوست چونکہ فریوٹر ایسٹ ہے اس لیے مجھے اس حوالے سے بہت سی معلومات ملتی رہتی ہیں۔ (ارے آپ نے تو ڈاکٹری نقطہ نگاہ سے بھی بتا دیا) ہر رائٹر کے لکھنے کا اپنا ایک منفرد انداز ہوتا ہے جو اس کی پہچان بھی ہوتی ہے۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی بھی کرنی چاہیے اور ان کی راہنمائی بھی کرنی چاہیے اور یہ بھی نہیں کہا چاہیے کہ پرانے لوگوں نے اچھا کام کیا اور نئے لوگ اچھا کام نہیں کر رہے۔ ہرسل کا اپنا زمانہ ہوتا ہے، اپنا دور، اپنا عہد ہوتا ہے۔ اب پاکستان کا مستقبل نئی نسل ہے اور وقت کے ساتھ نئے لوگ، پرانے لوگوں کی جگہ لے لیتے ہیں۔ (جبکہ تو ظاہر ہے لینا ہی ہوتی ہے بس اچھی جگہ بھرتی چاہیے)

بہترین استعمال کیا ہے؟ مدیحہ شاہد:..... قلم بہت طاقتور چیز ہے، قلم میں قوت ہے، قلم ایک بھٹکار ہے، قلم گواہ بھی ہے، قلم تحریر بھی..... جن باتوں میں قلم ہوتا ہے وہ کسی عام شخص کے ہاتھ نہیں ہوتے، ہر دور میں قلم نے راج کیا ہے اب ڈیجیٹل دور آگیا لوگوں کے لیے مواقع بھی زیادہ ہیں۔ لوگ ڈائجسٹ، میگزین، آن لائن میگزین، آن لائن ویب سائٹس میں لکھ سکتے ہیں۔ ٹی وی، قلم اور یوٹیوب چینلوں کے لیے اسکرپٹ لکھ سکتے ہیں۔ اپنا Blog بنا سکتے ہیں۔ ہر شخص اپنی دلچسپی کے مطابق اپنی فیلڈ چن سکتا ہے۔ بہت سے لوگ امریکا اور کینیڈا جاتے ہیں کہ ان کی تحریر کا لکھنا



پاکیزہ..... لکھنے کے علاوہ اور کیا مشاغل

یہاں؟  
 شاید..... لکھنے کے علاوہ مجھے سیاحت کا شوق ہے۔ قدرتی مناظر، پہاڑ، وادیاں، پھیلیں، آبشار مجھے اٹریکٹ کرتے ہیں۔ پہاڑوں کا سفر حیرت انگیز ہوتا ہے۔ پہاڑ انسان کے دکھ اور غم، خاموشی سے بانٹ لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے ہسٹری سے بھی دلچسپی ہے جہاں بھی سیاحت کی غرض سے جاتی ہوں وہاں کے فحش ثقافت، آرٹسٹ، بودوباش کو غور دیتی ہوں۔ راسٹرز کو سفر ضرور کرنا چاہیے۔ اس طرح انہیں نئے موضوعات ملتے ہیں۔ (سفر کے ساتھ ساتھ مشاہدہ و مطالعہ بھی ضروری ہے) بہت سی کہانیاں انسانوں کے چروں پر لکھی ہوتی ہیں۔ بہت سی داستانوں کے رنگ لوگوں کی آوازوں کی بازگشت میں گونجتے ہیں، سفر صرف قدموں کو ہی مضبوط نہیں بناتا بلکہ شعور کو بھی نکھارتا ہے۔ میں نے اندرون ملک اور بیرون ملک بہت سے سفر کیے، ہر سفر سے میں نے بہت کچھ سیکھا۔ سفر استاد بھی ہوتا ہے۔ کچھ سفر ایسے ہوتے ہیں جو انسان کی یادوں میں سدا بہار موسم کی طرح دیکھتے رہتے ہیں۔ توپ کا پی گل استنبول کے میوزیم میں جب ہم نے اسلامی تاریخ سے جڑی بہت سی چیزیں دیکھیں تو ہمارے دل کی عجیب حالت ہو گئی۔ میوزیم میں جاتے وقت یہ معلوم نہیں تھا کہ ہم یہاں کون سی مبارک چیزیں دیکھنے کے لیے جا رہے ہیں۔ جب میری نظر ان چیزوں پر پڑتی

اور میں کاغذ پر کبھی تفصیل پرستی تو حیران رہ جاتی اور اسی حیرت کے عالم میں آگے بڑھتی جاتی۔ (وہاں تو ہم سب کی پیاری آپاڈ کی بگڑائی کے اپنے ہاتھ کا لکھا قرآن پاک کا نسخہ بھی ہے۔ ماشاء اللہ) خواہشیں یوں پوری ہو گئیں کہ ہمیں علم بھی نہ ہو سکا۔ گناہ گاروں کو بھلا اور کیا چاہیے۔ پھر مولانا رومی کے قویہ میں ہم نے ایک عجیب سا سکون محسوس کیا۔ وہاں کی فضاؤں میں خاموشی باتیں کرتی محسوس ہوتی اور تصوف کے انوکھے رنگ جا بجا نظر آتے۔

بہت کم جاتا ہے۔) دنیا بھر میں مختلف ممالک میں پاکستان کی برآمدات کا ایک نام ہے تو مختلف سفر کرتے ہوئے انسان بہت سی معلومات سے بھی آگاہی حاصل کرتا ہے۔ نارمان کے آگے جھیل سیف الملوک کی سیر کرتے ہوئے ہمیں وہاں کے ایک لوکل شخص نے اس جھیل سے منسلک پوری کہانی سنائی۔ وہ کہانی مصر کے شہزادے سیف اور پریوں کی شہزادی بلبل الجبال کی کہانی تھی۔ ایک لوکل داستان بھی ہے آج بھی لوگ شوق سے سنتے ہیں تو راسٹرز کے لیے بہت ضروری ہے کہ وہ سفر کریں۔ (جی نایاب جیلانی نے اپنے ایک ناول ترک وقایہ میں یہ قصہ لکھا ہے۔) اس کے علاوہ مجھے ٹینک کا شوق ہے اور میں نے باقاعدہ ٹینک کے کورسز کیے ہیں جہاں اوڈن چلانے سے لے کر ٹیک، پیسٹری، بڑا، چکن بریڈ اور بن وغیرہ سب کچھ سیکھ کر سیکھتے ہیں مگر صرف کورس سیکھنا اہم نہیں ہے، آپ کو پریکٹس بھی کرنی پڑتی ہے، درجہ آپ جیزیں بھول جائیں گے۔ اب چونکہ digital world کا دور ہے اس لیے ہم نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ ہمیں انفارمیشن ٹیکنالوجی سے آگاہی حاصل کرنی چاہیے ورنہ ہم بہت پیچھے رہ جائیں گے۔ شروع، شروع میں تو مجھے کورس کی اتنی سمجھ نہیں آتی تھی مگر آہستہ آہستہ میں سمجھنے لگی اور اب تک بہت سی چیزیں سیکھ چکی ہوں۔ یہ کورسز یونیورسٹی پر موجود ہیں اور بالکل فری ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے پکڑوں کی ڈیزائننگ کا بھی بے حد شوق ہے اور میری ایک بوٹیک بھی ہے جہاں ہاتھ کی کڑھائی، گوٹے اور میکش کے کام کے ملبوسات تیار ہوتے ہیں۔ ہم نے کوشش کی کہ اپنے روایتی اور ثقافتی آرٹ کو اجاگر کریں اور لوگ اپنے ہنر کے بل بوتے پر معاشی طور پر مستحکم ہو سکیں۔ ہنر بہت سے لوگوں کے ہاتھوں میں منتقل ہوتا رہے، ہجوم ہم نے ایک لمحے میں شروع کیا تھا اب وسیع پیمانے پر پھیل چکا ہے اور امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور یورپ ہمارے بے شمار پارٹنر بن گئے ہیں اور لوگ ہمارے کام کو بہت پسند کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی زمانے میں، میں Painting بھی کرتی تھی۔

بہت کم جاتا ہے۔) دنیا بھر میں مختلف ممالک میں پاکستان کی برآمدات کا ایک نام ہے تو مختلف سفر کرتے ہوئے انسان بہت سی معلومات سے بھی آگاہی حاصل کرتا ہے۔ نارمان کے آگے جھیل سیف الملوک کی سیر کرتے ہوئے ہمیں وہاں کے ایک لوکل شخص نے اس جھیل سے منسلک پوری کہانی سنائی۔ وہ کہانی مصر کے شہزادے سیف اور پریوں کی شہزادی بلبل الجبال کی کہانی تھی۔ ایک لوکل داستان بھی ہے آج بھی لوگ شوق سے سنتے ہیں تو راسٹرز کے لیے بہت ضروری ہے کہ وہ سفر کریں۔ (جی نایاب جیلانی نے اپنے ایک ناول ترک وقایہ میں یہ قصہ لکھا ہے۔) اس کے علاوہ مجھے ٹینک کا شوق ہے اور میں نے باقاعدہ ٹینک کے کورسز کیے ہیں جہاں اوڈن چلانے سے لے کر ٹیک، پیسٹری، بڑا، چکن بریڈ اور بن وغیرہ سب کچھ سیکھ کر سیکھتے ہیں مگر صرف کورس سیکھنا اہم نہیں ہے، آپ کو پریکٹس بھی کرنی پڑتی ہے، درجہ آپ جیزیں بھول جائیں گے۔ اب چونکہ digital world کا دور ہے اس لیے ہم نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ ہمیں انفارمیشن ٹیکنالوجی سے آگاہی حاصل کرنی چاہیے ورنہ ہم بہت پیچھے رہ جائیں گے۔ شروع، شروع میں تو مجھے کورس کی اتنی سمجھ نہیں آتی تھی مگر آہستہ آہستہ میں سمجھنے لگی اور اب تک بہت سی چیزیں سیکھ چکی ہوں۔ یہ کورسز یونیورسٹی پر موجود ہیں اور بالکل فری ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے پکڑوں کی ڈیزائننگ کا بھی بے حد شوق ہے اور میری ایک بوٹیک بھی ہے جہاں ہاتھ کی کڑھائی، گوٹے اور میکش کے کام کے ملبوسات تیار ہوتے ہیں۔ ہم نے کوشش کی کہ اپنے روایتی اور ثقافتی آرٹ کو اجاگر کریں اور لوگ اپنے ہنر کے بل بوتے پر معاشی طور پر مستحکم ہو سکیں۔ ہنر بہت سے لوگوں کے ہاتھوں میں منتقل ہوتا رہے، ہجوم ہم نے ایک لمحے میں شروع کیا تھا اب وسیع پیمانے پر پھیل چکا ہے اور امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور یورپ ہمارے بے شمار پارٹنر بن گئے ہیں اور لوگ ہمارے کام کو بہت پسند کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی زمانے میں، میں Painting بھی کرتی تھی۔

وہ آئے بزم میں.....  
 کے ساتھ مشاغل بھی بدل گئے۔ (تو گویا آپ ہر فن مولا ہیں..... ٹھیک ہے ناں!)  
 پاکیزہ..... آج کل کے ٹی وی ڈرامے کس کچھری عکاسی کرتے ہیں؟ کس کلاس کے مسائل بتا رہے ہیں؟  
 مدیحہ شاہد..... یہ سوال آپ کو پروڈکشن والوں اور چینل والوں سے کرنا چاہیے۔ ڈرامے وہی بناتے ہیں اور وہی اس بات کا بہتر جواب دے سکتے ہیں۔ (بھئی لکھتے تو آپ راسٹرز ہی ہیں ناں)  
 پاکیزہ..... کچھ اپنی پسند و ناپسند بھی بتا دیں مثلاً پسندیدہ لباس، موسم، ڈش، ذائقہ، تہوار، خوشبو، پھول، تقریجی مقام، رشتہ، شخصیت، جملہ کوئی شعر، کوئی لمحہ، کوئی کتاب۔  
 مدیحہ شاہد..... میں ایک خوش لباس خاتون ہوں اور مختلف لباس پسند ہیں۔ شلوار قمیص، لمبے فرائ، ساڑی، غرارے، لمبے، لانگ اسکرٹ اور بلاؤز پسند ہیں۔ موسم بہار کا پسند ہے۔ تہوار عید کا، ہر طرح کی دھیمی خوشبو پسند ہے۔ پھول سب ہی خوب صورت لگتے ہیں، مومے کے، ٹیولپ، جینٹلی، گلاب کے اور بادام کے درخت پر لگنے والے پھول بھی بے حد دلکش ہوتے ہیں۔ تقریجی مقامات بے شمار ہیں، رشتہ ماں اور اولاد کا، باپ اور بیٹی کا۔ بے شمار جملے اور شعر ہیں اور بے شمار لمحے بھی، جب میرے بچے پیدا ہوئے تو وہ لمحے بھی نہیں بھول سکتی۔ پسندیدہ شخصیت ہمارے پیارے نبی حضرت محمد کی ہے اور حضرت علی کی شخصیت بھی میری آئیڈیل شخصیت ہے۔ علم اور بہادری میں ان کا ایک عظیم مقام ہے۔ توپ کا پی میوزیم استنبول میں ہم نے نبی، صحابہ کرام اور اہل بیت کی بہت سی چیزیں دیکھیں تو دل کی عجیب حالت ہو گئی۔ وہاں بہت سی اسلامی اور تاریخی چیزیں موجود ہیں جنہیں دیکھنا ہر مسلمان کی خواہش ہے۔ وہاں نبی کریم کی چاندی کی مہر، خانہ کعبہ کی چابی، حضرت موسیٰ کا عصا، حضرت یوسف کا عمامہ شریف، حضرت عمار بن یاسر، حضرت علی اور حضرت جعفر طیار کی تلواریں، حضرت امام حسینؑ کا جبہ مبارک، (کوٹا) حضرت محمدؐ کی مبارک مہنامہ یاد کیا۔ دسمبر 2022ء



سنہری یادوں کا سفر ادارہ

الحمد لله اب ہم گولڈن جوبلی کے دور سے گزر رہے ہیں

سوال 1:..... ماہنامہ پاکیزہ سے پہلا شمارہ؟  
سوال 2:..... پاکیزہ تحریروں سے کوئی تین ایسی باتیں کیا سیکھیں جو آج بھی زندگی کا حصہ ہیں؟  
سوال 3:..... ٹیکریا دیور حاضر کے پسندیدہ قلم کار کہ جن کی تحریریں پڑھنے کو آج بھی بے چین رہتی ہیں؟  
سوال 4:..... کوئی فراموشی سلسلہ ہے تو ضرور بتائیں۔

سوال: 2..... پاکیزہ تحریروں سے کوئی تین ایسی باتیں کیا سیکھیں جو آج بھی زندگی کا حصہ ہیں.....؟

سوال: 3..... سینئر ریڈور حاضر کے پسندیدہ قلم کار کہ جن کی تحریریں پڑھنے کو آج بھی بے چین رہتی ہیں؟

سوال: 4..... کوئی فرماتی سلسلہ ہے تو ضرور بتائیں۔

نجمہ جبار..... بیا اول پورا

1: پاکیزہ سے تعلق تو 1997ء سے ہے جب تکیت

سیرا اور نایب سلطانہ اختر کے سلسلہ وار ناول چل رہے تھے۔ اندر رنگین صفحات اور ”سننے میرے اپنے“ پاکیزہ پہنوں کا دلچسپ سلسلہ تھا اور اب تو پاکیزہ اتنا کمزور ہو گیا اس مخصوص ڈاکڑ کی وجہ سے ہاں مگر اب بھی معیار برقرار ہے تب ہی تو پچاس سال کا ہو گیا اور ہمارے دلوں میں زندہ ہے۔ ہر ماہ اپنی گرم جوشی سے ہماری آنکھوں کے سامنے پوری شان و شوکت سے آتا ہے۔ میرے بڑے بھائی احسان جاسوسی و سپنس ڈائجسٹ کے شیرازی اور ان کے ساتھ، ساتھ ہی بھی ڈائجسٹ پڑھنے میں طاق تو وہیں پورے خاندان میں مشہور ہوئی ڈائجسٹ کی دیوانی یہ سلسلہ پاکیزہ کی یادوں کا ہی ہے تو مجھے یاد ہے کہ سب گھر والے ایک طرف ہوتے اور نجمہ گھر کے اوپر والے حصے میں گر بیوی یا سردی اپنی من پسند چیز جو اس وقت سے اب تک عزیز ہے یعنی ڈائجسٹ خاص کر پاکیزہ کے سنگ ہوئی.... رسالے پڑھنے کی وجہ سے ایک ڈنڈا ابھی تک یاد ہے کہ بہت شوق سے ایک بار ڈائجسٹ لے کر اسکول گئی کہ بریک میں پڑھوں گی مگر ایک بیئرید ہوا تو ٹیچر کو آنے میں دیر اور میں تو کتاب کے اندر ہی رسالہ کھول کر پڑھنے لگی ایک مس پیچھے سے آنیں زور

دارو غنائیری کر پر بار اور ڈانٹ سے بھی نواز تو اس کے بعد سے کبھی ڈائجسٹ اسکول نہیں لے کر گئی۔ اور امتحان کے دنوں میں بھی پیپر کے دن تازہ شمارہ آجاتا تو میرا سب چھوڑ کر صرف اپنے پسندیدہ سلسلے وار تاول کی اگلی قسط پڑھنا اور اپنی پیپر کے بعد جی ہاں پر یہ نہیں کہ پڑھائی کا شوق نہیں تھا بلکہ پڑھائی اور اس کے بعد جاب بھی اپنی مرضی سے کی۔ میں پاکیزہ سے متعلق خود کو خوش قسمت سمجھتی ہوں کہ کبھی گھر والوں نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ یہاں تک کہ شادی کے بعد شوہر اور سسرال والوں نے بھی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی تو پھر میں نے یونیٹ پر اپنا تاول کا بیض بنایا جس پر نایاب خواتین کے لیے پاکیزہ کی دلچسپ و اصلاحی تحریریں پڑھتی ہوں کہ جو خواتین بیانی کی وجہ سے پڑھ نہیں سکتیں وہ سن لیں۔ میرے دو بیٹے آریان وار مقان اور ایک بیٹی شامل ہے۔ شوہر ڈائجسٹ لا کر دیتے ہیں یا میں انہیں سے منگوا لیتی ہوں۔ مزے کی بات بتاؤں کہ میری بہن عائشہ، بھابی گوری، دیورانی راحت و قاطبہ، جیشانی بھابی سعیدہ، دوست و کرن شانیہ، رابعہ اور نوشین بھی پاکیزہ پڑھتی ہیں۔ پاکیزہ کی ایڈیٹر زہرت اصغر، معاون ایڈیٹر آمنہ حاد سے بات ہوئی تو اتنا اچھا لگا دونوں سے بات کر کے اپنا تین بھر انداز..... سمجھے کہ انہیں آفریقا کے

میں بھی اپنے وطن کو ترقی کی راہ پر گامزن دیکھنا چاہتی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ پاکستان کے ہر گھر میں خوش حالی ہو، ہر بچہ اسکول جائے، ہر شخص میں انصاف ہو، ہر گھر میں تحفظ ہو، ہر گاؤں میں سہولتیں ہوں، کسانوں کی زمین پر فصلوں کے ساتھ خوشیوں کے پھولوں کی کاشت بھی ہو۔ مزدوروں کو حقوق ملیں، محنت کشوں کے دن پھر گریں۔ ہر شخص کے چہرے پر مسکراہٹ ہو کسی پر ظلم اور زیادتی نہ ہو اور نہ ہی کسی کے بنیادی حقوق سلب کیے جائیں۔ طاقتور غرور کا چولا اتار پھیکیں اور دولت مند مسکین کے لیے فیاض ہو جائیں۔ پاکستان لا الہ الا اللہ کے نام پر بنایا گیا ہے اور جو چیز تو حید کے نام پر بنائی جائے وہ سدا کا نامزدی ہے۔ دعا ہے کہ ہمارے وطن کو معاشی استحکام ملے اور یہاں پر ترقی اور خوش حالی کا راج ہو۔ آمین! (ہر محبت وطن، باسعود شہری کی یہی خواہش، یہی تمنا، یہی دعا ہے) پاکیزہ حمد..... ہماری بزم میں آکر کیسا لگا ضرور بتائیں؟

مدیجہ شامد ❖..... آپ کی بزم میں آکر بے حد خوشی ہوئی کہ اہل قلم کی محفل نصیب والوں کو ملتی ہے۔

پاکیزہ: مدیجہ بہت شکریہ آپ نے وقت نکالا اور پاکیزہ کی بزم میں آئیں، آپ سے بہت دلچسپ و سیر حاصل اور معلومات افزا گفتگو رہی۔ جس سے ہمارے پیارے قارئین بھی یقیناً مخطوط ہوئے ہوں گے۔ اللہ پاک آپ کے ہر صلاحیت میں روز افزوں اضافہ فرمائے، آمین۔

☆☆☆  
جی قارئین! خوب صورت بزم سے اب اجازت  
یقیناً آپ نے بھی بہت کچھ جانا ہوگا، بہت کچھ سیکھا ہو۔  
جلد ہی ایک اور قلم کار کے ساتھ ایک خوب صورت نشست  
سجائیں گے۔ دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔  
جنوں کے راستے یوں تو کھین سے لگتے ہیں  
مگر یہ راستے منزل تک ٹٹکتے ہیں  
زمانہ ہر قدم پہ راہ روکنے والا  
عزائم پختہ ہوں جن کے وہ کب بھٹکتے ہیں

☆☆☆

حضرت قاسم کا علیا مبارک اور مندوبی، حضرت عثمان کے ہاتھ سے لکھا ہوا قرآن پاک، یہ اسلام کے خزانے ہیں جنہیں ترکوں نے محفوظ رکھا ہے۔ ہر مسلمان کی طرح میں بھی محبت الہی بیت ہوں اور الہی بیت کی سب شخصیات ہی پسندیدہ شخصیات ہیں۔ پسندیدہ کتاب اللہ تبارک و تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کو ترجمہ دوسرے کما حقہ پڑھنا چاہیے اور اسے سمجھنے کے لیے غور و فکر کرنا چاہیے۔ میں اکثر قرآن کا ترجمہ نقل و جمع ہوا، ایک بار میں نے یہ آیت پڑھی۔

وہ انہی لہذا انزلت الی من خبیر فقیر۔  
(اے میرے رب تو مجھے خبر دے کہ میرا حال کیا ہے۔ جب حضرت  
موسیٰ فرعون کے علاقے سے چلے گئے اور سفر میں تھے کہ  
راستے میں انہوں نے دیکھا کہ کچھ لوگ اپنے جانوروں کو  
کتوں پر پانی پلانے کے لیے آئے ہیں۔ ان میں دو  
لڑکیاں بھی تھیں جنہوں نے اپنی بکریوں کو پانی پلاتا تھا مگر  
لوگوں کے دھن کی وجہ سے وہ ڈرا دوڑ کرڑی تھیں۔ حضرت  
موسیٰ نے ان لڑکیوں کی مدد کی، ان کی بکریوں کو پانی پلایا  
اور پھر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے اور انہوں نے  
یہ دعا مانگی۔ مجھے ترجمہ بآسانی سمجھ آ گیا، تفسیر بھی پڑھ  
لی۔ پھر میں نے غور و فکر کیا تو علم ہوا کہ حضرت موسیٰ نے  
دعا مانگنے سے پہلے یہ دو کام کیے تھے۔ لڑکیوں کی مدد کی تھی  
اور بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ پہلے انسان  
دوسروں کی مدد کرے پھر آرام سے بیٹھ کر دعا مانگے۔ اس  
دعا میں خبر کرنا کہ حضرت موسیٰ نے یہ دعا درخت کے  
سائے میں بیٹھ کر مانگی۔ سائے میں سکون اور آرام ہوتا  
ہے۔ یعنی کر دعا آرام اور سکون سے بیٹھ کر مانگی جائے۔  
ترجمہ اور تفسیر میں نے پڑھ لی تھی، غور و فکر خود کر لیا۔ اسی  
طرح آج جب بھی قرآن ترجمہ و تفسیر سے پڑھیں گے اور  
اس پر غور و فکر کریں گے تو بہت سی باتیں واضح ہوتی چلی  
جائیں گی۔ (واہ، بہت اچھے سے تفصیل بتائی)

پاکیزہ ♦..... اپنے ملک پاکستان کو کیسا دیکھنے کی  
خواہش ہے؟

مدیحہ شاہد ❖..... ہر محبت وطن یا کستانی کی طرح

پیشہ و ملازمت کیلئے - دسمبر 2022ء



دل عزیز خوش ہو گیا تو ان شاء اللہ میں پاکیزہ کے ادارے میں جلد آؤں گی کہ مجھے تو اسلاف سے ملنے کا خود اتنا شوق ہے۔ اور خدا رسول سے بھی ملنے کا۔

2: ارے کیوں تین کیوں میں تو ساری باتیں بتاؤں گی ہم نے جو پاکیزہ کی خبروں کے ساتھ اس کے سلسلے سے بھی سیکھیں، کب، کیسے، کیوں، کس طرح، کس انداز میں، کہاں کیا کہنا اور کرتا ہے۔ کہے، کیا بولتا ہے۔ زندگی کیسے گزارتی ہے، دوسروں کو اپنا کیسے بناتا ہے خود میں اعتماد کیسے لاتا ہے۔ مثبت سوچ اور



نجمہ جبار اپنے پیارے بیٹوں کے ساتھ

تعمیری کام اور زندگی کے تمام مراحل میں آگاہی پاکیزہ کی راسخ فنی تحریریں ہی تو دیتی ہیں۔ اب ذرا پاکیزہ کے مختلف حصوں یعنی سلسلوں کی طرف چلتے ہیں تو یہ ”خوش ذائقہ“ یعنی کھانے پکانے کا سلسلہ یہ ہم پاکیزہ بہنوں کو شوہر اور سرسبز کے معادے کی چھوٹی چھوٹی تنگ تنگ سڑکیوں میں برق رفتاری سے ایک سرخ دروازے یعنی دل کی دلیز پار کر کے وہاں اپنے لیے پیار و اپنائیت کا چمچ کاشت کرنے تکمیل د کرتا ہے۔ سب سے اہم یعنی شمع ہدایت، روحانی مشورے، پہلے کے سلسلے مسائل و مشورے، پاکیزہ کے شروع سے اب تک کے تمام دینی سلسلے ہماری زندگی کے بہت سارے مسائل کا حل نکالتے ہیں۔ پاکیزہ کا ”مجھے کچھ کہنا ہے“ ہے جہاں ہمیں ہر 30 دنوں بعد ملتی حالات بتاتا ہے وہیں اخلاقی، دینی و دنیاوی، گھریلو معاملات میں نہیں دیتا ہے اور ہر سال کے مخصوص نمبرز میں بہت اچھی معلومات لاتا ہے۔ حمد و ثناء اور اساتے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھ کے سکون ملتا ہے تو پاکیزہ ڈائری میں ہر طرح کا کچھ ملتا ہے جو سب کے لیے اچھا ہوتا ہے۔

ادرا ب آتا ہے وہ سلسلہ جو چچا سال سے منفرد اور ہر دل عزیز سلسلہ ہے یعنی ”بہنوں کی محفل“ اس خوب صورت سی بہت ہی بڑی بیٹھک کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہ ہے۔

3: اس سوال کا جواب طویل ہے مگر مجھے کیا میرا پاکیزہ میری راسخ فنی اور میری مرضی۔ تو پاکیزہ میں پرانی تحریریں پاکیزہ کلاسک سے ذکیہ بگڑا می اور وہ مصنفات جو وفات پا گئیں جن کا ذکر ہر سال سالگرہ میں ہوتا ہے ان کی خاص تحریریں اور اس کے ساتھ شیریں حیدر، سیما سرانج، نسرین جمیل سیال، زہرا پروین، افشائ آفریدی، ثانیہ جیلانی، سحر ساجد، نوشین ناز اختر، انجم انصار، دروانہ نوشین خان، عالیہ حرا صبیحہ شاہ، مہناز عرفان، ناہیدہ سلطانہ اختر، نعمت سیما، مسکان نور، سمیرا سرفراز، جمیرا نوشین، فرحت انصاری، شمع تفسیر، فاطمہ گل، شیم فضل خالق، شہینہ گل، سعدیہ ہما، شمع، عقیلہ حق، ورتشن بلال، رفعت سرانج، ناہیدہ چودھری، ساجدہ حبیب اور ساری راسخ فنی جو پاکیزہ کی ہیں سب کو پاکیزہ میں دیکھنا چاہتی ہوں۔

4: میں بھی فہمیدہ جاوید، تنسیم کوثر اور روجی مہا کی طرح چاہتی ہوں کہ یہ بہت فضول سلسلہ گوشہ ظرافت ختم کر دوں کہ نہ ہر گھٹا ہے یہ مجھے۔ آپ انجم انصار کے پرانے ترین جلتے رنگ ہی لگنا شروع کیجئے یا ان کی دیگر مزاحیہ کتب سے خاکے پاکیزہ میں دیں۔ انداز تو کی جگہ پاکیزہ میں کوئی نفسیاتی مسائل کا سلسلہ شروع ہو۔ راسخ فنی یادوں کا کوئی دلچسپ سلسلہ بھی شروع ہو۔

☆☆☆

بقیہ: گھر آگئیں کے تارے

بڑا پاکیزہ جذبہ ہے۔

پاکیزہ: ..... بہنوں کی باہمی محبت کے لیے لفظی اظہار ضروری ہے یا روایتی کافی ہے؟ آپ کا طرز عمل کیا ہوتا ہے؟

نیلوفر عباسی: ..... محبت کا اظہار روتوں سے تو ہوتا ہی ہے لیکن میں سمجھتی ہوں کہ الفاظ سے بھی اظہار ہوتا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے بولنے کی نعمت عطا کی ہے تو استعمال کرنا چاہیے۔

دُر شہوار: ..... بہنوں کی محبت ہو یا کوئی اور رشتہ ساری محبتوں میں لفظی اظہار کی ضرورت نہیں پڑتی۔ آپ کا رویہ سب کچھ بتا دیتا ہے۔ لفظی اظہار محبت میں وہ لطف کہاں جو محبتوں سے چور و تیل میں ہے۔

پاکیزہ: ..... روشنی میں کون برق رفتار ہے اور منانے میں کسے ملکہ حاصل ہے؟

نیلوفر عباسی: ..... میں حتی الامکان کسی سے ناراض نہیں ہوتی۔

دُر شہوار: ..... روشنی میں ہی برق رفتار ہوں منانے کا کام ہمیشہ باجی نے کیا ہے۔

پاکیزہ: ..... دلی جذبات و احساسات چھپا لیتی ہیں یا چہرے سے عیاں ہو جاتے ہیں؟

نیلوفر عباسی: ..... میں ایک بہت سادہ زندگی گزارنے کی عادی ہوں لہذا غیر معمولی کیفیات سے گزرنے کا موقع شاذ و نادر ہی آتا ہے گوشہ کرتی ہوں اگر کوئی چھوٹی مولی غلط خبر بھی ابھار لے نہ ہوئے توں کیا کہ اس کے اثرات چہرے سے عیاں ہوں۔

دُر شہوار: ..... میں دلی جذبات چھپا نہیں سکتی فوراً بتا چل جاتا ہے۔

پاکیزہ: ..... افتاد پڑنے پر ہاتھ پاؤں چھوڑ دیتی ہیں یا حواس قابو میں رکھتے ہوئے پریشانی کا حل نکالتی ہیں؟

نیلوفر عباسی: ..... اللہ کا احسان عظیم ہے کہ میں نے افتادوں سے بچا کر رکھا ہمیشہ لیکن کبھی کوئی مشکل ہوتی

حواس قابو میں رکھتی ہوں۔ معاملہ اللہ پر چھوڑ دیتی ہوں۔

دُر شہوار: ..... نہیں، میں بہت ہمت والی ہوں۔ افتاد پڑنے پر (خدا خواستہ) ہاتھ پیر چھوڑنے کے بجائے اس کا حل تلاش کرتی ہوں۔

پاکیزہ: ..... اچانک دعوت کا اہتمام کرنا پڑ جائے تب کیا حکمت عملی اختیار کرتی ہیں؟ نیلوفر عباسی: ..... اب کیا مشکل ہے باہر آرڈر کر دیں سب کچھ آجائے گا۔

دُر شہوار: ..... کچھ نہیں۔ ہوٹل زندہ ہوا ہے

پاکیزہ: ..... اپنی غلطی تسلیم کرنے میں وقت لگتا ہے یا احساس ہوتے ہی مان لیتی ہیں؟

نیلوفر عباسی: ..... مان لیتی ہوں۔

دُر شہوار: ..... احساس ہوتے ہی مان لیتی ہوں۔

پاکیزہ: ..... خریداری دل لگا کر کرتی ہیں یا محض درجہ دہری کچھ کر؟

نیلوفر عباسی: ..... خریداری سے مراد شاہجہاں کپڑوں، جیولری وغیرہ کی ہے تو مجھے خاص دلچسپی نہیں ہے اب تو آن لائن سب موجود ہے۔

دُر شہوار: ..... میں خریداری شوق سے کرتی ہوں۔

پاکیزہ: ..... وزارت، بہبودی سوال کا عہدہ سونپا جائے تو آپ کے اولین تین اقدامات کون، کون سے ہوں گے؟

نیلوفر عباسی: ..... اچھے اقدامات کر کے لیے کسی وزارت کا عہدہ ضروری نہیں۔ اصلاحی مشورے آپ کسی بھی حیثیت میں دے سکتے ہیں۔ اول یہ کہ خواتین کو اپنے حقوق کا علم ہونا چاہیے، ان کی آگاہی ہونی چاہیے۔ اس میں آپ کو مددگار ہونا چاہیے۔ اسلام نے جو حقوق خواتین کو دیے ہیں اگر ان کی درست اور مکمل آگاہی ہو تو وہی کافی ہیں۔

دُر شہوار: ..... سب سے پہلے ساری لڑکیوں اور عورتوں کے لیے لازمی تعلیم۔ دوسرے گھریلو تشدد کے خلاف سخت اقدامات اور تیسرے خواتین پر کیجڑا اچھالنے والوں کے خلاف سخت اقدامات کروں گی۔

پاکیزہ: ..... شادی کے بعد بہنوں کی دوستی اور تعلق

ماہنامہ پاکیزہ

2022-11-15



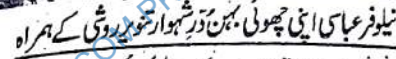
مدیر

03316266612,021.35386783.021.35802552.Ext:110

**کچھ باتیں اپنی بہنوں سے**

اس دفعہ بہنوں نے رضوانہ پرنس کی تحریر کو بہت پسند کیا مجھے امید بھی  
ہی تھی اور خوشی بھی ہوئی کہ آپ کو ان کی تحریر پسند آئی۔ عالیہ حرا کی  
تحریر کو بھی بہنوں نے بہت پسند کیا۔ امید ہے اختتامی حصہ بھی پسند  
آئے گا۔ مجموعی طور پر اس شمارے کی تمام تحریریں بہت کامیاب  
رہیں۔ باقی تحریروں کے بارے میں بہنوں کے خیالات تو اس محفل  
میں آپ پڑھ ہی لیں گی۔

ان شاء اللہ دسمبر کے پہلے ہفتے میں ذیشان رسول اپنی فیملی کے ساتھ  
اور میرا جیتے جاوید علی عباس امریکا سے اپنی فیملی کے ساتھ ایک ماہ کے  
لئے آ رہے ہیں۔ میں ان دنوں ظاہر ہے کافی مصروف رہوں گی تو مجھے  
لگتا ہے اگلے ماہ کی محفل میں شاید آپ سے بات نہ ہو پائے مگر آپ  
سب کے پیغام سلام، دعاؤں مجھ تک پہنچتی رہیں گی۔



میں زیادہ پابنداری آجاتی ہے یا دیگر رشتے  
اس محبت پر غالب آجاتے ہیں؟  
نیلوفر عباسی:..... ہر رشتے کی اپنی  
نوعیت اور اہمیت ہوتی ہے۔ اسے گڈ گڈ نہیں  
کرنا چاہیے۔  
مادر ہوار:..... شادی کے بعد نئے  
رشتے بنتے ہیں ماں ہونے کا اعزاز حاصل  
ہوتا ہے لیکن خون کے رشتوں کی محبت میں  
کوئی کمی نہیں آتی۔

قدّر شہوار ❖ کیا کہنہ کو اپنے بچپن سے پڑھا ہے، ادب کا ایک گراں قدر شاخ ہے۔ قلم کاروں سے کہوں گی کہ اپنا مطالعہ وسیع کریں اور پاکیزہ بہنوں کے لیے پیغام ہے کہ ہمیشہ اپنے حق کے لیے لڑیں۔

☆☆☆

قازقین من!..... قوی امید ہے کہ ”گھر آگن کے تارے“ کی اولین جگہ آپ سے آپ نے یقیناً حظ اٹھایا ہوگا۔ ان شاء اللہ گا ہے یہ گاہ اس دلچپ سلسلے سے آپ لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔ ہمیں اپنی رائے سے آگاہ کرتے رہیے گا۔ گھر آگن میں چمکتے دکھتے تمام تاروں کے لیے ہماری دلی دعا ہے کہ

پاکیزہ ..... پسندیدہ رشتہ، شخصیت،  
کتاب، موسیقی، رنگ، خوشبو، موسم، وقت، لی دی پروگرام، فلم،  
تفریحی مقام، مشغلہ، کھیل، موسم کے لحاظ سے مشروب اور دوش؟  
نیوٹریمبا ..... ہر وہ رشتہ جس میں مطلب اور  
خود غرضی نہ ہو، ہر شخص جو ایک عام آدمی سے اپنی محنت  
اور لگن سے خاص بن گیا۔ اپنے میدان میں کمال کر  
دکھایا اس میں فنون لطیفہ کی تمام شخصیات شامل ہیں۔ ہر  
وہ کتاب جو قمر علی عباسی نے تحریر کی (سفر نامے) رنگ،  
ایکائی، بلیو، پینک، لائٹ براؤن، angel  
perfume، دل خوش ہو تو ہر موسم علی الصباح، بکریٹ  
افیرز کے پروگرام، پاور جی، ارمان، چکوری، سوات،  
کالام، روح افزا، بہاری کباب، گول گپے۔ (پانی پوری)  
ذہر شہوار ..... پسندیدہ رشتہ، مال، پسندیدہ  
شخصیت، ماں، آگ کا دیار، سوئٹ موسیقی، ہر گہرا رنگ  
خاص کر کالا رنگ، موڈ کے مطابق اپنی خوشبو جیسے چنبیلی،  
سردی کا موسم، رات کا وقت، ہر وہ فلم جس میں سپنس  
ہو، تفریحی مقامات بہت سارے، کرکٹ، اردو اور  
انگریزی ادب کا مطالعہ، مرثدا اور بچنے کی دال، کاحلو اور  
موسم میں پسند ہے۔

پاکیزہ ..... آپ کے دل جذبات ماں جائی کے لیے؟  
 نیلوفر عباسی ❖ ..... محبت، محبت اور محبت۔  
 ”دو شہزاد“ ❖ ..... اللہ تعالیٰ میری باقی کو کسی زندگی دے

Doesn't put this in



ہے، اپنی رائے سے ضرور آگاہ کیجئے گا۔ نئے سال کے لیے دعاؤں کا تحفہ حاضر ہے۔ اللہ سب کے لیے اور ہمارے وطن کے لیے آئے دلآسا سال نہایت اچھا ثابت ہو۔ آمین.....!

اللہ تمہارا  
دعا گو، عبدالرشید

☆☆☆

پیاری بہنو..... جب روایت سنتی ضرور اور سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنے سے قلم ایک بار غلوں دل سے درود پرا بھیجی اور اس کے بعد تم با آہستہ کریمہ ضرور پڑھ لیں اور اپنی دعاؤں میں اپنے پیاروں کے ساتھ، ساتھ تمام اہل وطن کو بھی یاد رکھیں۔

☆☆☆

**مصنفات، شاعرات اور قاریین پاکیزہ بیسوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں**  
☆ پاکیزہ کی مستقل قاری ڈیپارٹمنٹ، صبا آصف، کراچی کی بھانجی انوشہ طارق کی منگنی کی تقریب اسامہ بن عابد کے ساتھ چاند نور کو کثیر دعویٰ انجام پائی۔ (مبارک ہو)

☆ ماہنامہ پاکیزہ کی پرستار، شاعرہ، خوش مزاج و خوش نوا پیاری دوست شگفتہ شفیق اپنی پیاری بیٹی، ڈاکٹر کنزل داماد اور ننی نوا سے ملنے کو روانہ ہو گئی ہیں۔ (ماشاء اللہ خیر سے جائیں خیر سے آئیں)  
☆ پاکیزہ کی مستقل قاری، تہرہ نگار و مرسلہ نگار شایہ مبارک اور ان کے اہل خانہ عمرے کی سعادت حاصل کرے مسعود عرب روانہ ہوئے۔ (بہت، بہت، مبارک ہو)

☆ پاکیزہ کی دیرینہ ساتھی حدیث اختر، حاصل پور کے بیٹے محمد فہیم کی انٹرنیٹ کیشن لاہور آفس میں پیشکش سب انسپکری حیثیت سے جاب ہو گئی ہے۔ (ماشاء اللہ، بہت مبارک ہو)  
☆ مصنفہ، شاعرہ و پاکیزہ کی مستقل تہرہ نگار محترمہ سلک غزل امریکا میں اپنے بچوں کے یاس چھ ماہ گزار کر بحیرت وطن واپس آ گئی ہیں۔ بہو، بیٹے روکتے رہے مگر سلک کی دھرتی ماں کی اور بیٹی پاکیزہ بہنوں کی یاد بھیج لائی۔ (اچھی بات ہے ان سے ملے پھر چلی جائیں گی)  
☆ پاکیزہ کی مستقل قاری رومی صبا کی بیٹی اقرا کی گزشتہ ماہ منگنی ہوئی اور دبیر میں ان کی رخصتی ہے۔ (بہت، بہت مبارک ہو)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری قلم کار تسلیم شیخ، ساہیوال اپنے نئے گھر میں شفٹ ہو گئی ہیں۔ (بہت، بہت مبارک ہو)  
☆ داوی کاغان سے تعلق رکھنے والی پاکیزہ کی دیرینہ پرستار سیدہ شگفتہ حیات ترنڈی ان دنوں اپنے رشتے داروں کی شادیوں منائے میں لگی ہیں (ماشاء اللہ) اس کے ساتھ ساتھ وہ تمام پاکیزہ بہنوں کو بہت یاد کرتی ہیں اور اپنے علاقے کے حسین خاندانوں سے مبارکباد رسانی کرتی ہیں۔ آج کل داوی کاغان و ناران بریلی ہواؤں کی زد میں ہیں۔ (بہت اچھے خوب سردی سے لطف اٹھاؤ اور ہمیں بھی احوال بھیجو)

### دعائے صحت

☆ ہماری اور سب بہنوں کی پیاری، سستی فریدہ جاوید فری، لاہور کو دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔ وہ تمام بہنوں کی دعاؤں کے لیے شکر یہ کہتی ہیں۔  
☆ پاکیزہ کی مستقل قاری اور مرسلہ نگار روجی صبا، کراچی کی مکمل صحت یابی کے لیے ہمیں دعا کریں۔  
☆ مستقل قاری و مرسلہ نگار گنیزہ فیاض بخش، کراچی کی طبیعت پچھلے دنوں کچھ تاسا ز رہی، ہمیں آپس دعاؤں میں یاد رکھیں۔  
☆ مسز مالک، کامرہ سے تعلق رکھنے والی پاکیزہ کی دیرینہ قاری ہیں۔ ان کی پریشانیاں دور ہونے اور ان کے لیے آسائشوں کی ہمیں ضرور دعا کریں۔

### انتقال پر ملال

☆ مصنفہ قیصرہ حیات کے والد ماجد مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے۔  
☆ تمام مرحومین کے لیے دعائے مغفرت ضرور کریں۔

☆☆☆

بہنوں اب آئیے..... اپنے خطوط کی طرف.....  
کچھ مسرت عزت، شہدہ رہے۔ اس بار سب سے پہلے بات کروں گی شبنم گل کے ناول قصہ دل کی جو بہت زبردست اور دلچسپ ہوتا جا رہا ہے اس میں مختلف ماحول اور تربیت کے زیر اثر لڑکیوں کی کہانی ہے بہت خوب صورت اور فکر انگیز موضوع ہے۔ اذن بہار میں حالات و واقعات نے بہت خوب صورت انداز میں پلٹا کھا یا ہے۔ نقد کرنے میرب کو کیسے آسمان سے زمین پر لا پٹا ہے اسی لیے تو کہتے ہیں غرور و تکبر سے دور ہواں تحریر کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ک تعریف کروں۔ عالیہ جراحی اس بار بہت اچھے موضوع کے ساتھ آئی ہیں، دلچسپ اور زبردست تحریر ہے۔ ابن مریم، آگے چل کر پتا چلے گا کہ مریم کون ہے؟ (ہاں) نس پڑھتی رہو اور رائے بھی دیتی رہو) فیملہ..... دو مردوں کے آگے ہاتھ پھیلائے والوں کے لیے بہت ہی سبق آموز تحریر تھی۔ دھنک کے رنگ، ایک شادی شدہ بیٹی کی زندگی میں ماں کا کھانا دار ہوتا ہے اس تحریر میں بتایا گیا ہے یعنی بعض مائیں بیٹیوں کو اپنی پیٹیاں پڑھاتی ہیں مگر زیادہ تر مائیں بیٹیوں کو سدھارتی ہیں۔ بہت ہی اچھی تحریر تھی۔ (اور کیا سدھارتا بھی چاہے، اپنے بدلے بیٹیوں سے تھوڑی لینے چاہئیں) مکافات عمل، رضیہ بیگم نے اپنی بیٹیوں کے ساتھ کر بھو کی زندگی کو اجڑن کر رکھا تھا مگر ایسے لوگ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ اللہ بھی ہے جو ہر بندے کے ساتھ بہتر انصاف کرنے والا ہے۔ (بے شک) زینا حسن کی دلچسپ تحریر..... نوکری، پڑھ کر بہت مزہ آیا واقعی عورت کے لیے باہر نکلتا اور جاب کرنا کسی آزمائش سے کم نہیں ہوتا۔ (اس آزمائش پر ہمت، جرأت عزت اور عقل مندی سے اترنا ہوتا ہے) گزشتہ میں وردہ بخاری نے بہت اچھے بتا دیا کہ والدین کے آپس کے جھگڑوں کا بچوں پر کتنا برا اثر پڑتا ہے۔ سمجھو نا! اچھی تحریر تھی نیل کے ساتھ باقی گھر والوں کا جو سلوک تھا سوچا مگر اس کے شوہر جیل کی بے اعتنائی سے دکھ ہوا مگر پھر بھی نیل نے صبر اور جھجکتی کی ذیوار کو کھائے رکھا اور بالآخر خود کو سونا یا مگر نیل کی طرح ہمت اور بڑا دل کون کہاں سے لائے۔ (اللہ سے دعا کرتی چاہیے) کہانی ہر دور کی اور آگئی بھی اچھی تحریریں تھیں۔ اس کے علاوہ شمع ہدایت بہت ہی خوب صورت، سبق آموز مکتبہ علمی صاحب سے ملاقات، زبردست رہی۔ باقی تمام سلسلے بھی دلچسپ رہے۔ آئی آپ ہر وقت مجھے کہتی ہیں کہ لہذا تہرہ لکھتی ہوئیں اس مرتبہ مختصر لکھا ہے۔ (اوہو، بہت نوازش اس مختصر اور پیارے سے تہرے کے لیے) کچھ جینا، کراچی سے۔ "خوب صورت لڑکی کے خوب صورت ڈریس سے مزین نوہر کا پاکیزہ ہاتھ میں آیا اور چما گیا آپ سے ایک پُر زور ریکونٹ ایک بار پھر ہے وہ کہ سلسلے دار ناول کے علاوہ بھی پھر ملیں گے..... مطلب باقی آئندہ والے سنی ناول کے بجائے افسانے زیادہ جیتے ہیں۔ (سب کی پسند نا پسند دیکھی ہوئی ہے۔ تم بھی ناولوں سے لطف اٹھایا کرو۔ بہت اچھی کہانیاں چل رہی ہیں) پاکیزہ کے آج کل پر تاروں جیسے دل چاہتا ہے (کہانی پر سز جیسی کہ دل تو بس چاہتا ہی نہیں ہے کہ چاہا جائے بے حد..... بحساب..... اس کے بعد بروکیڈ کی بونیا اچھی کہانی، اچھی قصہ گوئی کی کہانیاں میں ایسے ہی خوش ہوئیں۔ جیسے بروکیڈ کی نازکی سنہری روپوشی تاریں۔ سائولی دکن اور کتب نقد تو مقدر کے لکھے کا مکمل ہی ہے کبھی چوکے تو کبھی چٹکے..... پھر آخر میں بھی کبھی مکمل کا پانچا پلٹ جاتا ہے۔ ابن مریم پر تہرہ مکمل ہونے کے بعد محبت چار حرف، اچھی اسٹوری ہے۔ متاع زیت ہوتم..... کہیں، کہیں غیر ضروری طوالت لگی اشارت اور اینڈ دونوں ہی اچھے تھے۔ پاکیزہ میں شاعری، نظم، از مسرت عزت شہدہ، میرے خیال میں..... سب سے نمر ون رہی۔ باقی شاعری بھی بہترین ہے پاکیزہ ڈائری کا تو جواب نہیں..... مدد شکر کہ بہنوں کی محفل ابھی تک صحت مند ہے یعنی صفات کم نہیں ہوئے اور ہونے بھی نہیں چاہئیں۔ آخر کو ہم سب بہنوں کا مشترکہ میکا ہے۔ جسے اللہ بھرا پرا آج آج رکھے۔ (آپ سب کو بھی اللہ پاک اسی طرح خوش باش و بول رکھے تمام سلسلوں کا خیال رکھتے ہوئے رسالہ ترتیب دیا جاتا ہے) کچھ صبا آصف، بخش حدید، کراچی سے۔ "سرور قی کی دکن بہت خوب صورت اور مخصوص سی تھی۔ سرور قی دکن نمبر کے لحاظ سے تھا۔ شمع اختر انصاری کا افسانہ بروکیڈ کی بونیا بہت زبردست اور بہت کچھ سکھاتا ہوا، رشتوں کو نبھاتا ہوا، درگزر و خاندان کو جوڑ کر رکھنا..... ایک ایسا افسانہ جس سے ہم بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ پاکیزہ ہمیشہ ایسے افسانوں کا انتخاب کرتا ہے جو ہماری



زندگیوں میں معاون ثابت ہوں اور ہماری زندگی میں بہتری لے کر آئیں۔ شائستہ ذریعہ کا سروے بہت اچھا تھا ایک کار آمد موضوع پر جو ہر مگر کی ضرورت ہے۔ نئی بری فلم لگانے کا بہت شکر ہے۔ (آپ کی مختصر تبصرے کے ساتھ آمد کا شکر ہے آپ سب کی سرگرمیاں ہمارے لیے اہم ہیں۔ کوشش کرتے ہیں تمام بہنوں کے پیغام، سلام، مراسلات ملنے پر)۔

کچھ فریڈہ انکار، اسلام آباد سے۔ ”آج کا ماہ پورا آزاد معاشرہ کہ جس میں میڈیا شامل ہے سب کچھ لکھنے والوں کی نگاہ میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ کہ ہوں کو بدلتیز، بیٹیوں کا ماں پر چڑھنا، چلانا، بیٹیوں کی نا فرمانی، اور سونے پر سہاگہ ساسوں کا بہوں کے ساتھ سلوک (یہ سب کچھ اس نئے ٹیل کے پاس ہو جانے سے پوری ہو جائے گی۔ کس ڈھٹائی سے یہ کام ہو رہا ہے۔ ہم کرنے کوئی چاہتا ہے خدا نخواستہ اگر یہ دبا (قوم لوط والی) ان کے اپنے گھروں میں دسک دے، دے تو۔۔۔ اور کیا پتا ہو بھی۔ اب سرور مٹی ہے کہ لڑکے ہر عام فاشی پھیلائیں اور لڑکیاں استغفر اللہ۔۔۔ ہماری بدستوری یہ ہے کہ برا وقت ہم دیکھ رہے ہیں، یہ ایک دہائی کی فریاد ہے۔ یہ سارے کرشمے دین سے دوری کی وجہ سے رونما ہو رہے ہیں۔ پروردگار ہمیں ہماری اولاد، ہماری آنے والی نسلوں کو اس دجالی فتنے سے محفوظ رکھے، آمین۔۔۔ کتنے ماں، باپ ہیں جو اپنے بچوں کو حج نماز فجر کے لیے جگاتے ہیں۔ عبادت سختی سے نہیں کروائی جاتی بلکہ دل میں نماز کی محبت، رسول اور اللہ کریم کی محبت ڈالی جائے۔ روز بروز دینی نہیں۔ اب ماؤں کے پاس وقت کہاں کہاں گھٹتا بچوں کو اپنے پہلو میں بٹھا کر دینی باتیں کریں۔ پیار سے بیٹیوں کی کہانیاں سنیں، بس ہاتھ میں موبائل دے کر اپنی ذمہ داریوں سے جان چھڑائی اس لیے کہ مشترکہ خاندانی نظام تو تباہ کر دیا گیا۔ میں آج تک اپنی مرحوم والدہ کی شکر گزار ہوں کہ حج چار بجے میرے پاؤں کا گھوٹا ہلا کر چگائی تھیں۔ وہ سحر خیزی کی عادت اب تک پختہ ہے۔ اللہ عزوجل۔۔۔ اللہ ان کو جنت کے اعلیٰ مقام میں رکھے، آمین۔ ہمارے اسکول میں بریک کے فوراً بعد نماز کی ادائیگی ہوتی۔ اور پورا اسکول سر بسجود اس لیے کہ اسلامیات کی استاد دینک تھیں (جی بالکل سرکاری اسکولوں میں یہ ہوتا تھا)۔ میرا رونا نہیں روتا ہے نہ سارے گستاخانہ (قابل) (بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں، آپ۔۔۔ اب بھی وقت ہے کہ ہوش کے ناخن لیں) اپنے آپ پاس، اپنے شہر، اپنے ملک کے لیے۔۔۔ سب کے لیے دست بدعا ہوں کہ پروردگار عظیم ہماری خطاؤں کو معاف کرے اور ایک صحیح اسلامی معاشرہ تشکیل پائے۔ (آمین) ہم چندوں کی تفصیلں سجالیتے ہیں، جھوم جھوم کر لغت خوانی کروا لیتے ہیں۔ مگر عبادت اور قرآنی تعلیمات کی اصل روح سے نا آشنا ہیں۔ اور دریں ضمن ہوا اور ڈیزائن کے پتروں پر یا پھر آس پڑوں کی خبروں پر بحث شروع۔ اللہ معافی دے۔۔۔ دعاؤں کی طلبگار ہوں، آپ نے تولد و دماغ جھنجھوٹنے والی باتیں کیں۔ اس کے لیے ہر فرد کو اپنے، اپنے مقام پر ضرور کوشش کرنی چاہیے۔ اکثر اپنے بچوں کے ساتھ، ساتھ ملازمین کے بچوں کو بھی بٹھا کر قرآن پاک کی تعلیمات۔۔۔ دی جاتی تھیں۔ اللہ ہم سب کو ہدایت پر رکھے، آمین۔

فریڈہ، بھل، ڈیڈاس، امریکا۔ فریڈہ آیا آپ کے مراسلات ملتے رہتے ہیں اور پاکیزہ میں شائع بھی ہوتے ہیں۔ آپ نے پاکیزہ منگوائے ہیں اس سلسلے میں ہم نے پہلے بھی بتایا تھا کہ اپنا فون نمبر ہمیں لکھ دیجیے تاکہ آپ سے تفصیلی بات ہو جائے کہ کس کس ماہ کے پرچے چاہیں۔ پاکیزہ کی پسندیدگی کا شکر ہے۔ آپ کو براہ راست بھی خط روانہ کیا گیا ہے۔ رسالے پر درود نمبروں پر فون کر کے آپ اذکار سن سکتی ہیں۔ اپنا بہت خیال رکھیں اور پاکیزہ کے بارے میں اپنی رائے بھی دیتی رہیں۔

✉ حمیدہ کوثر، اڈاکاڑہ۔ امید ہے آپ کو پاکیزہ اب باقاعدگی سے مل رہا ہوگا، سالانہ خریداری کے لیے اس نمبر پر رابطہ کریں۔ مرزا مہر عباس صاحب۔ 03012454188 سرکولیشن منیجر سید مسین صاحب کے نمبر پر بھی رابطہ کر سکتی ہیں۔ 0333,3285269 ہم تمام رابطہ نمبرز مستقل اپنے رسالوں میں دیتے ہیں۔ پاکیزہ پر تبصرہ بھی ضرور لکھیں۔

حکمتہ ناز ملک، علی پور سے۔ ”پاکیزہ والوں کی مہربانی سے مجھے اس ماہ پاکیزہ پانچ تاریخ کو مل گیا تھا اور اس کو میں نے جلدی جلدی پڑھ لی۔ سب سے پہلے بہنوں کی فحش کی بات کروں گی۔ خاص طور پر آسیہ عاصم صاحبہ اور پردیپ افضل شاہین کی دل سے ممنون ہوں جنہوں نے میری کہانی پر تبصرہ کیا۔ اور جو پیغام میں دینا چاہتی تھی اس کو سمجھا، اور آئندہ کے لیے یہ امید تھی ہوں کہ جب بھی میری کوئی کہانی شائع ہوگی پاکیزہ فحش کی کہانیوں سے ہمیں اپنی رائے ضرور دیں گی چاہے وہ تحریف ہو یا تنقید میرے لیے اہم ہوگی۔ قرۃ العین ہانی صاحبہ کی کاتبہ قدر بہت زبردست تھی۔ شہیریں حیدر کی کہانی محبت چار حروف کے دوسرے حصے کا شہرت سے انتظار ہے۔ فیروز کے چاول کھانے کا اسٹائل بہت کیوت سا لگا۔ بالی ٹیلی ویژن ان شاء اللہ آئندہ ماہ کروں گی کیونکہ میں اپنے آبائی گاؤں آئی ہوئی ہوں تو یہاں

مصرفیت بہت زیادہ ہے کیونکہ یہاں کبھی کبھی آتا ہوتا ہے۔ مختلف حیات مذہبی، کاغان کے لیے پیغام ہے کہ آپ کے پہاڑ آپ کا علاقہ محرز وہ کردیتا ہے اور وہاں سے واپس بھی آجائیں تو پہاڑ واپس بلاتے رہتے ہیں ان میں اتنا سحر ہے۔ سیف الملوک تو کاغان کے عشق میں مبتلا ہوں، دغا کریں کہ جلدی آؤں اور سب کے لیے بہت کی محبتیں بہت سی دعائیں، خوش رہیں۔ (تبصرے کا شکر ہے)۔

کچھ نسیم کوثر، کراچی سے۔ ”پیارا، پیارا پاکیزہ اس بار فرسٹ نمبر کو ہی مل گیا۔ اگر بات کی جائے اذن بہاری تو ماشاء اللہ ناہید سلطانہ اختر کی کہانی تو نمبروں بھاگ رہی ہے اور اسی طرح صراط عشق کا بھی جواب نہیں۔۔۔ اور عالیہ حرا کا ابن مریم بھی اچھا لگ رہا ہے اور جناب شادان ترین تصدول کو شہینہ گل نے حد خوب صورت تحریر کر دی ہیں۔ اس کے علاوہ شیریں حیدر کے محبت چار حروف تو غضب کی عمدہ اسٹوری ہے شیریں کو ہماری طرف سے دلی دعائیں اور بھی خاص طور پر غزالہ عزیز کا شاہکار دنگش و دلفریب ناول متاع زلیست ہوتے تو پاکیزہ کی شان بڑھادی۔ مصنفہ کو بے حد مبارک باد۔۔۔ بات کی جائے افسانوں کی تو رضوانہ پریس کا دل چاہتا ہے۔ نمبروں رہا اور بروکیٹی کی بیٹی تو خوب رہی ہماری نانی اماں بھی بالکل ایسے ہی بناتی تھیں بلکہ شاید وہ اسے کتے والی کہتی تھیں۔ (بالکل ٹھیک کہا) اس میں کافی تھیں ہوتی تھیں جس میں سوئی، بن، وغیرہ رہتی تھیں۔ ہم نے یہ بیٹی اپنی اماں کے پاس دیکھی تھی جو کہ انہیں جھیز میں لگتی تھی۔ خیر بات کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی۔“ (ہاں پہلے ایسے ہی بنے ہوتے تھے، اس میں بزرگ سونف چھایا بھی رکھتے تھے تاہم نے تو بے انتہا تحریک لکھیں کہ وہیں کچھ کی شہینہ بھی بتاؤ)

کچھ روجی صبا، کراچی سے۔ ”پاکیزہ تو مطالعے میں مشغول رہتا ہے مگر دو تین مہینوں سے خط نہیں لکھا۔ وجہ یہ ہے کہ اب آپ مجھے نظر انداز کر رہی ہیں پہلے آپ حوصلہ افزائی کرنی تھی تو میں اپنی ذرا، ذرا سی ہمت جمع کر کے خط لکھنے بیٹھ جاتی تھی۔ (ارے بیماری روحی ہم تو تمام بہنوں کو برابر سے جگہ دیتے ہیں، آپ ناراض نہ ہوں) اب شمارے کی طرف آتے ہیں۔ کاتبہ قدر فرقا العین کی تحریر زبردست تھی۔ ہمارے بہت پیارے رب نے ہمارے لیے بہت اچھا لکھا ہوتا ہے۔ بس کبھی جلدی ملتا ہے، کبھی دیر سے۔ بہر حال اچھی تحریر بھی، شہناش احسان بھی میں شوق سے پڑھتی ہوں۔ اعتدالی حصے کا نے چینی سے انتظار ہے۔ ان شاء اللہ بہت اچھا اختتام ہوگا۔ مجھے یقین ہے (ہاں جی، بالکل)۔ سانولی دہن بھی مختصر مگر پڑا کرشمی۔ کیا کہے بندہ۔ یہ دلوں سے کھلتے والے، دلوں پر درخشاں گانے والے تو سوجھے کی زحمت ہی نہیں کرتے جب تک ان کو خود چوٹ نہ لگے مگر مسئلہ یہ ہے کہ ہر ایک کو چوٹ نہیں لگتی تو کچھ لوگ ہماری زندگی دوسروں کو دکھ دیتے رہتے ہیں اللہ فرمائے (اللہ پاک ان سے احساس کی لغت چھین لیتا ہے بھی تو خیر اور نیکی کی توفیق کی دعا مانگی جاتی ہے)۔ شاعری اچھی تھی مگر کچھ بے وزن بھی تھی جو کہ پاکیزہ کا مزاج نہیں ہے۔ میں کسی کا نام نہیں لوں گی بس آپ ہی شاعری پڑھیں فوراً سے۔ آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا۔ اس بارے میں بہت احتیاط کریں۔ ہم جیسوں کے ذہن پر بہت گراں گزرتی ہے۔“ (ہاں بالکل غور کریں گے اس پر)۔

کچھ ناہید علیہ، ملتان سے۔ ”نمبر کا پاکیزہ ملا ورق پر بھی دہن بہت اچھی لگی۔ اذن بہار بہترین سے بہترین ہو گیا ہے۔ مٹی ناول تصدول، شہینہ گل کا ناول جو لکھا جا رہا ہے وہ کافی حد تک سحر ہے ہمارے ناول سے ملتا جلتا ہے (کالج اور ہاسٹل کا احوال ملتا جلتا ہوگا مگر سب لڑکیوں کی کہانیاں بالکل مختلف ہیں)۔ عالیہ حرا کا ناول، ابن مریم زبردست جا رہا ہے۔ متاع زلیست ہوتے غزالہ عزیز کی بہترین کاوش ہے۔ محبت چار حروف شیریں حیدر کا اچھا لگا دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے۔ سروے میں دہنیں اچھی لگیں۔ شادی کا احوال پڑھا حازہ آگیا۔ مگر میں مہمانوں اور پچھائی طبیعت کی خرابی کے باعث خط کا کافی دنوں بعد اور مختصر لکھ رہی ہوں۔ سب راتیں اور عذرا رسول کو میرا سلام کہیے۔“ (بہت شکر مختصر تبصرہ لکھنے کا۔ اپنا خیال رکھیں)

کچھ آسیہ عام، کراچی سے۔ ”رشم جیسا پاکیزہ ہر زار بنا ہوا میرے ہاتھوں میں آتا ہے تو میں سارے کام بھول جاتی ہوں لیکن اس دفعہ کا پاکیزہ ہر زار کے بجائے گل و گلزار لگا۔ ہر دہن کے ماتھے کا دیا (ہندیا) ہمیشہ چمکتا رہے، سدا سہاگہ رہیں

### سائنہ ارتحال

ادالہ و ادالہ راجعون جاسوی ڈائجسٹ جلی فیض کے کپڑوں پر انچارج احمد کی والدہ کا گزشتہ دنوں رضائے الہی سے انتقال ہو گیا ہے۔ دکھ کی اس گھڑی میں ادارہ ان کے گم میں برابر کا شریک ہے۔ اللہ پاک مرحومہ کی بخشش و مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین یارب العالمین۔



شاہد آباد میں۔ آخر شجاعت آئی کہ مضمون شامل معصوم مضمون نہیں خزانہ ہے جسے موتیوں کی مالا ہے۔ ایسے مضمون پر تبصرہ تو نہیں ہاں اس بات پر دل خوش ہے میری کہ ہم امت محمدی ہیں ہم سے زیادہ خوش قسمت کون ہوگا؟ لکھنے والی نے تو اپنا حق ادا کر دیا اب اس کا نامہ ارفض ہے۔ بروکلی کی بیوی اس ماہ کا شاندار افسانہ ہے اگرچہ لوگوں کو برداشت کرنا مشکل ہے لیکن ایک جملہ اچھی طرح رٹ لیں۔ ”کوئی بات نہیں“ تو زندگی بہت ساری تکلیفوں سے بچ جاتی ہے۔ شیخ اختر انصاری، شیخ تفسیر بی بی کوئی اور لکھ لیں۔ ویسے تحریر پر تو تفسیر کی نگہ دہی ہے وہ اپنا لکھی ہیں (نہیں یہ دوسری رائے ہیں)۔ اذن بہار پچھلی قسط پر بڑھ کر میرے مضمون بہت دیکھ رہا تھا لیکن اب اس کی طبیعت ٹھیک سے اور تھوڑا سا کھڑا کھڑا شواک کہانی میں ہونا چاہیے، ریحان کی شادی بھی سادگی سے ہوئی۔ بس نصیحتیں ہی چل رہی ہیں اب تو..... لکھنی غزل کا تمناؤں کی خوشبو اچھا افسانہ تھا، البتہ عالیہ حرا کا ابن مریم اچھا جا رہا ہے، صاحبہ کا دھمک کے رنگ ابو لکھا کرتے تھے پھر اور بہ موم کی طرح ہوتے ہیں اسے جیسا چاہیں ویسا بنالیں۔ زیادہ تر لڑکیاں جیسا دیکھ ویسا بنیں پرم لکھتی ہیں جبکہ جھدار لڑکیاں جو اچھا ہے وہ ویسا ہی اپناتی ہیں۔ پھر ہی گھروں میں خوشیاں اترتی ہیں، دشاؤم، ناول صراطِ مستقیم سے لکھی ہیں اور مدول لکھا کر پڑھ رہے ہیں، جوں جوں پڑھتے جاؤ مزہ آتا ہے جہاں زیادہ مزہ آئے لکھا ہے ایک دم پرک لکھا جاتی ہے بھلا آئندہ والی پرک..... تسلیم شیخ کا سادگی دہن ہاں بھی سانولی دہن بھی کام کی لکھی ہیں اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ساری گوری دہنیں غور ہو رہی ہیں، تھنڈوں میں تو افشاں کے اعمال کے حساب کا ٹیم (ٹائم) آگیا ہے دیکھیں لکھی ہیں اپنی ہے بہت برے کر تو تھنڈا کر لکھی ہوئی چاہیے محبت چار حرف مائی سویت ہارٹ شیریں حیدر سب سے پہلے تو بتائیں آپ کی طبیعت کیسی ہے اللہ آپ کو صحت بخیر دے (آمین، اب بہتری کی طرف ہیں ماشاء اللہ)۔ آپ تو لاہور کے ہے، جیسے واقف ہیں۔ میری نانی کو باری گیت رتھی تھیں۔ امی کے ساتھ جایا کرتے تھے، کہانی پڑھتے ہوئے اپنے آپ کو نانی لگ اور سینکڑوں دھڑکیوں میں محسوس کر رہی تھی۔ ناول پڑھتے ہوئے کہیں کہیں گھن بھی آتی جب پان والا گود میں غور کو بٹھا کر دیاں دیتا ہے یا غور کے پاس سے بدبو آتی ہے لیکن زندگی کی حق حقیقتوں کو ایسے ہی بے نقاب کیا جاسکتا ہے۔ کیا شائستہ زہریں بھی ان ”ہمدوں“ پر سروے کر رہی ہیں؟ (یہ موضوع ہو سکتا ہے مگر احتیاط سے) ذل چاہتا ہے، رضوانہ پرنس کا بی بی عرصہ بعد آئیں، کچھ شوہر ایسے خشک ہوتے ہیں لیکن ان کو چاہیے اپنے شوہر کے رنگ میں رنگ جائیں کیونکہ سب زندگی تو انھی کے نام ہے شادی مبارک میں سب کی شادیوں کا احوال اچھا لگا۔ رطابہ باری کی مصوم بی باتوں پر بہت پیار آیا۔ فرح ناز کے شوہر کی طرح ہمارے عامر صاحب بھی۔ دو تکی کی بھی شادی پر جانا ہو کر والوں سے پہلے بچ جاتے ہیں، سارے راستے ہمیں ڈانٹتے جاتے ہیں کل سے شور مچا ہوا تھا۔ ہم پر سب تیار ہوا لیکن نہیں..... اور وہاں پہنچ کر پھر ہماری باری ہوتی ہے۔ ایک شادی پر تو خود ہو گئی، ہم لوگ ہال پہنچے ایک دو میز پر رہے تھے گھر والے کافی دیر بعد آئے۔ نجمہ جبار کی شادی میں مزہ آیا۔ پاکیزہ کے مہمانوں سے مل کر چھا لگا۔ (بہت پیارے تبصرے کا شکریہ۔ رائٹر کو کہانیوں پر ایسی ہی تجویز چاہیے ہوتا ہے)

کھ فریدہ ہاشمی خلی لکھتی ہے: ”اس بار ماڈل بھی بہت پیاری سی ہے، ویسے تو مجھے۔ لڑکیاں سب ہی اچھی لگتی ہیں، خدا کرے سیدھے راستے پر چلتی رہیں اور اچھے نصیبوں والی ہوں، آمین..... (جی بہت اچھی دعا ہے) بچوں کے عالمی دن پر آپ کا ادارہ بے حد اچھا لگا۔ بڑی اچھی باتیں ہیں، خدا والہ دین کو عقل عطا فرمائے کہ بچوں کی اچھی تربیت کریں، آمین۔ اختر بہن نے اس بار بھی بہترین مضمون لکھا ہے، اس کی تعریف ہی نہیں ہو سکتی۔ شاہل رسول کے بارے میں جتنا بھی لکھا جائے اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ وہ انسان کامل تھے۔ ان جیسا کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہوگا..... شیدہ گل کی کہانی ابھی تک پوری نہیں ہوئی۔ پہلے نمینہ کی داستان بھی اب افشاں کی ہے، برے کاموں کے نتائج بھی برے ہی ہوتے ہیں۔ رضوانہ پرنس بہت دلوں بعد آئیں لیکن ایک اچھی سبق آموز کہانی لے کر آئیں۔ سچ ہے محبت اور ازدواجی زندگی میں جب تک توازن نہ ہو زندگی خوشگوار نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بات عورت کے ہاتھ میں کم اور مرد کے ہاتھ میں زیادہ ہوتی ہے۔ یہی بات رضوانہ نے بہت اچھی طرح واضح کی ہے۔ قرۃ العین خرم ہاشمی کی اس بار بھی بہت اچھی کہانی ہے۔ بے شک خدا ان پر رحم کرتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں، اس سے پہلے بھی اردو زبان پر ان کی کہانی بہترین تھی۔ ابن مریم بھی کافی دلچسپ ہوتا جا رہا ہے، شیریں حیدر کا ناول ان کی بہترین سوچ کا مظہر ہے، صرف آخری الفاظ سے اعجاز ہوا کہ غور کے ہاں ابو باب کون تھے۔ غزالہ عزیز نے بھی اچھا لکھا۔ خیال تو پرانا ہے لیکن کہانی نئے اور خوب صورت انداز سے ترتیب دی ہے۔ ناول دونوں بہترین جا رہے ہیں، خاص کر اذن پر ان کو بہت پسند آ رہا ہے، خدا کرے کہ امی بھی..... اور محبت

کرنے والی سوئچی مائیں ہوں تو معاشرہ ہی سدھ جائے (جی بالکل ہمارے علم میں ایسی مائیں ہیں)۔ پاکیزہ ڈائری میں سب بہنوں کی بہترین چیزیں ہیں، صبا آصف کی بھی پری نے دل خوش کر دیا۔ خدائے کو صحت و تندرستی عطا فرمائے۔ میری بھی کئی چیزیں نظر آئیں، شکریہ آپ کی بھجوں کا..... سب بہنوں کے لیے نیک خواہشات اور سلام۔“ (پیارے تبصرے کا شکریہ فریدہ آپا) ☆☆☆

اچھا بہنو! تبصروں کا تو وقت فی الحال ختم، اس سال کے آخری شمارے میں چند گزارشات عرض کرتے ہیں۔ ان نئی لکھنے والیوں کے لیے عرض ہے کہ جو کہانیاں بھیج کر انتظار کی گھڑیاں نہیں گزار پائیں، کسی کہانی کو پڑھنے اور منتخب کرنے میں دو سے تین ماہ لگ جاتے ہیں اور جب اشاعت کی غرض سے ان کی ایڈیٹنگ اور قلم دریدہ ہوتی ہے اور ان کو سنوارا بھی جاتا ہے تو اس سلسلے میں وقت تو لگتا ہے ناں..... پھر ہماری مجبوری کہ رسالے کے صفحات بھی کم ہوتے ہیں۔ چار، چار سال سے کہانیاں منتخب ہوئی حفاظت سے رکھی ہیں۔ ایک دفعہ جب کہندیا تو لکھنے کی ضرورت پڑی۔ جوش اور جلد بازی لکھاری دوسرے رسالوں میں بھی وہی کہانی دے رہی ہیں جو کہ اخلاقی اعتبار سے بہت غلط بات ہے۔ اگرچہ چھاپنے سے بالکل انکار کر دیں تو آپ دے سکتی ہیں۔ اس سے رسالے کو کوئی فرق نہیں پڑتا، آپ کی اپنی ساکھ ابتداء میں خراب ہو جاتی ہے اور جواز دیا جاتا ہے کہ دوسرے رسالے والے کوئی جواب نہیں دیتے تو کہانی ہم نے آپ کو دے دی یہ نہایت غیر مناسب بات ہے، ہم کسی بھی رائٹر پر کوئی پابندی نہیں لگاتے اسے ہرگز قید کر کے نہیں رکھتے، قلم آپ کا ہتھیار ہے، طاقت ہے، ہنر ہے اس پر کیوں پابندی لگائیں۔ جن آپ اخلاقی طور پر یہ جرات کریں اور ایک کہانی ایک رسالے کو ہی دیں۔ سب جگہ جھپٹنے کا شوق ہے تو جہاں جہاں کہیں۔ اسی لیے تو ہم کہتے ہیں کہ سینئر سے کچھ اصول، بطور طریقے سیکھیں۔ ایک مخلص لکھاری، باشعور قلم کار بھی ایسا نہیں کرتا۔ آج کل شائستہ کٹ کے دور میں بھی اپنی روایات اور اخلاقیات کا دامن تھامے رکھیں۔ تحریر نگاری معاشرے کو درست سمت دیتا ہے، غلطیوں کی نشاندہی کرتا ہے اور ان کا تدارک بھی بتاتا ہے۔ امید ہے ہمارا نوا آموز قلم کار اس لکھنے کو شہرہ، فصاحت، تجویز اور دہشالی کر دائیں گی۔ ہم اپنے لکھنے والوں کے لیے پلیٹ فارم مہیا کرتے ہیں ان کی قدر کرتے ہیں، انہیں سراہتے ہیں اور میسر کرتے ہیں، امید ہے آپ سب بھی ان باتوں سے اتفاق کریں گی۔

سال نو میں ان شاء اللہ ایک نہایت خوب صورت، دلکش اور محسوس محفل سجا لیں گے۔ اپنے خطوط، مراسلات، نگارشات جلد سے جلد روانہ کر دیں۔ ماہ فروری ادارے کے بانی پریم ست اور بابائے ڈائجسٹ جناب معراج رسول کی برسی کا ماہ ہے۔ جو ہمیں اس سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہیں تو جلد سے جلد روانہ کر دیں۔ ویسے تو سال بھر ہی معراج صاحب کے مداح اور معتقد ہیں اپنے پرمختلص خیالات کا اظہار کرتے رہتے ہیں اور ان کی کاوشوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ سال نو میں ان شاء اللہ سینئر ترین ناول نگار اپنی نئی کاوش کے ساتھ جلد ہی ان صفحات پر رونق افروز ہوں گی..... بس انتظار کی گھڑیاں ختم ہوا چاہتی ہیں اگر آپ کی نگارشات فوری نہ بھی لگیں تو دو تین ماہ میں لگ ہی جاتی ہے۔ لہذا تا راحت نہوا کریں پیاریوں..... کافی باتیں ہوئیں اب دلی دعاؤں کے ساتھ اجازت سب مل کر دعا مانگیں۔ اے میرے رب رحم فرما کہ میں میری رحمت کی طلب گار ہوں..... تیری بخشش کی آس لے کر تیرے دروازے پر آئی ہوں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ مایوسی کے ساتھ پلیٹ جاؤں جبکہ تیرے سوا کوئی مولا کوئی آقا کوئی داری دار نہیں تیرے سوا کسی اور سے امید رکھوں جبکہ ہر بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے۔ میرے معبود میں نے اپنے ہاتھ سے تیرا دامن گرم پکڑا ہوا ہے پس مجھے اپنی توحید کے سچے پرستاروں میں شامل کر لے اور مجھے اپنے خنے ہوئے بندوں میں سے قرار دے مجھ پر اپنی عطا سے احسان کر ایسا یقین، ایسا جبین عطا کر کہ دنیا کی مصیبتیں، پریشانیائیں مٹ جائیں، میری سمجھ بوجھ پر سے ناوائی کے پردے دور کر دے۔ یا ارحم الراحمین..... ان دعاؤں کو مستجابی کے درجے پر پہنچا دے، آمین۔

والسلام خیر اندیش..... نہت اصف

### پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا

مدیر ماہنامہ پاکیزہ۔ 63c، فیز 111 سیکشن، ٹینس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500  
فون نمبر 110 EXT 021-35802552, 021-35386783, 021-35804200



## غزل

کیسی خیری بہتی ہے  
ہر کوئی دلگیر یہاں  
انسانوں کا مول نہیں  
لاکھوں کی تصویر یہاں  
بننے، بننے، بننے  
قسمت سے تقدیر یہاں  
اور کسے لوٹی جاتی ہے  
دل جیسی جاگیر یہاں  
کب لگائی جائے گی  
انصاف کی اک زنجیر یہاں  
کاوش جینا، کراچی

## ماں کا نعم البدل

ماں کیا ہے یہ تب جانا، جب میں ماں بنی  
ماں کیا تھی یہ اب جانا، جب ماں نہیں رہی  
لفظ ماں ذہن میں آتے ہی ایک خوب صورت  
محبت کرنے والی، اپنے بچوں پر جان و دل لٹانے والی  
ہستی کا تصور ذہن میں آ جاتا ہے۔ دنیا کے مختلف لوگوں  
نے اس کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے اور آئندہ بھی  
لکھتے رہیں گے۔ سب سے پہلے جو خیال میرے دماغ  
میں آیا وہ یہ ہے کہ اس کا دنیا میں کوئی نعم البدل نہیں ہے۔  
ایک بار اگر ہم نے اسے کھو دیا تو کروڑوں کی دولت لٹا کر  
بھی ہم اسے پائیں سکتے۔ انیس کا ایک شعر ہے۔  
ماتا جیسا دنیا میں رشتہ نہیں  
کوئی ماں کی طرح پیار کرتا نہیں  
اگر ماں دنیا سے چلی بھی جائے تب بھی اس کی  
چھوٹی سے چھوٹی بات بھی ذہن میں محفوظ رہتی ہے اور  
انسان اسے کبھی بھلا نہیں پاتا۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ اس  
کے قدموں میں جنت ہے تو ہم اس کی یعنی ماں، باپ  
کی جتنی بھی خدمت کریں کم ہے کیونکہ ایک ماں کے  
دل سے اپنے بچوں کے لیے ہمیشہ دعائیں نکلتی ہے۔  
ترس رہی ہوں کوئی ماں سا مہربان وجود  
دعاے نور پڑھے اور مجھ پر دم کر دے  
از: فریدہ فیصل ڈیلاس، یو ایس اے

اسی میں ڈوب کر مر جاتے ہیں

اللہ پاک رحم کا معاملہ فرمائے، بس.....

از: نسیم کوثر، کراچی

## قائد اعظم کی خوب صورت یادیں

لڑکیوں نے بزرگ سمجھ کر پردہ نہیں کیا  
قائد اعظم لڑکیوں کے ایک کالج میں گئے  
جہاں پردے کا خاص اہتمام تھا لیکن جب قائد اعظم  
تشریف لائے تو لڑکیاں پردے کی پروا نہ کرتے  
ہوئے ان کے سامنے آئیں، بعد میں مادر ملت محترمہ  
فاطمہ جناح نے قائد اعظم کو شوخ انداز میں دیکھتے  
ہوئے کہا۔ ”لڑکیوں نے آپ کو بزرگ سمجھ کر پردہ نہیں  
کیا۔“ قائد اعظم نے جواب دیا۔ ”میں اپنا بڑھا پائے  
نہیں کرتا۔“ اس پر شہید ملت خان لیاقت علی خان نے  
کہا۔ ”لڑکیوں نے آپ کو سیاسی شہنشاہ سمجھتے ہوئے  
آپ سے پردہ نہیں کیا۔“ قائد اعظم مسکرائے اور  
فرمایا۔ ”ہاں اب کچھ بات بنی ہے۔“

## خوب صورت وادیلوں

ایک دن قاضی عیسیٰ، قائد اعظم سے ملاقات کے لیے  
ان کی رہائش گاہ اورنگ زیب روڈ گئے۔ قائد اعظم نے  
دریافت کیا۔ ”مسلم لیگ کا حکمہ پیلٹی کیسا چل رہا ہے؟“  
قاضی صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”جناب محکمہ  
کیسے چلاؤں، میرے سپرد تو بڑے میاں سید شمس الحسن  
ہیں اور کانگریس نے جھانٹ کر خوب صورت دیویاں  
جمع کر رکھی ہیں۔“

قائد اعظم یہ سن کر خوب ہنسے اور فرمایا۔ ”اس  
سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ تمہاری پیلٹی نے جدہ منور ثابت  
ہو رہی ہے۔“

قاضی صاحب نے خواجہ باکر شرات سے عرض  
کیا۔ ”اگر اجازت ہو تو ان کے دفتر جا کر دیکھوں کہ  
ان کا طریقہ کار کیا ہے؟“ قائد اعظم نے کہا۔ ”نہیں،  
نہیں، آپ کی وجاہت ان کی دیویوں کو احساس کھتری  
میں مبتلا کر دے گی۔“

از: سنیل ملک، شاہدرہ، لاہور



## پاکیزہ ڈائری

## آمنہ

## حمد باری تعالیٰ

جی ربی جل اللہ مانی قلی غیر اللہ  
نور محمد صلی اللہ لا الہ الا اللہ  
اول و آخر ہے اللہ باطن و ظاہر ہے اللہ  
حافظ و ناصر ہے اللہ لا الہ الا اللہ  
دیکھتے کیا ہو اہل جنت اپنے محبوب خدا  
یعنی ہوئے جلوہ نما، لا الہ الا اللہ  
کون و مکان میں ہے اللہ دونوں جہاں میں ہے اللہ  
جسم میں جاں میں ہے اللہ لا الہ الا اللہ  
اعلیٰ جس کی ذات وہی اعلیٰ جس کی صفات وہی  
رکھ لی جس کے بات وہی لا الہ الا اللہ  
جی ربی جس نے کہا فیض کے دریا کو پایا  
مگر ہر مقصد ہاتھ آیا لا الہ الا اللہ  
کل جائیں درجۂ جنت کے درجہ کی سب آگ بجھے  
دل سے کوئی ایک بار کہے لا الہ الا اللہ  
غرض غلام فقیر ہے اب داخل رحمت ہوں ہم سب  
ذکر قبول ہو یہ یا رب لا الہ الا اللہ  
پسند: کوثر خالد، جڑانوالہ

## نعت رسول مقبول ﷺ

خدا یا! ایسا کوئی انتظام ہو جائے  
مدینہ جاؤں تو کچھ اہتمام ہو جائے  
مری بھی شوق اسیری میں عمر کٹ جائے  
ان ہی کے عشق میں پھر اختتام ہو جائے  
میں ان کو خواب میں دیکھوں تو پھر سلام کروں  
خدا کا حکم اگر ہو تو کام ہو جائے  
مجھے یقین ہے دعائیں قبول ہوتی ہیں  
کچھ ایسا ہو کہ وہیں پر قیام ہو جائے  
میں اسے گیت لکھوں، الہ کی شان پر ذکر  
پسند: منیر علی، لاہور

کہ ان کے چاہنے والوں میں تاہم ہو جائے  
کلام: ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی

## شان سرکار ختمی مرتبت

حضرت اس فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ  
والہ وسلم حکمت کے سب سے زیادہ جاننے والے  
تھے۔ سب سے زیادہ محترم سب سے زیادہ منصف،  
سب سے زیادہ حلیم و بردبار، سب سے زیادہ پاک و امن  
و عقیف اور لوگوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچانے والے  
اور لوگوں کی ایذا رسانی پر سب سے زیادہ صبر و تحمل کرنے  
والے تھے۔ (وسائل الوصول الی شائل الرسول)

## صورت زیبا

حدیث شریف: حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ  
میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کسی کو  
خوب صورت نہیں دیکھا۔ گویا آپ کے رخسار مبارک  
میں سورج تیر رہا ہے۔ جب آپ مسکراتے تھے تو  
دیواروں پر اس کی چمک پڑتی تھی۔ (مدارج النبوة)۔ از  
کتب الشفاء) ہندین الی مالہ سے روایت ہے دیکھنے  
والوں کی نظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ  
انور عظیم، بزرگ اور ودبے والا تھا۔ آپ کا چہرہ ایسا  
چمکتا تھا جیسے چودھویں کا چاند.....

مرسلہ: نگینہ ضیا نگیش، کراچی

## رحم کا معاملہ

ایک طالب علم سے پوچھا گیا:..... ”پڑھائی کیسی  
چل رہی ہے؟“ تو اس کا جواب کچھ یوں آیا۔  
”سمندر جیسا انصاف ہے  
ندی جتنا پڑھ پاتے ہیں  
بالٹی بھر یاد ہوتا ہے  
گلاس بھر لکھ دیتے ہیں  
جلو بھر نمٹتے جاتے ہیں“





## میں اکثر ننگی ہوں

صنیری زیدی

☆ غزالہ طاہر..... سرگودھا  
☆ آج ایک اور برس بیت گیا اس کے بغیر  
☆ جس کے ہوتے ہوئے ہوتے تھے زمانے میرے  
☆ نگہت آصف..... جرنی  
☆ پھر نئے سال کی سرحد پہ کھڑے ہیں ہم لوگ  
☆ راکھ ہو جائے گا یہ سال بھی حیرت انگیز  
☆ ڈرہوار..... راولپنڈی  
☆ ایک اجنبی کے ہاتھ میں دے کر ہمارا ہاتھ  
☆ لو ساٹھ چھوڑنے لگا آخر یہ سال بھی  
☆ سارہ عمر..... سعودی عرب  
☆ عمر کا ایک اور سال گیا  
☆ وقت پھر ہم پہ خاک ڈال گیا  
☆ نگہت رضوی..... اسلام آباد  
☆ بھلا بارش سے کیا سیراب ہوگا  
☆ تمہارے وصل کا پیاسا دبیر  
☆ ارم کمال..... فیصل آباد  
☆ منہم ہوتا چلا جاتا ہے دل سال بہ سال  
☆ ایسا لگتا ہے گرہ اب کے برس ٹوٹی ہے  
☆ ممتاز خاتم..... کراچی  
☆ اے جاتے برس تجھ کو سوچنا خدا کو  
☆ مبارک، مبارک نیا سال سب کو  
☆ صائمہ قیصر..... راولپنڈی  
☆ ایک لمحہ لوٹ کر آیا نہیں  
☆ یہ برس بھی رانگاں رخصت ہوا  
☆ شہزادی کائنات..... پتوں خانہ  
☆ تیری یاد کی برف باری کا موسم  
☆ سلگتا رہا دل کے اندر اکیلے  
☆ ارادہ تھا جی لوں گا تجھ سے بچھڑ کر  
☆ گزرتا نہیں ایک دبیر اکیلے

☆ کائنات عبدالحلیم..... میرپور خاص  
☆ اے کہنا خزاں آگئی ہیں اب تو لوٹ آئے  
☆ اے کہنا دبیر کی ہوائیں یاد کرتی ہیں  
☆ سنبل ملک..... لاہور  
☆ وہ کب بچھڑا، نہیں اب یاد لیکن  
☆ بس اتنا علم ہے کہ تھا دبیر  
☆ جبین نیاز..... ملتان  
☆ دبیر میں کہا تھا ناں کہ واپس لوٹ آؤ گے  
☆ ابھی تک تم نہیں لوٹے دبیر لوٹ آیا ہے  
☆ راحیلہ عظیم..... منڈی بہاؤ الدین  
☆ تمیں دن تک اسی دیوار پہ لگے گا یہ عکس  
☆ ختم ایک دن میں دبیر نہیں ہونے والا  
☆ رخسانہ عرفان..... راولپنڈی  
☆ کسی کو دیکھوں تو ماتھے پہ ماہ و سال ملیں  
☆ کہیں بکھرتی ہوئی دھول میں سوال ملیں  
☆ ذرا سی دبیر کی دھوپ میں بیٹھیں  
☆ یہ فرشتے ہمیں شاید نہ اگلے سال ملیں  
☆ ناملہ رضوان..... کراچی  
☆ وہ مجھ کو سوچ گیا فرقتیں دبیر میں  
☆ درخت جال پہ وہی سر دیوں کا موسم ہے  
☆ نمرہ شاہ..... حیدرآباد  
☆ جمع پونجی یہی ہے عمر بھرنی کی  
☆ مری تنہائی اور میرا دبیر  
☆ شاہینہ مبارک..... ہالہ  
☆ خشک رات میں تنہائی بھی چوکھٹ پہ کھڑی ہے  
☆ جاڑے کی اداس شام ہے، دبیر آن پہنچا ہے  
☆ ترے آنے کی امید بھی ہو چلی معدوم  
☆ نئے برس کا اہتمام ہے، دبیر آن پہنچا ہے

دوسرے سانج تک پہنچتے، پہنچتے اپنے اثرات و نتائج کے  
اعتبار سے کم وقعت ہو جاتی تھی۔ آج کا زمانہ گزشتہ  
زمانوں سے مختلف ہے۔ اب دنیا ایک گلوبل ویلج بلکہ  
گلوبل ہٹ بن چکی ہے۔ ایک، ایک خبر وقوع پر پور  
ہوتے ہی نہ صرف اپنے معاشرے کو متاثر کرتی ہے  
بلکہ پوری کائنات میں ایک ہی وقت میں ظہور پزیر  
ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ یہاں یہ امر بہر حال پیش  
نگاہ ہے کہ ہر خبر کا اثر مختلف معاشرے پر مختلف ہوتا  
ہے۔ کوئی خبر ہمارے معاشرے کی تقدار پر منفی اثرات  
مرتب کرتی ہے جبکہ وہی خبر مغربی معاشرے کے لیے  
بے اثر ٹھہرتی ہے۔ اس صورت حال میں ہم ایک  
گلوبل ویلج میں رہتے ہوئے بھی اخلاقی، معاشرتی  
معاشی اور مذہبی سطح پر ایک دوسرے سے جدا گانہ  
حیثیت کے حامل ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم  
اس گلوبل ویلج کے تقاضوں کے مطابق ایک نیا اور تازہ  
معاشرہ تشکیل دینے کی سنجیدہ کوشش کریں۔ اگر ہم اسی  
طرح تذبذب کا شکار رہے تو آنے والا زمانہ ہمیں ہرگز  
معاف نہیں کرے گا۔ یہ بات لوح تاریخ پر بھی  
حروف میں رقم ہے کہ برق رفتار زمانے میں ست رفتار  
تو میں چل جاتی ہیں اسی لیے تو اقبال نے کہا تھا کہ  
آئین نو سے ڈرنا، طرز کہن یہ اڑنا  
منزل بھی کٹھن ہے تو مومن کی زندگی میں  
پسند: نگہت زیدی، اسلام آباد

## نظم

آنکھوں میں اداسی  
لبوں پر مگانگھی  
ہستے آنسوؤں کی  
اک عجیب سی زبان تھی  
غم میں بھی مسکراتی تھی  
یا شاید یہی ہماری پہچان تھی  
کاوش: اریہ ارشد، راولپنڈی

## انمول موتی

۱۔ جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے  
چاہیے کہ یا تو خیر کی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔  
۲۔ جب کوئی نہیں تھا وہ تھا..... جب کوئی  
نہیں ہوگا وہ اللہ ہوگا۔  
۳۔ گلاب کی ان پتوں کی طرح بنو جو اپنے مسئلے  
والے کے ہاتھوں میں بھی خوشبودار بن جائیں۔  
۴۔ اپنا اونچا رتھ کسی سے نہیں ڈرتے لیکن  
اپنی نگاہیں نیچی رکھو تاکہ جاپلے کے تم ایک باعزت  
گھرانے سے تعلق رکھتے ہو۔  
۵۔ کسی کی تلاش میں نہ لگو لوٹ کو، نہیں بدل  
جاتے ہیں۔  
۶۔ قرض کی ادائیگی پر طاقات رکھنے کے باوجود  
ٹال ٹال کر دینا ہے۔  
۷۔ اگر کسی کو کچھ دینا ہو تو ”اچھا وقت“ اور ”دعا“  
دو کیونکہ آپ ہر چیز واپس لے سکتے ہیں لیکن کسی کو دیا  
”اچھا وقت“ اور ”دعا“ واپس نہیں لے سکتے۔  
۸۔ قدر کرنا سیکھو ”زندگی بار، بارگاہی ہے اور نہ  
ہی ”لوگ“۔  
۹۔ ”تعلق“ مختصر یہی لیکن ”مناقت“ سے  
پاک ہونا چاہیے۔  
۱۰۔ برا چاہنے والوں کو بتاؤ۔ ”عزیز“ اللہ  
سبحانہ و تعالیٰ کی ذات دینی ہے۔  
۱۱۔ یارب تو میری امید ہی نہیں میرا یقین ہے۔  
۱۲۔ رشتہ اعلیٰ خاندان میں نہیں ”اعلیٰ ظرف“  
لوگوں میں کرنا چاہیے۔  
۱۳۔ زمانے کا کام ”مشکل میں ڈالنا“ اور اللہ کا  
کام مشکل سے نکالنا ہے۔  
۱۴۔ غفار، کراچی

## سوچنے کی بات

ایک زمانہ تھا کہ بیش قیمت معلومات پر مشتمل  
کتابیں ہمارے پاس نظر آتی تھیں۔





## خوش ذائقہ

شگفتہ یا سین

### سندھی بریانی

تھوڑے پودینے کے پتے ڈال کر ایک کٹی رہے تک ابا لیں اس کے بعد چھان کر چاول الگ کر لیں۔ ایک دوسرے بڑے پتیلے میں پہلے ابلے ہوئے چاولوں کی تہ لگا کر اس پر تیار کیا ہوا گوشت کا سالن ڈال کر باقی بچے ہوئے چاولوں کی تہ لگائیں آخر میں دودھ میں زرد رنگ گھول کر ڈالیں۔ پودینہ، لیموں کے قتلے اور تلی ہوئی پیاز ڈال کر دم پر لگا دیں۔ مزے دار سندھی بریانی تیار ہے، ہر دنگ دس میں نکال کر سلاوا درارے کے ساتھ سرو کریں۔

### فرانی مغز سبزی کے ساتھ

اشیا کے مغز، بکرا، دو عدد۔ ہلڈی پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔ لال مرچ پاؤڈر، حسب ذائقہ۔ لیموں کا (رس نکال لیں) دو عدد۔ پیاز، (سلاکس کاٹ لیں) دو عدد۔ وہی، چار کھانے کے چمچ۔ لہسن پیسٹ، ایک کھانے کا چمچ۔ ادراک پیسٹ، ڈیڑھ کھانے کا چمچ۔ نمک، حسب ذائقہ۔ شملہ مرچیں، دو عدد۔ (بج نکال کر کیوبز کاٹ لیں) نمٹاؤ پیوری، دو کھانے کے چمچ۔ ہری مرچیں، دو عدد، (کاٹ لیں)۔ سرکہ، دو کھانے کے چمچ۔ ہری مرچ، ہر ادھیا گار خشک کے لیے۔ ترکیب کے مغز میں آدھا کھانے کا چمچ لہسن پیسٹ، نمک، ڈیڑھ چائے کا چمچ ہلڈی پاؤڈر اور سرکہ ڈال کر ابا لیں۔ اس کے بعد جھلی صاف کر کے مغز کے ٹکڑے کاٹ کر ایک پلیٹ میں رکھ لیں۔ پتیلی میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز ڈال کر سنہری کریں اس

اشیا کے باستی چاول، ایک گلو (صاف کر کے بھگو دیں) بکرے کا یا گائے کا گوشت، ایک کلو۔ آلو، ڈیڑھ کلو (بڑے ٹکڑے کر لیں)۔ ٹماٹر، (چوب کر لیں) چار عدد۔ پیاز، چار عدد (سلاکس کاٹ لیں)۔ وہی، ایک کپ نمک، حسب ذائقہ۔ زرد رنگ، ڈیڑھ چائے کا چمچ۔ دودھ، ڈیڑھ کپ۔ تیل، ڈیڑھ کپ۔ سرخ مرچ پاؤڈر، ایک کھانے کا چمچ۔ دھنیا پاؤڈر، دو کھانے کے چمچ۔ ادراک، لہسن پیسٹ، دو کھانے کے چمچ۔ آلو بخارے، سو گرام (دھو کر بھگو لیں)۔ پودینہ، ایک کٹھی۔ ہری مرچیں، آٹھ عدد۔ لیموں (قتلے کاٹ لیں) چار عدد۔ تیز پات، دو عدد۔ دار چینی، دو ٹکڑے۔ لوگ، چار عدد۔ بڑی الائچی، چار عدد۔ چھوٹی الائچی، چھ عدد۔ ثابت سیاہ مرچیں، دس عدد۔ زیرہ، ڈیڑھ چائے کا چمچ۔ ترکیب پتیلی میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز ڈال کر سنہری ہونے تک تلیں اور اس کے بعد آدھی پیاز نکال کر الگ رکھ لیں اور پتیلی میں گوشت، وہی، سرخ مرچ پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، ادراک، لہسن پیسٹ، گرم مسالا پاؤڈر اور نمک ڈال کر گوشت گنے تک ڈھکن ڈھک کر ہلکی آگ پر پکائیں۔ گوشت آدھا کھ جائے تو اس میں ٹماٹر، آلو، ہری مرچیں اور آلو بخارے ڈال کر تیل الگ ہونے تک بھون لیں۔ ایک پتیلی میں نمک، پانی میں چاول تیز پات، دار چینی، لوگ، بڑی الائچی، چھوٹی الائچی، ثابت سیاہ مرچیں، زیرہ اور

☆ ذریعہ خام لغاری..... مظفر گڑھ  
دنیا بھی عجب سرائے فانی ہے  
ہر چیز یہاں کی آئی جانی ہے  
جو آگے نہ جائے وہ بڑھاپا ہے  
جو جا کے نہ آئے وہ جوانی ہے  
☆ تنہم..... ایف بی ایریا

ابھی تو تنہم ہونے ہی ہے میرے مذاق جنوں پہ لیکن  
تمہاری زلفوں کی برہمی کا سوال آیا تو کیا کروں  
ابھی تو دامن چڑھا رہے ہو مجھ کے مغل سے جا رہے ہو  
مگر بھی دل کی دھڑکنوں میں شریک پایا تو کیا کروں  
☆ سعیدہ بانو..... کوہ مری  
جس کا ٹھہر گئے وہیں عمریں گزار دیں  
کب دیکھتے ہیں آب و ہوا ہم فقیر لوگ  
☆ فریدہ جاوید فری..... لاہور

شام کا منظر دیکھو تم  
شام سہانی گنتی ہے  
تیرے میرے جیون کی  
پریم کہانی لگتی ہے

☆ مہوش عمران..... گوجران  
اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں  
معلوم کیا کسی کو درد نہاں ہمارا  
☆ نفیسہ آرا..... اس احمد  
حسن ہے مصلحت اندیش بدلتا ہے روش  
کس لیے اہل جنوں اپنے چلن کو بھولیں  
دور حاضر کا تقاضا ہے یہ ہم سے نفرت  
ہم رہ و رسم و روایات کہن کو بھولیں

☆ نرین سرہو..... حیدر آباد  
جتنی کم سچائی ہوگی اتنی ہوگی آرائش  
جب مضمون سے لفظ ہوں زائد مجھو عبارت ختم ہوئی  
☆ عاتکہ خضر..... تونسہ شریف  
کاغذ کے کچھ ٹکڑوں پر ہیں ان کے تجھے میرے پاں  
لیکن سچ کا رنگ نہ پایا ان جھوٹی تحریروں میں

☆ آصف..... کراچی  
یوں بھٹکتی رہتی ہیں جیسے  
میری آنکھوں میں آٹھرا دبیر  
☆ عفت ناہید..... ملتان

الاؤ بن کے دبیر کی سرور ہاتوں میں  
تیرا خیال میرے طاقوں میں رہتا ہے  
پہا کے خود کو گزرتا محال لگتا ہے  
تمام لمحہ میرے راستوں میں رہتا ہے  
☆ نازنین احمد..... کراچی

ساتھ تھے سب بار خوشی کے دور میں  
دور غم میں کوئی بھی ہم دم نہیں  
جانے والا تو سارا شہر ہے  
ایک بھی لیکن شریک غم نہیں

☆ بلال فرخان..... بہارہ کوہ  
عشق پاکیزگی جسم نہیں  
عشق تو روح کی طہارت ہے  
☆ نصیر آصف خان..... ملتان

ہوا کی زد پہ بھی دوڑک چہان روشن ہیں  
بلا کے حوصلے دیکھے ہیں تخت جانوں میں  
☆ جنینا..... کراچی

ہر موسم اپنا مزاج رکھتا ہے  
گرگ گھاؤں کی لاج رکھتا ہے  
ابھی کل کی بات سادوں برساتا تھا  
کڑکٹی دھوپ پر آج رکھتا ہے

☆ اربیر ارشد..... راولپنڈی  
ہر شخص یہاں ہے غموں کا مارا  
کوئی دل چھوڑ بیٹھا کوئی دل ہارا  
☆ ذریعہ خان..... بہارہ کوہ

اونچائیوں پہ دیکھ کے حیراں ہیں بہت لوگ  
کئی نے میرے ہیروں کے چہائے نہیں دیکھے  
☆ تنہم کوثر..... کراچی  
آج بھی یاد آتی ہیں تیرا پی ہیں





## بزمِ آکاش

پاکیزہ بہنیں

### بیلا انعام یافتہ سوال

☆ غمخیزہ کوکب.....  
سوال: کہدوب میں پسینہ کیوں نہیں سوکتا؟  
جواب: کہ اسے سوکھنے کی بیماری ہوئی ہے۔

### دوسرا انعام یافتہ سوال

☆ ثوبیہ ظہور.....  
سوال: کہ کام ایسے کرو کہ کوئی آپ کو دوبارہ کام کا نہ بولے۔ واقعی ایسا؟  
جواب: کہ ایسے میں... پھوڑوں کی تو عید ہو جاتی ہے۔

☆ پروین افضل شاہین.....  
سوال: کہ دبیر کے مینے میں، میں اپنے میاں جانی  
نرس افضل شاہین سے کون سا پھول منگواؤں گلاب کا یا  
گوشتی کا؟

☆ زریزہ خانم لغاری.....  
سوال: کہ کوکبی کا منگوا لو پیٹ بھی تو بھرتا ہے ناں۔  
☆ زریزہ خانم لغاری.....  
سوال: کہ مرغی اپنی جان سے گئی کھانے والے کو مزہ  
نہ آیا کیوں؟

☆ زریزہ خانم لغاری.....  
سوال: کہ کا جو بدزائق کھانا تھا۔  
☆ زریزہ خانم لغاری.....  
سوال: کہ حلوائی کی دکان پر دادا جی کا فاتحہ کیا  
اصول ہے؟

☆ زریزہ خانم لغاری.....  
سوال: کہ ہاں بھی آج کل کی طرح ہے دوسروں  
کے مال پر.....  
☆ زریزہ خانم لغاری.....  
سوال: کہ سر منڈاتے ہی اگلے پڑے کی منڈا یا ہی  
کیوں تھا؟

☆ زریزہ خانم لغاری.....  
سوال: کہ ہاں اور کیا.....  
☆ زریزہ خانم لغاری.....  
سوال: کہ جینا.....  
☆ زریزہ خانم لغاری.....  
سوال: کہ اور تو روم بار.....

گولڈن براؤن کر لیں، جب گولڈن براؤن  
ہو جائے تو گوشت اور نمک ڈال دیں۔ جب گوشت  
کا پانی خشک ہو جائے تو سو فٹ دھویا، نمائے لہسن،  
ادرک، ہری مرچ، بڑی الائچی، کالی مرچ، دو پیالی  
گرم پانی ڈال کر گوشت کو گلنے دیں، آج کل کی  
ڈھکن ڈھانک دیں۔ جب گوشت گل جائے تو وہی  
ڈال کر بھون لیں۔ جب تیل الگ ہونے لگے تو  
ایک پیالی گرم پانی ڈال کر پانچ منٹ کے لیے ہلکی  
آنج پر دم پر رکھ دیں۔ گرم گرم روٹی کے ساتھ پیش  
کریں۔

از: عزیزہ حیدر، کراچی

### ونیل کریم برولی

اشیا: کہ ونیل کسٹرڈ پاؤڈر، دو کھانے کے چمچ۔  
دودھ، ڈیڑھ کپ۔ چینی، چار کھانے کے چمچ۔ انڈے  
کی زردی، تین عدد۔ کریم، آدھا کپ۔ ونیل اسنس،  
آدھا چائے کا چمچ۔

### کریم کے لیے

چینی، دو کھانے کے چمچ۔ پانی، ایک کھانے کا  
چمچ۔

### کریم تیار کرنے کے لیے

فرائنگ پن میں چینی کو براؤن ہونے تک  
پکائیں۔ اس کے بعد اس میں پانی ڈال دیں اور چولہا  
بند کر دیں۔

ترکیب: کہ کسٹرڈ پاؤڈر اور چینی کو پکائیں۔  
گاڑھا ہونے پر چولہا بند کر دیں۔ اب جلدی، جلدی  
انڈوں کی زردی ڈالیں اور پیچہ چلائیں۔ یک جان  
ہو جائے تو ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھیں۔ اس کے بعد  
اس میں کریم اور ونیل اسنس شامل کر کے ڈش میں  
نکال کر اوپر سے تیار کیا ہوا کریمیل ڈال دیں۔

از: آسیہ عامر، کراچی

☆☆☆

کے بعد اس میں نمک، لال مرچ پاؤڈر، دہی، لہسن،  
ادرک پیسٹ، نمائے پیوری، ہری مرچیں اور پانی بچا ہوا  
ہلدی پاؤڈر ڈال کر بھونیں اس کے بعد اس میں نمائے  
شملہ مرچیں اور ایلا مفر ڈال کر فرانی کریں آخر میں  
لیبوں کا رس ڈال کر تھوڑی دیر دم پر رکھ کر سردگ ڈش  
میں نکالیں۔ مزے دار فرانی مفر بزیوں کے ساتھ تیار  
ہے گرم، گرم سرد کریں۔  
اوپر سے ہرا دھیا اور ہری مرچوں سے گارنش  
کریں۔  
ہیش یا دھیں اکی کی ریسی کیونکہ یہی ہے راز  
ہوم شیف بننے کا۔

### چاکلیٹ پنڈٹ

اشیا: کہ پنڈٹ کس، دو پنکٹ۔ دودھ، 3/4  
لیٹر۔ چاکلیٹ، چار کھانے کے چمچ۔ کریم، ایک کپ۔  
ترکیب: کہ پنڈٹ کس کو دودھ کے ساتھ گھول کر  
پکائیں۔ کریم ڈالیں اور دودھ کے بعد آمیزے کو دو  
حصوں میں تقسیم کر لیں اور ایک حصے میں چاکلیٹ ڈال  
کر کس کریں۔ ایک مولڈ لیں اور مولڈ کے ایک حصے  
میں سادہ کچر اور دوسرے حصے میں چاکلیٹ کچر ڈال  
کر میٹ ہونے کے لیے رکھ دیں۔ کریم کے ساتھ سرو  
کریں۔

از: فاضلہ بول، بہارہ کھو

### کھڑے مسالے کا سالن

اشیا: کہ گائے، بکرے کا گوشت، آدھا کلو۔ لہسن  
کے جوے چھلے ہوئے، آٹھ عدد۔ سو فٹ، آدھا چائے  
کا چمچ۔ کالی مرچ، ثابت، چھ عدد۔ دہی، آدھی پیالی۔  
ثابت لال مرچ، آٹھ عدد۔ تیل، ایک پیالی۔ نمائے  
ایک عدد۔ ادرک، ایک کٹی ہوئی، ایک کھانے کا  
چمچ۔ ثابت دھیا، ایک کھانے کا چمچ۔ بڑی الائچی، چار  
عدد۔ پیاز درسیانی، تین ڈلی۔ (بلاک کٹی ہوئی)  
نمک، حسب ذائقہ۔



## روحانی مشورے

ادارہ

### رشتوں کے مسائل

صرف آج کل نہیں بلکہ ہر دور میں بنی اور بیٹے کے رشتوں کا مسئلہ رہا ہے۔ اس کے لیے ہم اسباب میں اگر ہم چھوئے، چھوئے مسائل اور رکاوٹوں کو دور کرنے کی صلاحیت اور حوصلہ رکھتے ہوں تو یہ مسائل بڑے نہیں ہو پاتے۔ ہم نے اللہ توکل، مگر و ما، رواداری، اخوت، سب چیزوں کو صرف فیصلت کرنے تک محدود کر دیا ہے۔ اس لیے عملی اقدامات نہیں کرتے، اللہ پاک سب کی ہر قسم کی پریشانیوں دور فرمائے۔ آج آئی مسئلے میں کیا وظائف بنائے جا رہے ہیں۔

☆ سب سے پہلے اللہ رسول کے احکامات پر عمل فرمائیں، جنگنا زمانہ تلاوت قرآن پاک اور حقوق العباد کی انجام دہی کو یقینی بنائیں۔ خیر اس کے بعد مخصوص وظائف پر عمل کریں۔ ایک وقت میں دو نماز انجام دے لیتے ہیں۔ مثلاً فجر نماز کے پھر اس میں دن تک سورۃ پڑھیں اور اللہ پاک کو حضور صلی علیہ وسلم کے شریعت کرنے سے پہلے حبیبیت صمدیہ، خیرات ضرور کریں۔ یہ اللہ کی بڑی بڑی نعمتیں ہیں۔

☆ پڑھنے میں ایک دن سورۃ بجا کر پڑھ کر کے ایک حاجت کے لیے دعا کریں۔ علاوہ انہی جنگنا نماز کے بعد کے اذکار، تسبیحات جو بھی معمولاً پڑھ رہی ہیں پڑھتی رہیں۔

☆ کسی کے لیے کچھ بھی ہو جانے پر دل سے خوش ہو کر انہیں دعا کریں۔ وہی اور کسی کا ہوتا رشتہ محض اپنی انائی خاطر مت بڑھائیں۔ اپنے کاموں اور رکاوٹوں میں دوسروں کو الزام دینے سے بچنا چاہیے کہیں اللہ پاک تم سب کو ایک دوسرے کا خیر خواہ بنائے دے گا تو انہی قبول ہوں گی اور یہ روحانی مشورے کام آئیں گے۔

### نظر بد سے بچاؤ

سورۃ بقرہ، پارہ ۱، آیت نمبر ۱۰۷ تا ۱۱۰ سے بچاؤ کے لیے پڑھی جاتی ہے۔ ترجمہ اور تفسیر کے لیے کوئی خیرات یا قبول کرو گے سورۃ طلاق، پارہ ۳ کی آیت نمبر ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸ سے بچاؤ کے لیے پڑھی جاتی ہے۔ ترجمہ یہ لوگ اپنا کمر کر رہے ہیں۔ اور ہم اپنی تدبیر کر رہے ہیں۔

☆ چھوئے بچوں پر خصوصاً صبح شام معوذتین (سورۃ طلاق اور سورۃ ناس) پڑھ کر پھونکیں ہر کسی کی گود میں دینے سے اجتناب کریں۔

☆ چھینچال جنم پر عمل کرنے سے گھر میں بڑی بڑی چیزوں کو ہر میں داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا۔ ایسا کرنا چاہیے کہ جب آدمی گھر میں داخل ہوتا ہے اللہ اوکڑیں ۳۹، ۴۰، ۴۱ باب مائیل الرضی اذ دعا پڑھے۔

☆ اللہم انی استسئلك خیر المولود و خیر المخلوق، بسم اللہ و لیلنا و بسم اللہ و خیرنا و علی اللہ و لیلنا و خیرنا (ایسا کرنا ۳۹، ۴۰، ۴۱ باب مائیل الرضی اذ دعا پڑھے)

☆ ”اے اللہ میں آپ سے اندر جانے کی بھلائی مانگتا ہوں اور باہر نکلنے کی بھلائی مانگتا ہوں۔ اللہ کے نام کے ساتھ ہم اندر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہم باہر نکلتے ہیں اور ہم نے اپنے رب پر بھروسہ کیا۔“ ☆☆☆

ماہنامہ مہتاب کی ذمہ دہ ۲۰۲۲ دسمبر

جواب کے لیے جیسے جیسے کردار کریں۔

سوال کے اس خطرناک جو خفاک کر تو شاعر ازیرین

جواب کے لیے جیسے جیسے کردار کریں۔

☆ خیر و احسان..... فصل آباد

سوال کے لیے قدرت اولیٰ کو صلہ بھیجیے۔ یہ باتوں کی؟

جواب کے لیے پھر جائیں تو ان میں بھی صلہ بھیجنا ہے۔

☆ محمودہ بیگم..... فصل آباد

سوال کے لیے بعض لوگ گاڑی کے ساتھ جتنا لگا کر بھیجتے ہیں گاڑی چالو کرتے سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ اب زندگی کی گاڑی تو زیادہ قیمتی ہے، اس کو محفوظ کرنے کے لیے

گھر میں جتنا جیون نہیں لگاتے۔

جواب کے لیے پاؤں میں بہن لیتے ہیں ناں!

سوال کے لیے رونی اخبار کا خریدنا خیر ہے، دینی الفاظ

کون خریدتا ہے؟

جواب کے لیے کوئی نہیں..... لوگ اس پر اصرار ہو جاتے ہیں۔

☆ حرا جابوید..... فصل آباد

سوال کے لیے اپنی خوشی کے لیے کسی کی جھولی میں کھنکھ

دینے والا کیا خود کو دکھ دینے سے بچ سکتا ہے؟

جواب کے لیے اہل دھوکے کی دنیا میں نہ کر۔

سوال کے لیے لوگ احوال کو نظر بابت بنانے کے

جائے اپنے نظر بابت کو اصول بنانے کی کیوں کوشش

کرتے ہیں؟

جواب کے لیے نادان ہیں بچا رہے، تم نہ ایسے کرنا۔

☆ زینب سرہیو..... حیدر آباد

سوال کے لیے توبہ ہے توبہ کوئی سوال ہی نہ کرے؟

جواب کے لیے اسے تو کیوں رحمت کرتی رہی ہو۔

سوال کے لیے میں لوگوں کا پیر چرمانی کیوں ہو جاتا ہے؟

جواب کے لیے سورج سر میں جوتا جاتا ہے۔

☆ فخریہ بیگم..... فصل آباد

سوال کے لیے چھوٹی بولیں میں بہت اداں ہوں؟

جواب کے لیے اسے لڑکی چلی اٹھ کر کام میں دل لگا۔

سوال کے لیے دل اور دماغ کی لڑائی میں جیت کس کی؟

جواب کے لیے لڑائی کی وجہ پر منحصر ہے جیت اور ہار۔

سوال کے لیے اپنی جہت میں جاکے سرال والوں کو کھانا،

سوال کے لیے اپنے بڑے چھوٹے کے آکر کھانا جائیں؟

جواب کے لیے بچے راستے میں چھوڑ دو خود ہی بھگ کے

کہیں نہ کہیں جا کر کھائیں گے۔

☆ مسیحہ بیگم..... لالہ

سوال کے لیے دل کو دل کے غم سے زیادہ ہوتے ہیں یا

خوشیوں کے؟

جواب کے لیے کوئی نظر آتا ہے کوئی نہیں.....

سوال کے لیے کسی کو شادی خاناں میں ہونا چاہیے؟

جواب کے لیے کسی سے اس میں جا کر کھانا کھائیں۔

سوال کے لیے کسی سے اس میں جا کر کھانا کھائیں۔

جواب کے لیے کسی سے اس میں جا کر کھانا کھائیں۔

سوال کے لیے کسی سے اس میں جا کر کھانا کھائیں۔

جواب کے لیے کسی سے اس میں جا کر کھانا کھائیں۔

☆ انہی زبان ڈگر..... کیا لہیہ

سوال کے لیے اہل اپنی گود میں ایک بچے کو لوری دے کر

سلائی ہے اور پھر اپنے بچے کے ذریعے پوری کلاں کو

سلا دیتا ہے..... کیا کوئی یاد دہاؤ؟

جواب کے لیے کیا بچہ اپنی اپنی شروع کر رہی تھی.....

اپنا یاد دہاؤ.....

سوال کے لیے اگر انسان اچھے لوگوں سے بھی دور کرنے

لگے تو اس کی اپنی اپنی ہے؟

جواب کے لیے اچھے لوگوں کی کیا تعریف.....؟

تو معلوم ہوگا ناں بھی دودھ کا جلا چھاتر بھی چھوٹک،

چھوٹک کرے گا۔

☆ سہیلہ بیگم..... کراچی

سوال کے لیے سو روٹو حرام ہے پھر لوگ کیوں کہتے ہیں کہ

اصل سے زیادہ سو روٹو پیارا ہوتا ہے؟

جواب کے لیے سو روٹو ہوتا ہی پیارا ہے۔ حلال حرام کی

تیمیر ہوتی ہی نہ۔

سوال کے لیے بے پرواہی کے لیے لفظ ہے؟

جواب کے لیے جو بے پرواہی کی شکل میں کر دے۔

سوال کے لیے کسی کے لیے خیر نہ کرنے کو دل چاہتا ہے

لیکن اسے بھگنا کر کیا کرنا؟

☆ ماہنامہ مہتاب کی ذمہ دہ ۲۰۲۲ دسمبر





**Dr. Willmar Schwabe**  
Germany  
From Nature. For Health.

برسوں سے قائم، اعلیٰ ترین معیار۔۔۔  
**شواہے ہومیوپیتھی**  
میں سے مثل



شواہے ہومیوپیتھی کے سنگین ریملڈیز  
ہومیوپیتھی میں بہترین



ہومیوپیتھی میں دوا کا مستقل اعلیٰ معیار ان کی غیر معمولی افادیت کا سبب بنتا ہے۔  
ڈاکٹر ولیمار شواہے، جرمنی کے برسوں سے قائم اعلیٰ ترین معیار کی وجہ سے اس کے کامیاب نتائج  
دنیا میں کوئی مقابلہ نہیں۔

بچوں کے لیے تمام ادویاتی پردے برسی میں واقع اپنے نباتاتی بنات میں 100% قدرتی  
طریقے سے کاشت کرتا ہے۔ اعلیٰ ترین معیار یعنی بنانے کے لیے غیر معمولی تحقیق کی بنیاد  
پر جدید طریقہ کار کے ذریعے دنیا کی بہترین ہومیوپیتھی دوا میں تیار کی جاتی ہیں۔

دوا سازی کا تمام عمل جی ایم بی، بی اے اے اے اور ایم این کے وضع کردہ اصولوں کے مطابق انجام دیا  
جاتا ہے اور اس طرح تیار کردہ دوا میں برسی سے تمام دنیا بھر میں پاکستان کو برآمد کی جاتی ہیں۔

Importer:



**Dr. Hamid**  
General Homoeo (Pvt.) Ltd.

Karachi, Phone: 021-32711895

www.drhamid-schwabe.com

Lahore, Phone: 042-36291603



جس کا نام ہے  
سے نہیں

بعد دعویٰ

دی میں رائے کی سفیدی ملا کر خفیہ چھپنے کر  
بالوں میں لگا لیں اور آدھے گھنٹے بعد سر دھو لیں۔ وہی  
اور رائے کا آئینہ اچھی طرح صاف ہو جائے تو اس  
کے بعد گرم پانی میں تولیے کو بھگو کر اور پھر ٹیڑھ کر بالوں  
کوں سے ڈھانپ لیں اور آدھے گھنٹے بعد تو لیا اتار  
لیں۔ اور خشک ہوتے بالوں کو ہموار کرنے والے دوائے لگائے  
یا لگیوں سے لگے، لگے سلجھا لیں۔  
آپ کے سن کی پانی دیکھ کر حال آئندہ ماہ ان  
شمارہ اند۔

☆☆☆

جسم پر اوال

☆ خانقاہ اوتس..... جیرو آباد

سن: میری بیٹی کی عمر پانچ سال ہے۔ اس کے جسم  
پر بہت بال ہیں۔ پیلر کرکری طریقہ بتا دیں جس سے اس  
کے جسم کے غیر ضروری بال ختم ہو جائیں۔

☆ خانقاہ اوتس..... لان شاہ اللہ آباد، ہوگا

چھپنے کا پیسٹ آدھا کسک بھال دی، آدھا چائے کا  
تھی۔ پھر 2 کھانے کے بعد لگائیں۔ ان تینوں چیزوں کا پیسٹ  
بنا کر لگائیں۔ جس سے پیسٹ خشک ہو جائے تو اس کسک  
کی طرح لگیوں سے ملتے ہوئے اسے اتار لیں پھر  
اسے گرم پانی سے دھو لیں۔ یہ نسخہ پختہ میں صرف ایک  
مرتبہ آوا لیں۔ بیٹی کے جسم پر نشیں لگائیں اور اسے  
نہلا لیں۔

☆☆☆

سین اور پرکش بہنوں کے لیے آج موسم  
مرامے فوسعی لگائے ہیں..... اب تو پورا ملک  
سری کی لپیٹ میں آچکا ہے مگر آپ بہنوں کو اپنا  
کھانا بہار کی طرح سدا بہار رکھنا ہے۔ اس کے لیے  
اپنی غذا میں بھی جیو جیو لیا لیں اور فابری جن کے  
نسخے بھی آوا لیں۔  
میری بھی دینا یہاں کہا نہیں اور ساتھ میں بھی بہنوں  
خشک مہو بھی بنتے ہیں وہ سے تن دفعہ ضرور استعمال  
کر لیں۔ حد سے زیادہ کھانے کی چیز کا استعمال ضرور جاتا  
ہے۔ لہذا اپنے بچت میں رہ کر تمام امور انجام  
دیں..... تو روزانہ اور گھر اور سیب کا جوں جوں اور  
اپنے چہرے اور گردن پر بھی لیا کریں۔ لگے ہاتھوں  
سے مساج کر لیں۔

☆ خانقاہ اوتس..... جیرو آباد









سے فائدہ نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے لاتعداد چیزیں بنائی ہیں تو وہ دشمنی خصوصیات دالی نہ بناتا۔ یہ بھی لوٹ کر اس کے معالج سے مشورہ کرنا بہتر ہے۔ بعد کے نقصان اور

پریشانی سے۔ فوجانہ جہاز ہوتے ہیں جہازات میں ٹھنڈ کو چھتے چھوڑ دیتے ہیں۔ بڑے ماس باپ تحریر کار اور یقیناً بھجوا دیتے ہیں۔ اس لیے فوجانوں کے اپنے مفاد میں ہے کہ وہ اپنے ماس باپ سے کچھ نہ چھپائیں ان سے مشورہ کریں۔ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے اس طرح خود بھی پریشانی اور نقصان سے بچیں گے بلکہ اپنے بڑوں کو بھی بچائیں گے۔ اس لیے یاد رکھیں (۱) گھروالوں سے چپا چپا نہیں۔ (۲) ہریک کے مشورے پر فوٹو مکمل نہ لیا کریں (۳) بڑے بڑوں اور معالج سے مشورہ ضرور کریں۔ ڈاکٹر ولیم شکارپے جزئی کی ضرورت ڈیل اویا 45 استعمال کریں اور Calendula-30، دوبارہ حال بتائیں۔ Belladonna-30، Graphites-30 کے 7، 7 قطرے آدھے پانی میں دن میں 3 مرتبہ ڈال کر پینیں جبکہ Mullen Oil کے ایک یا دو قطرے دونوں کانوں میں دن میں تین مرتبہ ڈالیں۔

### موبائل کے استعمال کو کنٹرول کریں

#### تعمیم..... اسلام آباد

ڈاکٹر صاحب میں اسٹوڈنٹ ہوں۔ میں نے سچے سچے ایک ڈاکٹر دکھایا تھا کہ میں بیمار یوں کا حصہ بن گئی ہوں۔ جسم بھی خراب ہو گیا ہے۔ میری آنکھیں بھی دھندلی ہو گئی ہیں۔ لیڈر یا زیادہ چلا بیٹے گا ہے۔ کچھ بہت کمزوری محسوس ہوتی ہے۔ انگلیوں میں درد رہتا ہے۔ جھوک بہت گنتی ہے۔ روزی اور گری بھی بہت گنتی ہے۔ دل تیر تیر دھڑکتا ہے۔ سانس بھولتا ہے۔ کندھے کے پچھے کمزور ہو گئے ہیں ذرا سارے وزنی نہیں اٹھا سکتی۔ بیٹ بائیں گل آٹا ہے۔ دن بدن موتی موتی جاری ہوں۔

Damiana ایک مرتبہ جبکہ Pentarian-40 15 قطرے روزانہ صبح پانی میں دن میں 3 مرتبہ کھانے کے بعد لیں۔

### جھپٹیاں اور ساعدت

#### ناملر ضروران..... ملتان

پاکیزہ تو ہم شروع ہی سے لے رہے ہیں اور ہم سب بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ لیکن کیفی کی اہم آج کل بارشوری ہوں۔ آپ کے ٹیکٹک میں اسید لے کر پینا سلسلے کے حاضر ہوتی ہوں۔ کچھ سال پہلے میری جلد بالکل سفید تھی، کوئی داغ اور جھپٹیاں نہیں تھیں بلکہ چمکی چمکی تھیں۔ لیکن پھر کسی کے کہنے پر میں نے ریٹین استعمال کیں تقریباً 16 ریٹین میں جھپٹیاں کر کے لگائی تھیں۔ پھر اس کے بعد میں نے استعمال کرنا بند کر دیا تو جیسے ہی استعمال کرنا بند کیا تو آہستہ آہستہ اس سے میرے چہرے پر جھپٹیاں نمودار ہونا شروع ہو گئیں۔ میں نے جب بھی پڑا نہیں لیکن کم استعمال کرنا بند کر دیں۔ بہت علاج کر چکی ہوں لیکن فرق نہیں پڑتا۔ کسی ٹوٹے کو بھی دیکھی ہوں لیکن کوئی فرق نہیں پڑا۔ جھپٹیاں ناک پر بھی ہیں۔ اب یہ جھپٹیاں داغ جھوڑ بھی ہیں۔ میرا دوسرا مسئلہ میرے کان کا ہے۔ بچپن میں ٹھنڈے ٹائپ ہوئے ہوئے تھا جس سے میرے دائیں کان کی رگ متاثر ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے میں سن نہیں سکتی۔ میں مکمل بہرہ نہیں ہوں۔ بس یہ ہے کہ کچھ دور کی آوازیں سنائی نہیں دیتی۔ موبائل پر کال پر زور بھی ہوتا لیکن سن نہیں سکتی۔ کوئی سرگوشی میں بات کرتے تو کچھ نہیں سن سکتی۔ میری عمر 28 سال ہے۔ (ان میری فریڈمیں) اسی مسئلے کی وجہ سے میں کبھی باپ بھی نہیں کر سکتی۔ جواب: ہمارے کان ایک عام رواج ہے کہ ایک دوا کسی کو فائدہ دے تو اس نے وہ دوا اپنے دوستوں عزیزوں کو بتانا شروع کر دی۔ خصوصاً خواتین کہ جب میں نے پروفان استعمال کی تو کچھ بہت فائدہ ہوا تو کچھ بھی کر دیا۔ تمام ان میں سے کہیں کر ایک کو ایک دوا

ہوتی ہے جب Pee والی بکھڑی ہے تو اس دوا میں بھی کبھی کبھار کچھ اضافہ لگا ہوتا ہے۔ آج کل تو پڑھتی بھی ہو گئی ہے۔ بات بات پر دل میں کچھ ہلکا ہوا ہے اور دل میں اس کے جسم پر ڈال ہے۔ کھانسی جھک اور گردن پر پیدائش کے وقت ہی بال تھے۔ اب ہاتھ اندر بازو پر بھی بال لے ہوئے ہیں۔ لیکن کوئی انھی دوائیں بتائیں اور کتنے عرصے تک دینی ہے۔

### منیہ یا کے برائے اثرات

#### نواز..... لہر

محترم ڈاکٹر صاحب! میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں اندرونی طور پر بہت کمزور ہوں۔ آج تک کسی ڈاکٹر کو چیک آپ نہیں کرایا۔ جہاں تک فرما کر میرے لیے کوئی علاج تجویز فرمائیں۔ تاکہ میری صحت بہتر ہو اور میری ازدواجی زندگی اچھی تر کر سکے۔ تازہ دیت دھاگوں کا۔ جواب: اللہ ہمیں سچے سچے جواب دے۔ یہ وقت ہوتا ہے کہ ساتھ ہماری عقل بھی بڑھتی ہے۔ یہ وقت ہوتا ہے جو اپنے آپ کو بنانے اور کچھ کمزور کرنے کا ہے۔ جو فوجان عقل رکھتے ہیں وہ جہازات کو کنٹرول کر کے اپنے آپ کو مختلف فیلڈ میں منتقلیے ہیں۔ بصورت دیگر وہ پیچھے رہ جاتے ہیں۔ میرے پیارے مستقبل کا اتنا حال نہیں دوا دینا، فائدہ دینا، صحت کا جذبہ پیدا کر، شہادہ دینا، اور دل کی عزت کا مستقبل سنو رہے گا۔ اسی جھپٹوں سے بچو جو بگاڑ کا سبب بنے۔ جہازان والے ڈاکٹر دوا دھڑکا کر جی کی مندرجہ ذیل ادویات دو، وہ ایک استعمال کرو پھر حال بتاؤ۔ Staphisagria-200 کے پانچ قطرے آدھا



میں مکمل پیٹ بھر کر کھاتا ہوں۔ خصوصاً صبح کا پیٹ بھر کر پور ہوا دوپہر کا کھانا اچھا ہو۔ تین رات میں کھانا کھا چکا ہو۔ ورزش کرائیں، کھانے میں بھینسا اور کچھانی نہ دہن سکتی ہوتی اور بھی ہوتی جھڑوے پر میز کریں۔ ڈاکٹر دوا دھڑکا کر جی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Calc-Carb-200 ایک خوراک 5 قطرے آدھے پانی میں، اس کے بعد دوسرے Ammonium thyroideum30، Murr-30 اور Fucus Versus کے 7، 7 قطرے آدھا

### بریسٹ لیگنریا

#### روٹی..... کینڈا

ڈاکٹر صاحب مجھے لیگنریا کی شکایت ہے اور کافی عرصے سے ہے۔ مجھے سے پہلے اور بعد میں زیادہ ہوتی ہے اور سن بھی ہوتی ہے۔ سفید چاک کی طرح شان ہوتے ہیں اور دوسرا مسئلہ میرے بریسٹ کا ہے۔ جواب: آپ کا وزن خود از زیادہ ہے اس کو کم کریں، پیچھے جھریں، کلڈ ڈکس، آکس کریم، مرٹن جنرین، بکس، جیڑا نہ کھائیں۔ ایک گھنٹے کی ورزش کریں۔ خود از غذا کھائیں کریں۔ ڈاکٹر دوا دھڑکا ہے۔ جیڑا کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ 13-13۔ اس کے بعد حال بتائیں۔ Sepia-30، Cal-Carb-30، Sabal Serr-30، Bovista-30 کے 7، 7 قطرے آدھا کھائیں پانی میں دن میں تین مرتبہ استعمال کریں۔

### بچپن میں لیگنریا اور جھپٹیاں

#### فردوس..... لاہور

ڈاکٹر صاحب میری بیٹی لیگنریا کی شکایت ہو گئی ہے جب وہ Pee کرتی ہے تو سن ہوتی ہے، غارش بھی



# تبت

## ونڈیکیر دینج

سرور اور خشک موسم میں

اپنی جلد کو دینجے

بھرپور تحفظ



تبت پم

تبت مٹی روشن

تبت سوچر اور مٹی روشن

تبت کمرنگ بلک

تبت کولڈ کریم

تبت وونڈیکیر دینج - جلد کے لئے سب سے کچھ

## نسوانی خشن، لیگوریا

### ارجم شاهہ..... تو کس قدر شریف

میں آئیرہ کی ایک سال سے قلمی ہوں جس طرح آپ لوگوں کے مسئلے حل کر رہے ہیں اس کا اثر آپ کو اندر سے لگتا ہے۔ میرا مسئلہ ہے کہ میں 5 سال سے لیگوریا کی بیماری میں مبتلا ہوں جب تک علاج جاری رکھوں نہیں دیکھتی رہتی ہوں مگر پھر پتہ چلا کہ وہ بیماری اس بیماری کی وجہ سے میں کمزور ہوئی ہوں جس کی وجہ سے میرا نسوانی خشن نہ ہونے کے برابر ہے۔ برائے مہربانی مجھے نسوانی خشن کے لیے دوا کی تجویز کر دیں۔

جواب: آپ نے لیگوریا کی تفصیل نہیں لکھی کہ یہ آپ کو کب، کس مقدار میں، کس رنگ کا ہوتا ہے، کب سے ہوتا ہے، برینٹ پلے کسے پتہ چلا ہے، شادی یا بچے کی پیدائش کے بعد کیا فرق پڑا تفصیل لکھیں پھر آپ کو علاج دیا تجویز کیا جائے گی۔

### چھوٹا قور

### ناز محمد غفور..... بریکوٹ، عوات

میرا مسئلہ ہے کہ میرا قور غار خاندان والوں کی ہے نسبت بہت چھوٹا ہے جس کی وجہ سے میں احساس کمتری کا شکار ہوں۔ مہربانی فرما کر میری پریشانی دور کر دیں، اگر اس راہ نہ ہو سکے تو اگلے ماہ میرے مسئلے کا حل ضرور پتا کریں۔

جواب: عوات از خاندان والوں کی ہے، اچھے دانی ورزش کیا کریں، پیڈیشن، دانی بال، باکٹ بال، لائن ٹینس، Calci Phos 30 Thyroidine 6, وغیرہ۔  
Iodum 30 کے 7, 7 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ 3 ماہ بعد دوبارہ حال بتائیں۔ تمام ادویات ڈاکٹر ولما رشوا بے جرئی کی ہیں۔

## نسوانی خشن، لیگوریا

### ارجم شاهہ..... تو کس قدر شریف

میں آئیرہ کی ایک سال سے قلمی ہوں جس طرح آپ لوگوں کے مسئلے حل کر رہے ہیں اس کا اثر آپ کو اندر سے لگتا ہے۔ میرا مسئلہ ہے کہ میں 5 سال سے لیگوریا کی بیماری میں مبتلا ہوں جب تک علاج جاری رکھوں نہیں دیکھتی رہتی ہوں مگر پھر پتہ چلا کہ وہ بیماری اس بیماری کی وجہ سے میں کمزور ہوئی ہوں جس کی وجہ سے میرا نسوانی خشن نہ ہونے کے برابر ہے۔ برائے مہربانی مجھے نسوانی خشن کے لیے دوا کی تجویز کر دیں۔

جواب: آپ نے لیگوریا کی تفصیل نہیں لکھی کہ یہ آپ کو کب، کس مقدار میں، کس رنگ کا ہوتا ہے، کب سے ہوتا ہے، برینٹ پلے کسے پتہ چلا ہے، شادی یا بچے کی پیدائش کے بعد کیا فرق پڑا تفصیل لکھیں پھر آپ کو علاج دیا تجویز کیا جائے گی۔

### منہ چھالے

### اللہ نواز..... خوشاب

میرا مسئلہ ہے کہ میرے منہ میں ہر وقت بخالے رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے منہ میں بہت درد ہوتا ہے۔ کھانا بھی نہیں کھا سکتا۔ بعد از رات رہتا ہے۔ کھانوں میں درد رہتا ہے۔ روزانہ 2 گولی پوزنٹان (فورٹ) کھاتا ہوں، میں سوار کھاتا ہوں اور حقہ بھی پیتا ہوں۔ برائے مہربانی میرے لیے کوئی علاج تجویز فرمائیں، تازہ دست دعا گو ہوں گا۔

جواب: یاد رکھیں سوار، شکر کو پینا، گھٹا معیشت ہے۔ اس کا استعمال فوراً ترک کر دیں۔ عوات از خاندان والوں کی ہے۔ دودھ دانی کا استعمال کریں۔ کھانا آہستہ آہستہ چاک کھائیں۔ کھانے کے بعد آدھا گلاس پانی پیئیں۔  
Borax 30, Calci Carb, Merc. sol30, Rhustox 30 ڈاکٹر ولما رشوا بے جرئی کی ہر دوا کے 5, 5 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ ایک ماہ بعد مگر کیفیت سے مطلع کریں۔

**Dr. Willmar Schwabe Germany**  
Available at All Medical & Homeopathic Stores  
شوا بے سنگن ریمیڈیٹیز گھریلو کی صحت کے لیے کلاسیکل ہومیوپیتھی



جوہر جوشاندا®  
EXTRA STRENGTH  
دور رکھ زکام، کھانسی، نزلہ!



Extra  
Strength

دن میں 3 بار  
عادت بنالیا!



زکام، شہد، چاکلیٹ اور شوگر فری میں بھی دستیاب ہے!

www.qashida.com f JoharJoshandaOfficial www.qashidashop.com